www.KitaboSunnat.com

مقالاتِ قاسمی

پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مقالاتِ قاسمی

(فتنۂ انکارِ حدیث کی تردید میں)

کتاب نمبر 2079
مکتبہ دار العلوم المحمدیہ

حافظ پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی
بی ایس سی (آنرز) ایگریکلچر
ایم اے اسلامیات
پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب سرائے
بیت الحکمت لاہور کا اشاعتی ادارہ
الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیاد
پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ
۱۹۴۷-۲۰۰۹

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۱ ہجری ۲۰۱۰ء

نام کتاب : مقالاتِ قاسمی
مصنف : حافظ پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی
اہتمام : بیت الحکمت، لاہور
مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

نفیس کتاب
فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس 37239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب ابواب

باب ۱......قرآن فہمی اور حدیث نبوی ﷺ ---------------------------- ۱۷

باب ۲......'طلوعِ اسلام' کی خدمتِ عالیہ میں ------------------------ ۸۱

باب ۳......غلام احمد پرویز کی 'قرآنی خدمات' ---------------------- ۸۹

باب ۴......علماءِ کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ ---------------- ۱۳۳

باب ۵......مولانا مودودیؒ کے خلاف پرویز صاحب کا انتہائی معاندانہ اور زہریلا پراپیگنڈہ -- ۱۶۲

باب ۶......'مفکرِ قرآن' بمقابلہ 'مصورِ پاکستان' ------------------- ۱۹۴

باب ۷......مذہبی پیشوائیت؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ ----------- ۲۳۰

باب ۸......جناب غلام احمد پرویز کے ''ایمان بالقرآن'' کی حقیقت --- ۲۱۳ء

باب ۹......بیسویں صدی کا ''مزاج شناسِ خدا''، جناب غلام احمد پرویز - ۳۶۲

باب ۱۰......بیسویں صدی کا ''مزاج شناس رسول''، جناب غلام احمد پرویز ۳۷۵

باب ۱۱......جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی ------------ ۴۱۴

باب ۱۲......دفاعِ وطن اور ہمارے فرائض ---------------------------- ۴۲۱

❀❀❀❀

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

☆ حرفِ اوّل ---------- ۱۴

باب ا...... قرآن فہمی اور حدیث نبوی ﷺ ---------- ۱۷

حصہ اوّل

☆ جنابِ مضمون نگار کا تحدی آمیز مطالبہ ---------- ۱۸

☆ عابد بمعنی حریص و لالچی؟ ---------- ۲۰

☆ مضمون نگار کا ایک اور تعلّی آمیز مطالبہ ---------- ۲۱

☆ اپنے اُصول کی آپ مخالفت ---------- ۲۳

☆ حقیقی و مجازی معانی کے اُصول وضوابط ---------- ۲۶

☆ مجازی معنیٰ اور باطنی معنیٰ ---------- ۳۰

☆ کیا علامہ اقبالؒ منکرِ حدیث تھے؟ ---------- ۳۱

☆ طلوعِ اسلام کا مقصدِ اجرا ---------- ۳۴

☆ دوسرا حوالہ؛ مکتوبِ اقبال ---------- ۳۶

☆ مودودی صاحب ہی کیوں، پرویز کیوں نہیں؟ ---------- ۳۷

☆ حیاتِ اقبال کے آخری لمحات ---------- ۳۷

حصہ دوم

☆ نفسِ مسئلہ سے مقالہ نگار کا گریز ---------- ۴۲

☆ چند اُمور پر غور فرمایئے! ---------- ۴۳

☆ ا۔ پہلے ایمان کس پر؟ قرآن پر یا رسولؐ پر؟ ---------- ۴۳

☆ ۲۔ کتاب کے ساتھ، بشر رسول ہی کیوں؟ ---------- ۴۴

☆ ۳۔ اُسوہ...... الفاظِ کتاب یا ذاتِ رسولؐ؟ ---------- ۴۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

☆ ۴۔ رسولؐ؛ مامور من اللہ شارحِ قرآن ---------- ۴۶

☆ روایاتِ حدیث اور منکرین حدیث ---------- ۴۸

☆ قرآن 'یقینی'، مگر روایات 'ظنی' ---------- ۵۰

☆ اختلافِ سنت کا پراپیگنڈہ ---------- ۵۲

☆ مقالہ نگار اور مسئلہ شانِ نزول ---------- ۵۴

☆ مسئلہ نسخ آیات اور مقالہ نگار ---------- ۵۶

☆ وحی خفی اور مقالہ نگار ---------- ۶۰

☆ معیارِ صحت حدیث اور مقالہ نگار ---------- ۶۲

☆ .....کو 'مطابق قرآن' بنانے کا نعرہ ---------- ۶۷

☆ آخر یہ تبدیلی کس 'مفہوم قرآن' کے مطابق؟ ---------- ۶۷

☆ مقالہ نگار کا ایک اور سوال ---------- ۶۸

☆ خلاصۂ بحث اور اس کا منطقی نتیجہ ---------- ۷۱

باب ۲..... 'طلوعِ اسلام' کی خدمتِ عالیہ میں ---------- ۸۱

باب ۳..... غلام احمد پرویز کی 'قرآنی خدمات' ---------- ۸۹

☆ کھلے اور چھپے اعداءِ اسلام ---------- ۸۹

☆ حجیتِ قرآن کا نعرہ ---------- ۹۳

☆ لیکن عملاً قرآن حجت نہیں! ---------- ۹۴

☆ پہلی مثال (فلسفہ تاریخ اَدیان کے حوالہ سے) ---------- ۹۴

☆ دوسری مثال (عمر نوحؑ کے حوالے سے) ---------- ۹۹

مزاجِ پرویز کا ایک بنیادی پہلو ---------- ۱۰۲

☆ تیسری مثال (قتل ابناءِ بنی اسرائیل) ---------- ۱۰۳

'مفکرِ قرآن' کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری ---------- ۱۰۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تورات اور 'مفکرِ قرآن' ---------- ۱۰۹

'مفکرِ قرآن' کی اُلٹی گنگا ---------- ۱۰۹

☆ چوتھی مثال (واقعہ ذبحِ بقرہ اور قیاسی تفسیر) ---------- ۱۱۱

قیاسی تفسیر اور پھر یہ دعاوی بھی ---------- ۱۱۴

پرویز ...... وفادار غلامِ مغرب ---------- ۱۱۶

پرویز ...... عالمِ کفر کا منظورِ نظر ---------- ۱۱۷

قرآن کے نام پر 'مغرب پرستی' ---------- ۱۲۴

آمدم برسرِ مطلب ---------- ۱۲۷

یہی 'قرآنی خدمات' علماءِ امتِ محمدیہؐ کی نظر میں ---------- ۱۲۸

اور آخر میں؛ یہ جملہ معترضہ بھی ---------- ۱۲۹

باب ۴ ...... علماءِ کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ ---------- ۱۳۳

☆ منافقانہ اظہارِ حق ---------- ۱۳۳

☆ 'طلوعِ اسلام' اُفقِ پاکستان پر ---------- ۱۳۵

☆ پاکستان میں ابتدائی دورِ طلوعِ اسلام ---------- ۱۳۶

☆ 'دو اسلام' ---------- ۱۳۷

☆ زعمائے مسلم لیگ کی جان کو دوگونہ عذاب ---------- ۱۳۹

☆ غلام احمد پرویز کی خدمتِ سرکار ---------- ۱۳۹

☆ طلوعِ اسلام کی چہار گونہ سرگرمیاں ---------- ۱۴۱

☆ علماء کے خلاف نفرت کی مہم ---------- ۱۴۱

☆ معتزلہ اور منکرین حدیث ---------- ۱۵۵

باب ۵ ...... مولانا مودودیؒ کے خلاف پرویز صاحب کا انتہائی معاندانہ اور
زہریلا پراپیگنڈہ ---------- ۱۶۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ اطاعتِ نبی ﷺ کا "بت" ---------- ۱۶۲
☆ خلافِ ضمیر، اظہارِ خیال ---------- ۱۶۶
☆ نظامِ طاغوت کی چاکری ---------- ۱۷۰
☆ مزاجِ پرویز کا ایک خاص پہلو ---------- ۱۷۰
☆ تحقیرِ معروف اور تحسینِ منکر کا رویہ پرویز ---------- ۱۷۵
☆ ڈاڑھی اور بغضِ پرویز ---------- ۱۷۸
☆ مولانا مودودیؒ کی مخالفتِ پرویز کی وجہ ---------- ۱۷۸
☆ "طلوعِ اسلام"، افقِ پاکستان پر ---------- ۱۸۰
☆ طلوعِ اسلام کے بدلتے ہوئے نظریات ---------- ۱۸۱
☆ دو دلچسپ تضادات ---------- ۱۸۴
☆ زہریلا پراپیگنڈہ، سیّد مودودیؒ کے خلاف ---------- ۱۸۶
☆ مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی ---------- ۱۸۹
باب ۶ ..... 'مفکرِ قرآن' بمقابلہ 'مصورِ پاکستان' ---------- ۱۹۴
☆ پہلا اختلاف بسلسلۂ حجیتِ حدیث ---------- ۱۹۶
☆ دوسرا اختلاف انسانی فطرت کے بارے میں ---------- ۱۹۹
☆ تیسرا اختلاف 'مفہومِ قصاص' میں ---------- ۲۰۰
☆ چوتھا اختلاف بسلسلۂ قوامیتِ مرداں وقنوتِ نسواں ---------- ۲۰۳
☆ پانچواں اختلاف بسلسلۂ اطاعتِ والدین ---------- ۲۰۵
☆ چھٹا اختلاف بسلسلۂ 'الہام' ---------- ۲۰۸
☆ ساتواں اختلاف تصوف کی بابت ---------- ۲۱۱
☆ آٹھواں اختلاف بسلسلۂ خلافت الٰہیہ ---------- ۲۱۴
☆ نواں اختلاف بسلسلۂ تقلید ---------- ۲۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ دسواں اختلاف معجزات کے بارہ میں ---------- ۲۱۹
☆ گیارہواں اختلاف 'آگ اور معجزۂ ابراہیمی' ---------- ۲۱۹
☆ بارہواں اور تیرہواں اختلاف بسلسلۂ معجزۂ عصاءِ موسیٰ ---------- ۲۲۲
☆ اقبالؒ کا نام، ذریعہ مطلب برآری ---------- ۲۲۴
باب ۷...... مذہبی پیشوائیت؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ ---------- ۲۳۰
☆ عجمی اور 'قرآنی' اسلام ---------- ۲۳۴
☆ دو اسلام ---------- ۲۳۵
☆ صرف علماء ہی نعل در آتش کیوں؟ ---------- ۲۳۶
☆ مخالفتِ علماء میں پرویزی حیلے ---------- ۲۳۸
۱۔ جاہلی عصبیت ---------- ۲۴۱
۲۔ 'کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ' ---------- ۲۴۲
☆ علماء کے خلاف فتواے پرویز ---------- ۲۴۳
☆ پرویز کے خلاف فتوائے کفر ---------- ۲۴۴
☆ 'مفکرِ قرآن' کا ردِّ عمل ---------- ۲۴۵
☆ فتویٰ کی اتھارٹی ---------- ۲۴۶
☆ فتویٰ اور حکومتی ذمہ داری ---------- ۲۴۷
☆ قیامِ پاکستان اور نفاذِ اسلام ---------- ۲۴۸
☆ پرویز صاحب کی خدمت سرکار ---------- ۲۴۹
☆ 'دو اسلام' آمنے سامنے ---------- ۲۵۰
☆ مولانا مودودیؒ کی انتہائی مخالفت ---------- ۲۵۲
☆ مُلّا ازم اور حکومتی گٹھ جوڑ ---------- ۲۵۵
جملہ معترضہ ---------- ۲۵۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ آمدم برسرِ مطلب ---------- ۲۵۹
☆ نہ دلیل، نہ ثبوت ---------- ۲۶۱
☆ علماءِ اُمت کا شاندار کردار ---------- ۲۶۲
☆ پہلا واقعہ ---------- ۲۶۳
☆ دوسرا واقعہ ---------- ۲۶۴
☆ تیسرا واقعہ ---------- ۲۶۵
☆ چوتھا واقعہ ---------- ۲۶۶
☆ پانچواں واقعہ ---------- ۲۶۷
☆ چھٹا واقعہ ---------- ۲۶۸
☆ ساتواں واقعہ ---------- ۲۶۹
☆ آٹھواں واقعہ ---------- ۲۷۰
☆ نواں واقعہ ---------- ۲۷۰
☆ علماءِ کرام کا یہی کردار، چودہ سوسالہ تاریخ میں ---------- ۲۷۱
☆ پرویز کے فکری اسلاف ہی ''مُلّا'' تھے ---------- ۲۷۳
☆ قدیم وجدید معتزلہ ---------- ۲۷۳
جملۂ معترضہ ---------- ۲۷۵
☆ معتزلہ کی ''مُلّائیت'' کا اربابِ اقتدار سے گٹھ جوڑ ---------- ۲۷۵
☆ ''مفکرِ قرآن'' کا دوگونہ جھوٹ ---------- ۲۷۸
☆ سببِ زوالِ معتزلہ ---------- ۲۷۸
☆ پاکستان ...... مُلّا ازم ...... پرویز ---------- ۲۸۰
☆ دروغ گورا حافظہ نہ باید ---------- ۲۸۲
☆ ''مفکرِ قرآن'' کا تضاداتی کردار ---------- ۲۸۳
☆ ''یہ پرویز کی نہیں، قرآن کی مخالفت ہے'' ---------- ۲۸۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ پاکستان میں تھیاکریسی کا مصداق کون؟ ---------- ۲۸۶
☆ اربابِ اقتدار سے استفادۂ پرویز ---------- ۲۸۹
☆ ملکی سیاست میں کردارِ پرویز ---------- ۲۹۰
☆ ۱۹۵۴ء کی مقنّنہ کے خاتمہ میں کردارِ پرویز ---------- ۲۹۲
☆ دورِ ایوّبی اور پرویز صاحب ---------- ۲۹۳
☆ مالی اعانتِ پرویز از ایوب خاں ---------- ۲۹۴
☆ طلوعِ اسلام کا مطالعہ فوج میں لازم کیا گیا ---------- ۲۹۴
☆ ایوب خاں کو جماعت اسلامی کے خلاف مشورۂ پرویز ---------- ۲۹۵
☆ کرو خود اور الزام دوسروں پر لگاؤ ---------- ۲۹۶
☆ ''مفکرِ قرآن'' کا کذبِ خالص ---------- ۲۹۷
☆ مذہبی پیشوائیت ہے کیا؟ ---------- ۲۹۹
☆ تین قابلِ غور امور ---------- ۳۰۰
☆ خلاصۂ بحث ---------- ۳۰۴
☆ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ---------- ۳۰۷
باب ۸...... جناب غلام احمد پرویز کے ''ایمان بالقرآن'' کی حقیقت ---------- ۳۱۳
☆ ''مفکرِ قرآن'' کی تعلّی آمیز انانیت ---------- ۳۱۴
☆ اعلم الناس بالقرآن کی پندار افزائی ---------- ۳۱۶
☆ راہنمائی، قرآن کی طرف یا تہذیب مغرب کی طرف؟ ---------- ۳۱۸
☆ ایمان بالقرآن کے دعاوی پرویز ---------- ۳۱۸
☆ اطاعتِ قرآن کی بجائے تقلیدِ مغرب ---------- ۳۲۱
☆ پہلی مثال: انسانوں میں تصورِ خدا کیسے پیدا ہوا؟ ---------- ۳۲۲
☆ ''مفکرِ قرآن'' کا قطعی خلافِ قرآن فلسفہ ---------- ۳۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنقید بر ''دلائل پرویز'' ---------- ۳۲۴

عمر بھر کے مطالعہ قرآن کے بعد بھی، قرآن سے بے خبری ---------- ۳۲۶

''مفکر قرآن'' کی اندھی تقلید مغرب ---------- ۳۲۸

☆ دوسری مثال: انکارِ نبوتِ آدم ---------- ۳۳۰

لغزش یونس اور پرویز ---------- ۳۳۱

غلبۂ شیطان یا مسِ شیطان؟ ---------- ۳۳۳

انکارِ نبوتِ آدم علیہ السلام کی اصل وجہ؟ ---------- ۳۳۴

☆ تیسری مثال: عمر نوح علیہ السلام ---------- ۳۳۶

انکارِ طولِ عمر کی لِم ---------- ۳۳۷

عمرِ نوح علیہ السلام اور اقتباساتِ پرویز ---------- ۳۳۹

ازالۂ استبعادِ عقلی کے لیے ایک اور اقتباسِ پرویز ---------- ۳۴۰

مزاجِ پرویز کا ایک بنیادی پہلو ---------- ۳۴۱

☆ چوتھی مثال: قتل ابناءِ بنی اسرائیل ---------- ۳۴۲

انکارِ قتل ابناء بنی اسرائیل کی وجہ ---------- ۳۴۳

''مفکر قرآن'' کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری ---------- ۳۴۴

تورات اور پرویز ---------- ۳۴۶

ایک قابل غور امر ---------- ۳۴۷

☆ پانچویں مثال: واقعۂ قتلِ نفس اور ذبحِ بقرۃ ---------- ۳۴۸

تفسیر قرآن میں احوط و انسب رویہ ---------- ۳۴۸

☆ چھٹی مثال: رہبانیت مریم کی بابت خود ساختہ داستانِ پرویز ---------- ۳۵۳

پرویز کی داستان میں ''غیر قرآنی اجزاء'' ---------- ۳۵۴

ایمان..... قرآن پر؟ یا غیر قرآن پر؟ ---------- ۳۵۶

☆ ساتویں مثال: ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام قرآن اور ''مفکر قرآن'' ---------- ۳۵۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن بمقابلہ مغربیت اور رویۂ پرویز ---------------------------- ۳۵۹
باب ۹......بیسویں صدی کا ''مزاج شناسِ خدا''، جناب غلام احمد پرویز - ۳۶۲
☆ مزاج شناسی خدا کی پہلی مثال ---------------------------------- ۳۶۴
☆ ''مفکر قرآن''، مزاج شناسِ خدا ---------------------------------- ۳۶۶
☆ مزاج شناسی خدا کی دوسری مثال ---------------------------------- ۳۶۸
☆ تیسری مثال، آخرت بمعنی ''دنیاوی مستقبل'' ---------------------------- ۳۷۲
باب ۱۰......بیسویں صدی کا ''مزاج شناس رسول''، جناب غلام احمد پرویز ۳۷۵
☆ فلسفہ انکارِ حدیث کا ایک جزو ---------------------------------- ۳۷۶
☆ حفظِ حدیث کا پہلا طریقہ وذریعہ ---------------------------------- ۳۷۷
☆ ''کچھ حدیثیں'' ---------------------------------- ۳۷۸
☆ حفظ حدیث کا دوسرا ذریعہ وطریقہ ---------------------------------- ۳۷۹
☆ ''مفکر قرآن'' مزاج شناس رسول ---------------------------------- ۳۸۲
☆ اظہارِ عدمِ اتفاق کی علت ---------------------------------- ۳۹۴
☆ ''مفکر قرآن'' کی عظیم گستاخی اور شرمناک بے باکی ---------------------- ۳۹۷
☆ ''مفکر قرآن'' کے دہرے معیار ---------------------------------- ۳۹۹
☆ امام ابوحنیفہؒ اور غلام احمد پرویز ---------------------------------- ۴۰۲
☆ ''مفکر قرآن'' خود ''مزاج شناسِ رسول'' تھے ---------------------------- ۴۰۴
☆ مولانا اصلاحی کا عدالتی بیان ---------------------------------- ۴۰۵
☆ مسئلہ کا ایک اور پہلو۔ اقبالؒ اور قادیانیت ---------------------------- ۴۰۶
☆ علامہ اقبالؒ اور دارالاسلام پٹھانکوٹ ---------------------------------- ۴۰۹
☆ مشورۂ پرویز اور مودودیؒ دارالاسلام میں ---------------------------------- ۴۰۹
باب ۱۱......جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی ---------------- ۴۱۴
باب ۱۲......دفاعِ وطن اور ہمارے فرائض ---------------------------- ۴۲۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ سرد جنگ سے متعلقہ فرائض ---------- ۴۲۱
☆ اربابِ اقتدار کی ذمہ داریاں ---------- ۴۲۲
☆ شہری دفاع کی فنی حفاظتی تدابیر ---------- ۴۲۲
☆ دفاعِ وطن کے لیے اصل قوتِ محرکہ ---------- ۴۲۳
☆ عامۃ الناس کی ذمہ داریاں ---------- ۴۲۸
پہلی ذمہ داری...... اصلاح خویش ---------- ۴۲۸
دوسری ذمہ داری...... منظم تحریک ---------- ۴۲۹
تیسری ذمہ داری...... پاکستان اور اسلام کا لزوم والتزام ---------- ۴۳۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرفِ اوّل

یہ کتاب میرے ان مقالات کے مجموعہ پر مشتمل ہے جو مختلف مجلّات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ کچھ ایسے مقالات بھی ہیں جو کسی رسالے کے لیے، زینت دہِ اوراق نہیں ہو پائے۔ ابتدائی دس مقالات فکر پرویز کی تردید میں قلم بند ہوئے ہیں، جب کہ آخری دو مقالات کا تعلق ردّ پرویزیت سے نہیں ہے۔ ان دونوں میں سے، ایک مقالہ "دفاع وطن اور ہمارے فرائض" محکمہ شہری دفاع کے زیر انتظام، اس جلسۂ عام میں بطور محاضرہ پیش کیا گیا تھا، جو گورنمنٹ کالج لیہ میں، زیر صدارت جناب سیّد جعفر عباس زیدی، پرنسپل کالج ہذا، ستمبر ۱۹۸۴ء کو منعقد ہوا تھا۔ سامعین کا اصرار تھا کہ اس محاضرہ کو کتابچہ کی شکل میں ہر شہری تک پہنچنا چاہیے۔ بہر حال، میرے وسائل تو اس قدر نہ تھے کہ حاضرین جلسہ کی یہ خواہش، عملی جامہ پہن پاتی۔ میں یہی کر سکتا تھا کہ اسے کسی رسالہ کو اشاعت کے لیے بھیج دیتا اور یہی میں نے کیا بھی۔ اس کے نتیجہ میں، یہ ہفت روزہ تکبیر میں ۱۲ تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں منظر عام پر آیا۔ اب اس مقالہ کو عامۃ الناس کے استفادہ کے لیے، اس کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا، تو یہ مقالہ مجلّہ مذکورہ کی برسوں پرانی فائل میں نہ صرف یہ کہ بے کار پڑا رہتا، بلکہ نسیاً منسیّا ہو جاتا۔

دوسرا مقالہ، جو اس کتاب کا آخری باب بھی ہے، میری زندگی کی اوّلین نگارش ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب علامہ احسان الٰہی ظہیر (مرحوم) کے زیر انصرام، ترجمان الحدیث، اسلامی صحافت کے اُفق پر، ایک نئے ستارے کے طور پر نمودار ہوا تھا۔ اس نوزائیدہ مجلّہ کو مقالات و مضامین لکھنے والوں کے قلمی تعاون کی ضرورت تھی۔ پروفیسر حافظ مشتاق احمد صاحب نے (جو گورنمنٹ کالج شکر گڑھ سے ریٹائر ہوکر، اب شکر گڑھ ہی کے مستقل باسی ہو کر رہ گئے ہیں) مجھے ترجمان الحدیث کے لیے کوئی مضمون لکھنے کی فرمائش کی۔ حافظ صاحب،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ مرحوم کے بچپن کے ایسے دوست تھے، جن کے جوان ہونے کے ساتھ ساتھ، ان کی محبتیں بھی جوان ہوتی گئیں۔ چنانچہ میں نے ، یہ مقالہ لکھ تو دیا، مگر ترجمان الحدیث میں شائع نہ ہو سکا۔ مجھے اپنی پہلی نگارش کو، شائع شدہ حالت میں دیکھنے کا شدید انتظار رہا۔ جب کئی ماہ تک زحمت کشِ انتظار رہنے کے بعد، میں نے حافظ صاحب سے (جو جادۂ تعلیم و تدریس پر میرے ہمسفر بھی تھے اور دوست بھی) یہ عرض کیا کہ آپ کے فرمان پر میں نے جو مقالہ ترجمان الحدیث کے لیے لکھا تھا، وہ اب تک محروم اشاعت ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے جب علامہ صاحب سے اس کا ذکر کیا، تو علامہ صاحب نے فرمایا: "مقالہ اتنا اچھا ہے کہ مجھے شک پڑتا ہے کہ مرسل مقالہ کی یہ خود اپنی نگارش نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور کی تحریر کو اپنے نام کے ساتھ ارسال کر ڈالا ہو، کیونکہ مقالہ نگار ایک غیر معروف آدمی ہیں۔" چنانچہ حافظ صاحب نے انہیں مطمئن کیا کہ "ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں قاسمی صاحب کو بخوبی جانتا ہوں، اور یہ خود ان ہی کا تحریر کردہ مضمون ہے، آپ بے دھڑک اسے شائع کر دیں۔" چنانچہ حافظ صاحب کی اس یقین دہانی کے بعد، جون ۱۹۷۰ء کے ترجمان الحدیث میں، میری زندگی کی پہلی نگارش منظرِ عام پر آئی۔ اب اس مقالہ کو بھی، اس لیے شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے کہ مجلّہ کی قدیم فائلوں کے قبرستان میں، مدفون رہ کر، یہ دائمی طور پر گلدستہ طاقِ نسیاں ہو کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ مقالہ جات، جو اب تک کہیں شائع نہیں ہو پائے، اور اب پہلی مرتبہ، اس کتاب میں شائع ہو رہے ہیں، تو وہ مندرجہ ذیل تین مقالات ہیں:

۱۔ "مفکرِ قرآن" کی "قرآنی خدمات"

۲۔ بیسویں صدی کا "مزاج شناسِ خدا" غلام احمد پرویز

۳۔ بیسویں صدی کا "مزاج شناسِ رسول" غلام احمد پرویز

"مزاج شناسِ رسول" والے مقالہ میں، میں نے اس پہلو سے بحث نہیں کی کہ "مسلکِ اعتدال" کے زیرِ عنوان، مولانا مودودی مرحوم نے جو کچھ تفہیمات حصہ اوّل میں تحریر فرمایا ہے، وہ غلط ہے یا صحیح، بلکہ اس پہلو سے بحث کی ہے کہ جناب غلام احمد پرویز نے، خبثِ باطن کی بنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر، اس اقتباس کو، اپنے استحصالِ ناروا کا جونشانہ بنایا ہے، ان کا میزانِ عدل و انصاف میں کیا وزن ہے، کیونکہ خود پرویز صاحب بھی، ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں، جیسے خیالات، مسلک اعتدال میں مولانا مودودی رحمہ اللہ نے ظاہر فرمائے ہیں، اور اب "مفکر قرآن" کا منہ پھاڑ کر، جارحانہ انداز میں، اقتباس مودودی کو نشانہ بنانا، ایک ایسی حرکت ہے، جس پر حقیقتِ حال سے باخبر شخص یہ کہنے پر، خود کو مجبور پاتا ہے کہ "چھاج تو بولے، مگر چھلنی کیوں بولے، جس میں نوسو چھید۔"

اب رہے ابتدائی دس مقالات، تو یہ سب کے سب منکرین حدیث کے فکر کی تردید میں لکھے گئے ہیں۔ یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ کتاب میں موجود، جملہ مضامین و مقالات، مختلف مواقع پر ضبطِ تحریر میں لائے گئے تھے، ان کی نوشت میں بعض اوقات مہینوں کا، اور بعض اوقات، برسوں کا عرصہ حائل ہے۔ اس لیے حالات و واقعات اور موضوع کی مناسبت سے جو چیزیں، ان میں مذکور ہیں، ان میں تکرار و اعادہ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان مقالات کو کتابی شکل میں سمیٹتے وقت، جب میں نے حذف ومحو کا ارادہ کیا، تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ ایسا کرنے کی صورت میں، جو قباحت لازم آتی ہے، وہ تکرار و اعادہ کی قباحت سے فزوں تر ہے۔ چنانچہ بجائے، اس کے کہ بعض عبارتوں کو قلم زد کیا جائے، میں نے انہیں علی حالہا برقرار رکھا ہے، اور ویسے بھی جن اُمور کا اعادہ و تکرار ہوا ہے، بہر حال حقائق بانداز دیگر ہیں اور جنہیں بار بار پیش کرنے سے، وہ ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ پھر اس تکرار کو برقرار رکھنے کی دوسری وجہ "مفکر قرآن" کا طرزِ عمل ہے، جو اپنے اکاذیب و اباطیل کو بکثرت دہرایا کرتے تھے، انہوں نے گوئبلز کا یہ عقیدہ اپنا لیا تھا کہ "جھوٹ کو اگر سو مرتبہ دہرایا جائے، تو وہ سچ بن جاتا ہے۔" اب اگر تکرار و اعادہ سے جھوٹ کو سچ باور کروایا جا سکتا ہے، تو جو اُمور ہوں ہی حقائق، انہیں دہرا کر، کیوں نہ قارئین کرام کے ذہن نشین کیا جائے، اسی مصلحت کے پیشِ نظر، میں نے اعادہ شدہ ·اد کے حذف ومحو کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد دین قاسمی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱

قرآن فہمی اور حدیث نبوی ﷺ

'طلوع اسلام' کے 'اشراق' اور 'محدث' کی تنقید میں لکھے گئے مباحث کا جائزہ

جناب غلام احمد پرویز بلا شبہ ذہین آدمی تھے۔ ذہانت و فطانت کے ساتھ عمدہ قلمی صلاحیتوں کے بھی حامل تھے۔ جدید افکار و نظریات سے متاثر ہی نہیں بلکہ انتہائی مرعوب بھی تھے۔ اسی فکری اسیری اور ذہنی غلامی کے باعث وہ قرآن مجید سے نت نئی چیزیں کشید کیا کرتے تھے، جو اُن کے پیروکاروں کے نزدیک 'علمی جواہر پارے' اور ان کے مخالفین کی نظر میں 'تحریفات و تلبیسات' تھیں۔ تاہم وہ غور و فکر، سوچ بچار اور فکر و تدبر سے کام لینے والے تھے، لہٰذا فضائے دماغی میں اُٹھنے والی ہر لہر کے ساتھ ان کے آراء و نظریات میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی تھی، جس کے نتیجے میں طلوعِ اسلام کی فائل از ابتدا تا انتہا ایک وسیع خارزارِ تضادات و تناقضات کا منظر پیش کرتی ہے۔ لیکن اپنے ان تضادات پر پردہ ڈالے رکھنے کے لئے وہ مجبور تھے کہ خوردبینی مطالعہ کے ذریعہ اپنے مخالفین کی تحریروں میں سے تضادات کو 'دریافت کرکے' خوب اُچھالا جائے اور نہ ملنے کی صورت میں اپنی ذہانت و فطانت کو کام میں لاتے ہوئے اُنہیں 'پیدا کرکے' یہ ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ

> ''مفاد پرستوں کے خود ساختہ اسلام کے کئی مختلف ایڈیشن شائع ہوئے لیکن مصلحت اندیشیوں کی دیمک نے اُنہیں اس طرح چاٹا کہ ان کا ایک حرف بھی زمانہ کے صفحہ پر دکھائی نہیں دیتا، لیکن تغیرات کی ان آندھیوں میں اور انقلابات کے ان جھکڑوں میں ایک طلوعِ اسلام ہے کہ جس میں آپ کو نہ کہیں تضاد ملے گا، نہ تخالف نظر آئے گا۔'' [1]

---

[1] طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۳ تا ۲۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

— لیکن پرویز صاحب کے فکری پسماندگان جو طلوعِ اسلام کی اشاعت کا بیڑا اب تک اُٹھائے ہوئے ہیں، وہ نہ تو ذہانت و فطانت کے اعتبار سے اور نہ ہی قلمی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کے موزوں وارث بن پائے۔ وہ نہ تو پرویز صاحب کی سی خوردبینی نظر رکھتے ہیں کہ اپنے مخالفین کے عیوب و اسقام کو ڈھونڈ پائیں اور نہ ہی ایسی ذہنی چابک دستی رکھتے ہیں کہ اپنے مخالفین میں خامیوں کو 'پیدا کرکے' ویسا پراپیگنڈا کرسکیں اور یوں طلوعِ اسلام کی گاڑی رواں دواں رہے۔ اس لئے وہ بے چارے مجبور ہیں کہ پرویز صاحب ہی کے 'علمی جواہر پاروں' پر گزارہ کرتے رہیں اور اُنہیں کے گھسے پٹے نظریات کو اعادہ و تکرار کے ساتھ طلوعِ اسلام میں پیش کرتے رہیں۔ اگر کہیں نقد و تبصرہ کا شوق سر اُٹھائے تو دس پندرہ سال پہلے کے کسی رسالے میں شائع ہونے والے کسی مضمون و مقالہ کو اپنی طبع آزمائی کا نشانہ بنایا جائے۔ قرآن فہمی کے سلسلہ میں طلوعِ اسلام کی قریبی اشاعتوں میں شائع ہونے والے مباحث اسی نظریۂ ضرورت کے شاخسانے ہیں۔ ان مباحث کی ابتدا، طلوعِ اسلام کے ایک لکھاڑی کے اس مقالہ سے ہوئی ہے جو ستمبر ۱۹۹۰ء کے 'اشراق' میں چھپنے والے مضمون کی تردید میں لکھا گیا ہے حالانکہ برسوں پہلے اشراق کے قبرستان میں گڑے ہوئے مُردوں کو اکھاڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن بہرحال طلوعِ اسلام کا پیٹ بھی تو بھرنا تھا۔

سردست، طلوعِ اسلام کے لکھاڑی کے مقالہ پر تفصیلی نقد و تبصرہ کرنا میرے پیش نظر نہیں ہے۔ چند ایک باتوں پر اجمالاً اظہار خیال کرنے کے بعد میں اسی مقالہ کے دوسرے حصے میں 'قرآن فہمی اور حدیثِ نبویؐ' کے زیر عنوان اس مقالہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو طلوعِ اسلام مئی ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس لئے یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں مذکورہ لکھاڑی اور دوسرے میں طلوعِ اسلام ہی کے ایک فاضل درسِ نظامی کی نگارشات پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

حصہ اول

۱۔ جناب مضمون نگار کا تحدی آمیز مطالبہ

مضمون نگار صاحب ایک مقام پر بڑے تحدی آمیز انداز میں جناب خورشید احمد ندیم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مستفسر ہیں کہ:

کیا وہ اس امر کو ثابت کر سکتے ہیں کہ پورے قرآن میں کسی ایک اسم علَم کو پرویز صاحب نے اسم نکرہ بنا دیا ہو؟ یا کسی بھی اسم نکرہ کو اسم علم ٹھہرا دیا ہو۔ جہاں تک ہم نے پرویز صاحب کو سنا اور پڑھا ہے، ہمیں تو کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ اگر ندیم صاحب کو پرویز صاحب کے ہاں کوئی ایک بھی ایسی بے ہودہ و لایعنی مثال ملی ہو تو وہ ہمارے سامنے پیش کریں۔ ❶

مثالیں تو بہت سی ہیں لیکن ایسے لوگوں کو یہ مثالیں کبھی نظر نہیں آیا کرتیں جو حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے عقیدت کی عینک میں سے دیکھنے کے عادی ہوں یا اپنی اندھی عقیدت و ارادت کا تقاضا یہ سمجھتے ہوں کہ ایسی نمایاں مثالوں سے صرفِ نظر ہی کر لیا جائے تاکہ عقیدت کے نازک آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ

آنکھیں اگر ہوں بند، تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا !!

میں ایک مثال صرف اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ اوّلاً تو اس مقالہ میں زیادہ مثالوں کی گنجائش نہیں اور ثانیاً مطالبہ بھی صرف ایک ہی مثال کا ہے۔ ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جس طرح زید، خالد، سلیم، اسم معرفہ ہیں اُسی طرح نوحؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ کی طرح آدمؑ بھی اسم معرفہ ہیں۔ لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب، آدمؑ کو (جو اسم علَم ہونے کی بنا پر ہی اسم معرفہ ہے) بطور اسم نکرہ ہی کے پیش کرتے رہے ہیں۔ آدم، بہرحال فردِ خاص تھا، بالکل اسی طرح جس طرح نوحؑ، ابراہیمؑ، اور عمران نام کے مذکور فی القرآن لوگ خاص افراد (اسم معرفہ) تھے لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب حضرت آدم علیہ السلام کو اسم علم، اسم معرفہ یا فرد خاص قرار دینے کی بجائے یہ کہا کرتے تھے کہ

''آدم سے مراد آدمی ہے، قصہ آدم خود آدمی کی سرگزشت ہے نہ کہ کسی خاص فرد کی داستان!'' ❷

---

❶ طلوع اسلام، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۳ ❷ ابلیس و آدم، ص ۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب یہ فیصلہ کرنا طلوعِ اسلام یا جناب مضمون نگار صاحب کا اپنا کام ہے کہ آدم جیسے اسم علم اور اسم معرفہ کو اسم نکرہ بنا ڈالنے کی یہ پرویزی مثال بے ہودہ و لایعنی مثال ہے یا نہیں۔

۲۔ عابد بمعنی حریص و لالچی؟

ستمبر ۱۹۹۰ء کے 'اشراق' میں چھپنے والے ایک مقالہ میں جناب خورشید احمد ندیم صاحب نے ایک عربی لفظ عابد کا معنی 'حریص اور لالچی' شخص بھی بیان کیا تھا۔ اس پر جناب مضمون نگار صاحب بڑے تعلّی آمیز انداز میں اپنے پندارِ علم کا مظاہرہ بایں الفاظ کرتے ہیں:

> ''خدا معلوم کہ جناب ندیم صاحب کے پاس کون سا اُردو لغت ہے کہ جس میں عابد کا معنی حریص و لالچی لکھا ہے، اگر ایسا کوئی لغت ہے تو وہ اس کا حوالہ دے کر اور اس کے پبلشرز کا اَتہ پتہ بتا کر ہمارے لئے جود وکرم کا باب وا کرنے میں بخل و تساہل سے کام نہیں لیں گے۔ ایسا مطالبہ کرنا بالکل بجا اور درست ہے، کیونکہ آپ نے محولہ بالا عبارت میں اعتراف کیا ہے کہ لغت کے لحاظ سے یہ صحیح مفہوم ہے جب لغات کے حوالے سے یہ صحیح ہے تو پھر لغات ہی سے سند کا مطالبہ کرنا بھی صحیح اور معقول ہے۔'' ❶

اب جناب مضمون نگار صاحب کو یہ کون سمجھائے کہ 'عابد' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اُردو زبان میں بھی یہ لفظ عربی زبان ہی سے آیا ہے۔ لہٰذا اس معنی کی تلاش اگر پیش نظر ہے تو اُردو لغات کی بجائے عربی لغات کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ اگر وہاں بھی یہ معنی نہ ملے تو بھی جناب مضمون نگار صاحب کے لئے ایسا تعلّی آمیز پندارِ علم کا مظاہرہ کرنا ایک حد تک جائز ہوگا اگرچہ اخلاقاً یہ کوئی مستحسن چیز نہیں ہے۔ میں تفصیل و اطناب سے گریز کرتے ہوئے صرف دو کتبِ لغت کا حوالہ پیش کر رہا ہوں، جس میں یہ معنی موجود ہے۔

عبد علیه : حرص ❷

---

❶ طلوعِ اسلام، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۳

❷ المعجم الوسیط ج ۲، ص ۵۷۹، انتشارات ناصر خسرو، مہران، ایران

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب میں ایک ایسی کتاب لغت کا حوالہ پیش کر رہا ہوں جس تک رسائی پانا معمولی پڑھے لکھے انسان کے لئے بھی آسان ہے۔عبدعلی الشّیئَ حریص ہونا،صفت عابد و عبد ❶

جہاں تک ان کتابوں کے 'پبلشر کا اتہ پتہ بتانے' کا تعلق ہے تو اوّل الذکر کتاب المعجم الوسیط تہران ایران سے انتشارات ناصر خسرو کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے جبکہ ثانی الذکر 'مصباح اللغات' عربی اردو لغت ہے جس کا مؤلف عبدالحفیظ بلیاوی ہے اور اسے ایچ ایم سعید کمپنی،ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

فی الحال، طوالتِ مقالہ سے بچتے ہوئے انہی دو حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ دیگر کتب لغات سے بھی اس معنی کی تصدیق ممکن ہے۔

۳۔ مضمون نگار کا ایک اور تعلّی آمیز مطالبہ

جناب مضمون نگار صاحب نے ایک اور تحدی آمیز مطالبہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''لغات سے سند طلب کرنے کے علاوہ ہمارا دوسرا مطالبہ ان سے یہ ہے کہ وہ (یعنی ندیم صاحب) جناب پرویز صاحب کے مضامین و مقالات اور معارف و مطالب کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ان جواہر پاروں میں سے کہ جنہیں اُردو میں ادبِ عالیہ کا مقام حاصل ہو چکا ہے،کوئی ایک لفظ ایسا دکھا دیں کہ جس کے ساتھ جناب پرویز صاحب نے وہی کچھ کیا ہو جو اُنہوں نے عابد کے لفظ کے ساتھ کیا ہے۔'' ❷

مجھے اس بات پر خوشی ہے کہ جناب مضمون نگار صاحب نے 'کوئی ایک لفظ' ہی دکھا دینے کا مطالبہ کیا ہے جبکہ میں خود مقالہ میں اختصار کا خواہاں ہوں۔ لیجئے ایک ایسا لفظ جس کے ساتھ واقعتاً پرویز صاحب نے وہی (بلکہ اس سے بھی بدتر) سلوک کیا ہے جس کا الزام وہ اپنے مخالف پر لگا رہے ہیں۔ یہ لفظ ہے بَغِیًّا جو سورہ مریم میں دو جگہ آیا ہے۔

---

❶ مصباح اللغات،ص ۵۲۷،سعید اینڈ کمپنی،ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی

❷ طلوع اسلام، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾

(مریم: ۲۰)

"(مریم نے) کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی فرد بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار و بدچلن رہی ہوں۔"

﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾

(مریم: ۲۸)

"اے اُختِ ہارون! نہ تیرا باپ ہی کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکردار و زناکارہ تھی (تو یہ کیا پاپ کر بیٹھی؟)"

ان آیات میں بَغِیًّا کے لفظ کا ایک ہی معنی ہے: 'زناکار، بدچلن، بدکار' عربی زبان میں یہ لفظ اسی مفہوم کے لئے آتا ہے۔ 'مفکر قرآن' نے اس لفظ کو طلوعِ اسلام کے مَصنع میں خراد پر چڑھا کر اسے اپنے خود ساختہ مفہوم میں ڈھالا ہے اور پھر یہ اعلان کیا کہ

سورہ مریم میں بغیا کا لفظ حدود شکن کے لئے (۲۰/۱۹) آیا ہے، خاص طور پر زناکار کے لئے نہیں۔ ❶

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ زناکار کے علاوہ کسی اور معنی میں آتا ہی نہیں ہے۔ اگر اس کا معنی تکلف، تصنع اور بناوٹ کے ساتھ 'حدود شکن' کیا جائے (بشرطیکہ ایسا کرنا محال نہ ہو) تو یہ حدود شکنی بھی عفت و عصمت کے حوالہ ہی سے ہوگی، (نہ کہ مطلق حدود شکنی)۔ 'مفکرِ قرآن' نے لفظ بَغِیًّا کے ساتھ، یہ سلوک صرف اس لئے کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کو نہ ماننا پڑے۔ چودہ صدیوں میں منکرین حدیث کے گروہ کے علاوہ کسی مفسر قرآن اور مترجم قرآن عالم دین نے اس لفظ کا معنی 'حدود شکن' بیان نہیں کیا۔ ہر ایک نے 'بدکار وزناکار یا بدچلن' ہی اس کا معنی لکھا ہے۔ حتیٰ کہ خود پرویز صاحب نے بھی اپنے ماضی میں (جبکہ وہ روشنی سے تاریکیوں کی طرف اپنے سفر کی ابتدائی منازل میں تھے) یہی 'زناکار

❶ لغات القرآن (پرویز) ص ۳۳۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وبدچلن' کا معنی درج کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، متذکرہ بالا آیات کے پرویزی تراجم:

"مریم بولی! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں، اور نہ میں بدچلن ہوں۔ ❶

اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکردار تھی (تو یہ کیا کر بیٹھی؟)" ❷

خدا معلوم کہ جناب مضمون نگار صاحب کے پاس (پرویزی لغات کے سوا) کون سا لغات ہے جس میں بغیا کا معنی 'حدود شکن' لکھا ہوا ہے۔ اگر ایسا کوئی لغت ہے تو وہ اس کا حوالہ دے کر اور اس کے پبلشر کا اتہ پتہ بتا کر ہمارے لئے جودوکرم کا باب وا کرنے میں بخل و تساہل سے کام نہ لیں۔

اپنے اُصول کی آپ مخالفت

جناب مضمون نگار صاحب سے گزارش ہے کہ وہ 'فکرِ پرویز کی اصل قدر و قیمت' کے صحیح تعین کے لئے اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب اپنی تفسیری کارگزاریوں کے دوران خود اپنے تسلیم شدہ اصولوں کی بڑے دھڑلے سے مخالفت کیا کرتے تھے، مثلاً وہ یہ اُصول بیان کیا کرتے تھے کہ

"جب کوئی لفظ اصطلاح کی شکل میں مستعمل ہونے لگ جائے تو وہ اپنا لغوی مفہوم کھو دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ جب بھی اس لفظ کا استعمال کریں گے وہ اپنے اُن تمام مضمرات ولزومات کو اپنے ساتھ لائے گا جن سے وہ نظریہ یا نظام عبارت ہے، جس کے لئے وہ اصطلاح وضع کی گئی ہے۔" ❸

اُصول آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ اس کے بعد خود 'مفکرِ قرآن' ہی کے قلم سے یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ قرآن میں کون کون سے الفاظ بطورِ اصطلاح مستعمل ہیں:

---

❶ معارف القرآن، ج ۳ ص ۴۹۲، ۵۴۹، ۵۵۱

❷ ایضاً: ج ۳ ص ۵۵۳ ❸ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''قرآنِ کریم میں اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی اصطلاحات، دین کے بنیادی ارکان (عمائد اور ستون) کی حیثیت سے بار بار دہرائی جاتی ہیں۔''❶

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ الزکوٰۃ قرآنی اصطلاحات ہیں۔ ایک اور مقام پر انفاق کو بھی اصطلاحِ قرآن کہا گیا ہے:

''انفاق کے معنی خرچ کرنے کے نہیں بلکہ یہ ایک ایسی روش، نظریہ یا معاشی نظام کی اصطلاح ہے جس میں سامانِ زیست کو روک کر نہیں رکھا جاتا بلکہ اسے عالمگیر ربوبیتِ انسانیہ کے لئے کھلا رکھا جاتا ہے۔''❷

ان دونوں اقتباسات سے اقامتِ صلوٰۃ، ایتاء الزکوٰۃ اور انفاق (تینوں) کا قرآنی اصطلاحات ہونا واضح ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ 'مفکرِ قرآن' کے نزدیک صرف یہ تین ہی قرآنی اصطلاحات ہیں۔ نہیں، بلکہ ان کے ہاں یہ فہرست بہت لمبی ہے لیکن ہم صرف ان تینوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

'مفکرِ قرآن' صاحب ان تینوں کو اسلام کی اصطلاحات بھی قرار دیتے ہیں، لیکن پھر ان کا مفہوم متعین کرنے کے لئے کتبِ لغات کھول کر بھی بیٹھ جاتے ہیں، چنانچہ اس اصطلاح کا مفہوم وہ از روے لغت متعین کرتے ہیں اور شارع علیہ السلام کے اس مفہوم کو جو تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، قطعی نظر انداز کرتے ہیں اور لغوی موشگافیوں پر مبنی قلمی ورزش کے نتیجہ میں کئی پیراگراف اس کے لئے وقف کر ڈالتے ہیں جن کو طوالت کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ (دیکھئے 'لغات القرآن' از پرویز: ج ۳ رص ۱۰۳۴)

اسی طرح کا معاملہ وہ ایتاءِ زکوٰۃ کی اصطلاح کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایتاء کی الگ لغوی بحث کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی الگ۔ پھر مؤخر الذکر لفظ کی بحث کے دوران وہ علماے لغت کے حوالے سے جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ ان کی قلمی چابک دستی کے باعث حقیقت سے بعید ہوتا ہے۔ لغات القرآن میں یہ بحث تقریباً دو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے لیکن حرام ہے جو اس

❶ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۱ ص ۹۷ ❷ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۱ ص ۱۰۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح میں کہیں ان مضمرات ولزومات کا بھی ذکر ہو جو خود شارع علیہ السلام نے اس میں سمو دیئے ہیں۔ اس بحث میں انحرافات کی قلعی، ماہنامہ ''محدث'' کے شمارہ مارچ ۱۹۸۹ء میں کھولی جاچکی ہے۔

یہی کھیل 'مفکرِ قرآن' نے انفاق کی اصطلاح کے ساتھ بھی کھیلا ہے اور وہ اس کے خود ساختہ معنی 'کھلا رکھنا' پیش کرتے ہیں اور پھر سینہ زوری کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ انفاق کا معنی 'کھلا رکھنا' بھی ہے، تاکہ کسی دوسرے معنی (بلکہ اصل مفہوم) کی گنجائش بھی باقی رہ جائے، بلکہ وہ 'خرچ کرنے' کے معنی کی قطعی نفی کرتے ہیں اور 'کھلا رکھنے' کے واحد معنی کا اثبات کرتے ہیں۔ (جیسا کہ گذشتہ اقتباس میں گزر چکا ہے۔) مزید برآں وہ بہت سی قرآنی آیات میں اس معنی کو نبھا بھی نہیں سکے ہیں، پھر یہ اصطلاح جب ان کی لغوی تحقیق کی جولانگاہ سے نجات پا کر نکلتی ہے تو اس کا چہرہ انحرافات سے داغدار ہو چکا ہوتا ہے۔ ان انحرافات کا پردہ بھی اپریل ۱۹۸۹ء کے شمارہ ''محدث'' میں چاک کیا جا چکا ہے۔

لغوی 'تحقیق' کے لئے کتبِ لغات کو کھنگالنے کے ساتھ ساتھ 'مفکرِ قرآن' صاحب یہ ڈھنڈورا بھی پیٹتے نہیں تھکتے کہ

۱۔ ''ہر نظام کی ایک اصطلاح ہوتی ہے اور وہ اصطلاح اسی نظام کے منطوق کے اظہار کے لئے وضع کی جاتی ہے۔'' ❶

۲۔ ''جب کوئی لفظ بطورِ اصطلاح کے رائج ہو جائے تو اس کے لغوی معانی نہیں بلکہ اصطلاحی معانی لئے جاتے ہیں۔'' ❷

۳۔ ''جب کوئی لفظ اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگے، تو اس کے لغوی معنی نہیں لئے جاتے۔ اصطلاحی مفہوم لیا جاتا ہے اور ان میں اکثر بڑا فرق ہوتا ہے۔'' ❸

'مفکرِ قرآن' کا (ہر معاملہ کی طرح) اس امر میں بھی متضاد طرزِ عمل ملاحظہ فرمایئے کہ وہ

---

❶ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۶۶ء، ص ۶۰ ❷ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۶۱

❸ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۸۱ء، ص ۶۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقامت الصلوٰۃ، ایتاء الزکوٰۃ اور انفاق وغیرہ کو قرآنی اصطلاحات بھی مانتے تھے اور پھر یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ''جب کوئی لفظ اصطلاح کی شکل میں مستعمل ہونے لگ جائے تو وہ اپنا لغوی مفہوم کھو دیتا ہے۔'' ...... پھر وہ ان قرآنی مصطلحات کے مفہوم کے تعین کے لئے کتبِ لغات کھول کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس ورق گردانی کے نتیجے میں کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا لے کر وہ نئے نئے معانی کا کنبہ جوڑا کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک یہ ساری کارروائی جس میں وہ عمر بھر قرآنی اصطلاحات کا مفہوم از روئے کتبِ لغات متعین کرنے میں مبتلائے زحمت رہے، نہ صرف یہ کہ پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے، بلکہ اگر یہ فریب دہی نہیں تو فریب خوردگی ضرور ہے۔

بہرحال اقامت الصلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، انفاق اور جملہ دیگر اصطلاحات میں جو معانی و مفاہیم شارع علیہ السلام نے نظامِ اسلام کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے سمو دیے ہیں اور معاشیاتِ اسلام کے حوالہ سے جو لزومات و مضمرات ان میں ودیعت شدہ ہیں، ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کتب لغات کی بنیاد پر کھینچ تان کرکے مارکسزم کی فکری و ذہنی غلامی کے زیراثر، خود ساختہ معانی داخل کرنا سخت بے جابات ہے۔ 'مفکرِ قرآن' صاحب کی عمر بھر کی 'قرآنی خدمات' کا ماحصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی ایک ایک اصطلاح کو لے کر اشتراکی تہذیب کی فکری اسیری میں مبتلا ہو کر کتبِ لغات کی آڑ میں اس کے اندر نئے مدالیل و مفاہیم داخل کئے ہیں۔

۴۔ حقیقی و مجازی معانی کے اُصول وضوابط

اس میں شک نہیں کہ عربوں کے ہاں بعض الفاظ کے حقیقی اور مجازی معانی پائے جاتے تھے (اور اب بھی ہیں)۔ اہل زبان اُنہیں سمجھتے بھی تھے اور جناب مضمون نگار صاحب بھی اس کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''حقیقت یہ ہے کہ کسی لفظ کے عرفی و حقیقی یا مجازی معانی لینے کے لئے بھی کچھ اُصول اور ضابطے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کا جو دل چاہے اور جب اور جیسا چاہے وہ مجاز کا بہانہ بنا کر اصل مفہوم و مدلولِ الفاظ کا تیاپانچہ کردے۔'' ❶

---

❶ طلوعِ اسلام، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'مفکرِ قرآن' صاحب (اور ان کی تقلید میں وابستگانِ طلوع اسلام) کی یہ عام روش ہے کہ انہیں اگر کسی حقیقت کو تسلیم کرنا بھی پڑے تو بڑے مبہم انداز میں کرتے ہیں۔ ان حضرات کی تکنیک یہ ہے کہ کسی ایک جگہ بھی بات واضح اور متعین طور پر نہ کہی جائے، ہر بات کو مبہم رکھا جائے اور ہر جگہ متضاد بات کہی جائے تاکہ مداری کی پٹاری سے حسبِ منشا جب اور جہاں جی چاہے بات پیش کر دی جائے۔ اعتراف واظہارِ حقیقت کی حد تک تو یہ بات درست اور بجا ہے کہ ''حقیقی یا مجازی معانی، مراد لینے کے بھی اُصول وضوابط ہیں''...... لیکن حرام ہے جو کبھی 'مفکرِ قرآن' نے (یا ان کے متبعین نے) کسی مقام پر ان اُصول وضوابط کا ذکر کیا ہو۔ ہم ان حضرات سے درخواست گزار ہیں کہ وہ ان اُصول وضوابط کی ضرور وضاحت فرمائیں جو اقتباسِ بالا میں مذکور ہیں، تاکہ دنیا خود دیکھ لے کہ خود 'مفکرِ قرآن' نے ان اصول وضوابط کو اپنی تحریروں میں کہاں تک مرعی وملحوظ رکھا ہے یا انہیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ اس درخواست کے بعد مندرجہ ذیل چند آیات کو ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ۱۷ تا ۲۲)

آیات آپ نے ملاحظہ فرما لیں، اب ان کا معنی ومفہوم بھی ملاحظہ فرما لیجئے:

''اور (صدائے غیبی نے پوچھا) اے موسیٰ! تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا ''یہ میری لاٹھی ہے، چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اسی سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں، میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔'' حکم ہوا: ''اے موسیٰ! اسے ڈال دے۔'' چنانچہ موسیٰ نے ڈال دیا اور دیکھا کیا ہے کہ وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے۔ حکم ہوا ''اب اسے پکڑ لے، ہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کیئے دیتے ہیں۔" اور (نیز) حکم ہوا "اپنا ہاتھ، اپنے پہلو میں رکھ، اور پھر نکال، بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو، چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ (تیرے لئے) دوسری نشانی ہوئی۔" ❶

قارئین کرام! یہاں یہ بات ذہن نشین فرما لیں کہ آیات کی یہ ترجمانی بھی پرویز صاحب ہی کے قلم سے برآمد ہوئی ہے۔ اور اب ان ہی آیات (جی ہاں، بالکل ان ہی آیات) کا مندرجہ ذیل مفہوم بھی ملاحظہ فرما لیجئے اور لطف یہ کہ یہ مفہوم بھی جناب پرویز صاحب ہی کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔ از راہِ کرم ہر آیت کے مفہوم کا مطالعہ کرنے سے قبل ایک نظر متعلقہ آیت کے الفاظ پر بھی ڈال لیجئے۔ اب ملاحظہ فرمایئے، آیت ۱۷ کا مفہوم جس میں گنتی کے یہ چند الفاظ ہیں: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾

۱۷۔ چنانچہ اس کے بعد موسیٰ کو اس انقلابی پروگرام کے سلسلہ میں ہدایات و احکام دیے گئے۔ ان میں فریق مخالف کو روشن دلائل و براہین سے قائل کرنے کی ہدایات بھی تھیں اور مقابلہ کے وقت، قوت اور سخت گیری سے کام لینے کے احکام بھی۔ جب یہ احکام دیے جا چکے (تو ندائے غیب نے کہا کہ) اے موسیٰ! تم ان احکام و ہدایات پر قوت اور برکت، ہر دو نقاطِ نگاہ سے غور کرو اور بتاؤ کہ تم اُنہیں کیسا پاتے ہو۔ ❷

اس کے بعد بقیہ آیات کا مفہوم بھی ملاحظہ فرما لیجئے، لیکن الفاظ آیات کو ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے:

۱۸۔ موسیٰ نے کہا "بارِالٰہا! یہ احکام کیا ہیں، میرے لئے تو سفر زندگی میں بہت بڑا سہارا ہیں۔ میں اب انہی کے آسرے سے چلوں گا، اور ہر مشکل مقام پر، اُنہیں مضبوطی سے تھامے رکھوں گا تا کہ میرا قدم کہیں نہ پھسلے۔ انہی کے ذریعے اب

❶ معارف القرآن، ج ۳، ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

❷ مفہوم القرآن، ج ۲، ص ۷۰۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنے ریوڑ (یعنی بنی اسرائیل، جن کا گڈریا بنا کر تو مجھے بھیج رہا ہے) جھنجھوڑوں گا اور اس طرح ان کے جمود و تعطل کو مبدل بہ حرکت و عمل کروں گا۔ ان کے علاوہ زندگی کے دیگر معاملات کے متعلق جو میرے سامنے آئیں گے، ان سے بصیرت وراہنمائی حاصل کروں گا۔

۱۹۔ حکم ہوا کہ تم نے ٹھیک سمجھا، اب تم انہیں لوگوں کے سامنے پیش کردو۔

۲۰۔ اس کے بعد جب موسیٰ نے اس مہم پر غور کیا جس کے لئے اسے مامور کیا جارہا تھا تو اسے اندازہ ہوا کہ ان احکام کا لوگوں کے سامنے پیش کرنا، آسان کام نہیں۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ ضابطہ احکام نہیں، ایک اژدھا ہے جو بڑی تیزی سے دوڑ رہا ہے۔

۲۱۔ خدا نے موسیٰ کو اطمینان دلایا اور کہا کہ اس خیال سے مت گھبراؤ۔ ان احکام کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ ان کے متعلق جو بات تم نے کہی تھی (کہ ان سے فلاں فلاں منفعت بخش کام لوں گا) ہم انہیں ایسا ہی بنا دیں گے (یہ اژدہا کی طرح ہلاکت آفرین ثابت ہوں گے، باطل کے لئے لیکن تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے سہارا بن جائیں گے۔

۲۲۔ اس مہم میں تو بالکل پریشان نہ ہو، بلکہ نہایت اطمینان وسکون اور کامل دل جمعی سے اپنی دعوت کو واضح اور روشن دلائل کے ساتھ پیش کرتا چلا جا۔ تو تمام مشکلات سے محفوظ و مصئون باہر نکل آئے گا۔ تیری یہ کامیابی، تیری دعوت کی دوسری نشانی ہوگی (پہلی نشانی، دشمن کی تباہی اور دوسری نشانی تمہاری جماعت کا تمکن اور سرفرازی) ❶

آیات کے فوراً بعد اوپر جو عبارتِ پرویز دی گئی ہے وہ 'ترجمہ آیات' ہے جبکہ یہ لمبی چوڑی عبارت 'مفہوم آیات' ہے۔ ترجمہ اور مفہوم میں کیا فرق ہے؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید (پرویز صاحب کے نزدیک) جس عبارت میں الفاظِ آیات کے معنی و مفہوم کی کچھ رعایت ملحوظ

❶ مفہوم القرآن، ج ۲ ص ۷۰۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھی جائے وہ 'ترجمہ' ہے، اور جس عبارت میں الفاظِ آیات کی لفظی پابندی سے بالاتر ہوکر الفاظ کا بے پناہ اُمنڈتا ہوا سیلاب آتا دکھائی دے تو وہ 'مفہوم آیات' ہے، جسے اگر جملہ آیاتِ قرآن کے حوالے سے یکجا کر کے کتابی شکل میں ڈھال دیا جائے تو پھر یہ کباڑ خانہ 'مفہوم القرآن' کہلاتا ہے اور یہ سب کچھ فہم قرآن کو آسان بنا دینے کے لئے محاورۂ عرب اور تصریفِ آیات کے اُصول پر کیا گیا ہے جہاں تک محاورۂ عرب کا تعلق ہے، خود سوچ لیجئے کہ مذکورہ بالا آیات کا یہ مفہوم القرآن اگر دورِ نزولِ قرآن کا اَن پڑھ، جاہل، تمدن وحضریت سے یکسر عاری، سادہ مزاج بدو پڑھ لیتا، تو واقعی وہ قرآن کو اس قدر آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا جس قدر سہولت کے ساتھ وہ زمین، آسمان، پہاڑ، صحرا اور دشت و غار کا مفہوم سمجھے ہوئے تھا؟ اب رہا تصریفِ آیات کا اُصول تو بظاہر کس قدر خوش آئند ہے یہ نام اور عملاً خواہ یہ 'تحریفِ آیات' سے بھی آگے بڑھ کر مسخِ آیات ہی کا روپ دھار لے۔

مجازی معنی اور باطنی معنی

اگر قارئین کرام میں سے کوئی صاحب سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۷ تا آیت نمبر ۲۲ کا وہ مفہوم جو قلم پرویز سے برآمد ہوا، لکھ کر طلوعِ اسلام کو بھیج دیں اور ساتھ یہ کہہ دیں کہ یہ ان آیات کا باطنی مفہوم ہے تو کیا آپ کو پتہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب یا طلوعِ اسلام کیا ردعمل ظاہر کرے گا؟ آپ کو علم ہو یا نہ ہو، لیکن ہمیں علم ہے کیونکہ 'مفکرِ قرآن' نے اپنی 'قرآنی بصیرت' کی بنا پر مرنے سے پہلے ہی ایسے معاملات میں اپنے ردعمل کا اظہار کردیا تھا۔ وہ فوراً ہی یہ کہہ دیں گے کہ

> ''قرآن کی موجودگی میں، باطنی معنی اور مسلک کی تائید اور مدافعت وہ جذبات پرستی ہے جس سے قرآن نے اس شدت سے روکا تھا۔'' ❶

لیکن اگر اسی مفہوم آیات کو یہ کہہ کر 'مفکرِ قرآن' یا طلوعِ اسلام کو ارسال کردیں کہ یہ

---

❶ سلسبیل، ص ۱۵۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات کا مجازی مفہوم ہے تو وہ أحسنت اور مرحبا کہہ کر اسے شاداں وفرحاں قبول کریں گے کیونکہ ان آیات کے اسی 'مجازی مفہوم' کے بارے میں وہ خود یہ فرما چکے ہیں کہ

''آیات نمبر ۱۷ تا ۲۲ میں الفاظ کے مجازی معانی لئے گئے ہیں۔'' ❶

قرآنی الفاظ کی لفظی پابندی سے آزاد ہو کر قلم سے اُگلے ہوئے خوبصورت الفاظ کے ڈھیر کو اگر مجازی معنی کہہ دیا جائے تو وہ قابل قبول ہو، لیکن اگر اسے باطنی معنی قرار دیا جائے تو ناقابل قبول ہو۔ آخر یہ کیوں؟ کسی عبارت کے باطنی معنی یا مجازی معنی ہونے کا معیار کیا ہے؟ وہ کون سے اُصول وضوابط ہیں جن کی بنا پر (۱) دونوں قسم کے معانی میں فرق وامتیاز کیا جاسکتا ہے۔ اور (۲) مجازی معنی کو درست قرار دیا جاسکتا ہے؟

ہم جناب مضمون نگار سے بصد ادب واحترام مستفسر ہیں کہ مجازی مفہوم کے درست قرار پانے کے لئے جن اُصولوں وضوابط کا ذکر انہوں نے اپنے مقالہ میں فرمایا ہے، وہ آخر ہیں کیا؟ ہمیں اُمید ہے کہ وہ ان اصول وضوابط کو مع حوالہ جات کے ترتیب وار بیان کر کے ''ہمارے لئے جودوکرم کا باب وا کرنے میں بخل وتساہل سے کام نہیں لیں گے'' ورنہ لوگ یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کا ''جو دل چاہے، جب اور جیسا چاہے وہ مجاز کا بہانہ بنا کر اصل مفہوم ومدلول کا تیاپانچہ کر ڈالتے تھے۔''

۵۔ کیا علامہ اقبالؒ منکر حدیث تھے؟

جناب مضمون نگار صاحب، منکرین حدیث کے پراپیگنڈے کا شکار ہو کر یا خود اس پراپیگنڈے میں شامل ہو کر فرماتے ہیں کہ

> ''اگر انصاف پسندی کوئی اُصول ہے تو ہم ان ناقدانِ پرویز سے التماس کریں گے کہ یا تو وہ علامہ محمد اقبال کو بھی منکرین حدیث میں شمار کریں کیونکہ ان کے موقفِ حدیث اور علامہ پرویز کے موقفِ حدیث میں سرمو فرق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو کم از کم انہیں اپنے تضادِ فکر ونظر پر کچھ تو ندامت محسوس کرنی

---

❶ مفہوم القرآن، ج ۲ ص ۷۰۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہئے۔'' ❶

حقیقت یہ ہے کہ سچائی کی تو کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے، جس سے آگے کوئی راست باز شخص تجاوز نہیں کرسکتا لیکن جھوٹ کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی جہاں پہنچ کر کوئی کاذب و مفتری رک جائے۔ منکرین حدیث کے چند نمایاں اکاذیب واباطیل میں سے ایک واضح جھوٹ یہ ہے کہ علامہ اقبال منکرِ حدیث اور منکرِ سنت بھی تھے۔ اس جھوٹ کو اعادہ و تکرار کے ساتھ بکثرت اور بار بار دہرایا جاتا ہے، کیا آپ کو پتہ ہے کہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ

''نازیوں کے گوئبلز...... کا مقولہ تھا کہ جھوٹ کو اگر سو دفعہ دہرایا جائے تو وہ سچ بن جاتا ہے۔ دنیا اس کے اس مقولے پر ہنستی رہی، لیکن دور رس نگاہوں نے اسے قیمتی متاع سمجھ کر احتیاط سے رکھ لیا تاکہ بوقتِ ضرورت اس سے کام لیا جاسکے۔'' ❷

اب ظاہر ہے کہ منکرین حدیث سے بڑھ کر 'دور رس نگاہ' کس کی ہوگی؟ انہوں نے اسے قیمتی متاع سمجھ کر رکھ لیا اور بوقتِ ضرورت اس سے خوب کام لیا۔ علامہ اقبالؒ کے سلسلہ میں یہ پراپیگنڈا بھی بڑی 'دور رس نگاہ' کے ساتھ اس مقولے سے بھرپور کام لینے کی ایک کڑی ہے۔

یاد رکھئے، کسی شیطان نے آج تک اپنی شیطنت کو خود اپنے نام سے پیش نہیں کیا، بلکہ یہ کام اس نے ہمیشہ ان لوگوں کے نام کی آڑ میں کیا ہے، جن کا قوم میں احترام اور اثر ورسوخ پایا جاتا ہے۔ اگر شیطان اپنے باطل نظریات کو خود اپنے نام سے پیش کرے تو اسے خود بھی علم ہے کہ سماج میں یہ قابل قبول نہ ہوں گے۔ اس لئے باطل کو حق کا اور بگاڑ کو صلاح کا لباس زُور پہنا کر ان ہستیوں کے نام کی آڑ میں پیش کرتا ہے جو معاشرے میں مقامِ احترام و تعظیم رکھتے ہیں۔ اس قسم کے شیطنت مزاج اور حیلہ جُو لوگ ان ہستیوں کی بڑی مبالغہ آمیز مدحت وثنا کے

❶ طلوعِ اسلام، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۲۳

❷ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، ص ۶۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ساتھ ان کی بڑی بڑی تصاویر اور پورٹریٹ کو اپنے آگے رکھتے ہیں اور خود ان کے پیچھے رہ کر ان کی آڑ میں اپنا راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی زبانوں پر اسلاف کے حق میں زندہ باد کے نعرے اور ان کے ہاتھوں میں ان واجب الاحترام ہستیوں کی تصویریں عامۃ الناس میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ انہیں ان ہستیوں سے بڑی عقیدت اور محبت ہے۔ اس کے بعد یہ پُرفریب لوگ جو چیز بھی ان اسلاف کی طرف منسوب کردیں، لوگ اسلاف کے ساتھ اپنے احترام و عقیدت کے بل بوتے پر بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے درست مان لیتے ہیں۔ ٹھیک یہی تکنیک ہے جو انکارِ حدیث کے علمبرداروں نے ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (وغیرہ) کے بارے میں اختیار کی ہے۔ مجلہ طلوعِ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کے پہلے صفحے پر حضرت علامہ محمد اقبال کی بڑی دلکش تصویر شائع ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد کلامِ اقبال میں سے کوئی ایک قطعہ پیش کیا جاتا تھا پھر علامہ اقبال کو مختلف مقالات و مضامین کے ذریعہ ان کی 'شاعری' پر داد دی جاتی تھی تاکہ ان کے نام کی آڑ میں یہ دکانداری چلتی رہے اور نامِ اقبال کے باعث طلوعِ اسلام کے گاہکوں میں اضافہ ہوتا رہے اور آج تک درجہ بدرجہ اس تکنیک میں وقتی تقاضوں کے تحت کمی بیشی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ اقبال سے متعلقہ مضامین و مقالات میں اس بات کا خاص التزام برتا جاتا ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ، علامہ اقبال کے شغف کو تو نمایاں کیا جائے، لیکن اس کی اطاعتِ سنتِ نبویہ کا کہیں ذکر نہ آنے پائے۔ شاعرِ مشرق کے وہ اشعار تو پیش کردیے جائیں جن میں قرآن کریم کو اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے مگر اُن اشعار سے پرہیز کیا جائے جن میں اُمتِ مسلمہ کے زوال و انحطاط کا سبب، ترکِ سنتِ نبویہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ''نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن'' کو تو خوب اُچھالا گیا مگر ''از حدودِ مصطفیٰ بیروں مرو'' کے بیان سے اس طرح پرہیز کیا گیا جس طرح شیطان نیکی سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مخصوص انداز کے تعارفِ اقبال نے جسے طلوعِ اسلام نے اپنی منفرد ذہنی اُفتاد کے پیشِ نظر تسلسل اور تواتر کے ساتھ برسوں جاری رکھا، ایک مخصوص حلقے میں یہ تاثر پیدا کردیا کہ اقبال بھی گویا یکے از منکرین حدیث تھے، حالانکہ یہ تاثر از سرتاپا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے اصل و بے بنیاد اور خالص کذب و باطل ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے زیادہ نہیں تو صرف ایک کتاب کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ یہ کتاب علامہ اقبال کی زندگی کے آخری ایام کی ان یادداشتوں اور گفتگوؤں پر مشتمل ہے جن میں حدیثِ رسولؐ، اتباعِ رسولؐ اور کتاب و سنت کے متعلق علامہ اقبال کے نظریات کی صراحت ہو جاتی ہے۔ اسے سید نذیر نیازی صاحب نے روزانہ کی ڈائری کی صورت میں مرتب کیا ہے اور یہ وہی سید نذیر نیازی صاحب ہیں جو پرویزی طلوع اسلام کے اجرا سے پہلے خود 'طلوعِ اسلام' ہی کے نام سے ایک مجلّہ نکالا کرتے تھے۔ ان کی کتاب 'اقبال کے حضور' اس اعتبار سے بھی ایک ثقہ کتاب ہے کہ سید نذیر نیازی صاحب ایک تو علامہ مرحوم کے بہت قریبی ساتھی تھے اور دوسرے خود طلوع اسلام سے وابستہ افراد بھی، انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب میں حدیثِ رسولؐ اور سنتِ نبیؐ سے متعلقہ فرموداتِ اقبال ان کی زندگی کے بالکل آخری ایام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان فرمودات کے بعد یہ ناممکن ہے کہ انکارِ حدیث پر مبنی ان کا کوئی فرمان پیش کیا جا سکے۔

مقالے کی تنگدامنی کے باعث میں نہ تو اس کتاب 'اقبال کے حضور' میں سے کچھ اقتباس پیش کرنے کی گنجائش پاتا ہوں اور نہ ہی کلامِ اقبال میں سے کچھ اشعار۔ میں صرف دو ایسے اقتباسات پیش کر رہا ہوں جو مجلّہ طلوعِ اسلام ہی سے ماخوذ ہیں تاکہ اس موضوع پر خود وابستگانِ طلوعِ اسلام پر حجت قائم ہو سکے اور یہ اس لئے بھی کہ:

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری!

طلوعِ اسلام کا مقصدِ اجرا

طلوعِ اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں اپنے مقصدِ اجرا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا تھا:

"پرچہ طلوعِ اسلام کے مقاصد کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا مسلک حضرت علامہ اقبالؒ کے نورِ بصیرت کو عام کرنا: یعنی مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے متعلق ہر مسئلہ کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کرنا ہوگا۔'' ❶

اس اقتباس سے یہ واضح ہے کہ علامہ اقبال کا مسلک کتاب وسنت ہی تھا۔ ان کے نور بصیرت کو عام کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسائل حیات کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ذہن پرویز نے عقائد ونظریات کے معاملے میں جو اُلٹی زقند لگائی اور قرآن وسنت کی بجائے فقط قرآن کی رٹ لگانا شروع کی تو مسلکِ اقبال کو بھی 'مفکر قرآن' نے اپنے بدلتے ہوئے عقائد کی بھینٹ چڑھا دیا اور یہ پراپیگنڈہ شروع کردیا کہ علامہ اقبال یکے از منکرین حدیث تھے۔ نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو شخص خود اپنے نظریات ومعتقدات کو بدل ڈالنے کے بعد دوسری قابل احترام ہستیوں پر بھی یہ جھوٹا الزام عائد کرتا ہے کہ ان کے عقائد بھی اس کے اپنے تبدیل شدہ عقائد کے مطابق تھے، وہ علامہ اقبال کے کلام کی تشریح وتوضیح کرے گا؟ یا ترمیم وتغیر؟

امر واقعہ یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب علامہ اقبال کے نام کی آڑ میں اپنے افکارِ باطلہ کے کھوٹے سکوں کو اسی طرح سُوقِ علم میں لایا کرتے تھے جس طرح یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر اپنے معتقداتِ باطلہ کو منڈی کا مال بنا کر پیش کیا کرتے تھے اور پھر قرآنِ کریم کو ان کی تردید میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَـٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آلِ عمران: ٦٧) آج ہم بھی یہ حقیقت واشگاف کرنے پر مجبور ہیں کہ علامہ اقبال کا مسلک، مسلکِ انکارِ حدیث ہرگز نہ تھا بلکہ قرآن وسنت ہی ان کا مسلک تھا اور یہ کشفِ حقیقت بھی ہم کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ طلوعِ اسلام ہی کے ذریعہ کررہے ہیں۔ ☆

❶ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۳۹ء، ص ۹۴

☆ اقبالؒ کے نبی ﷺ کی ذات اور آپ کی احادیث کے بارے میں عقیدہ کے لئے درج ذیل کتب دیکھیں:

۱۔ محمد اسماعیل قریشی، ناموسِ رسولؐ اور قانون توہین رسالت، ص ۷۰، الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۹ء

۲۔ مرزائیت کے متعلق جواہر لعل نہرو کے جواب میں علامہ اقبال کا بیان، شعبہ اشاعت وتبلیغ لاہور، ۱۹۳۶ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا حوالہ: مکتوبِ اقبال

اب دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے، یہ بھی طلوعِ اسلام ہی سے ماخوذ ہے۔ یہ دراصل علامہ اقبال کے اس خط کا اقتباس ہے جو آپ نے جامع ازہر (مصر) کے شیخ مصطفیٰ المراغی کی خدمت میں ارسال کیا تھا، تاکہ وہاں سے کسی قابل، جہاں دیدہ علومِ قدیمہ و جدیدہ سے بہرہ مند جید عالمِ دین کو بلا کر دارالاسلام کی سکیم کو بروئے کار لایا جائے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ 'دارالاسلام' کے زیرِ عنوان جس مضمون میں سے علامہ اقبال کے خط کا یہ اقتباس پیش کیا جا رہا ہے، وہ مضمون خود پرویز صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے۔ لیجئے، ملاحظہ فرمائیے،

اقتباسِ مکتوبِ اقبالؒ:

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آج تک یہاں قائم نہیں کیا گیا۔ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارہ کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اسلامی اداروں کی شان سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علومِ جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علومِ دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ حضرات ایسے ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ اپنی زندگیاں دینِ اسلامی کی خدمت کے لئے وقف کرنے پر تیار ہوں۔ ہم ان کے لئے تہذیبِ حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں جو کہ ان کے لئے ایک علمی اسلامی مرکز ہو اور ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتب موجود ہوں۔ علاوہ ازیں ہم ایک ایسا رہنما جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصیرتِ تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاباتِ دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو، مقرر کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی روح سے واقف کرے اور تفکرِ اسلامی کی تجدید، یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے، تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدنِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کرسکیں۔'' ❶

مصر سے جب ایسی کوئی شخصیت میسر نہ ہوسکی تو ہندوستان ہی میں سے علامہ مرحوم کسی ایسے ہی جوہر قابل کے متلاشی رہے اور بالآخر ان کی نگاہِ انتخاب، سید ابوالاعلیٰ مودودی پر پڑی اور انہیں حیدر آباد دکن سے دارالاسلام (جمال پور، پنجاب) میں منتقل ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ علامہ اقبال کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے دارالاسلام میں تشریف لے آئے۔

مودودی صاحب ہی کیوں، پرویز کیوں نہیں؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر علامہ اقبال مرحوم، منکر حدیث اور منکر سنت تھے اور پرویز صاحب کے ہم مسلک ہونے کی بنا پر صرف حجیتِ قرآن ہی کے قائل تھے تو انہوں نے دارالاسلام میں اس دینی خدمت کے لئے پرویز صاحب کو کیوں نہ دعوت دی؟ اور اس ''مودودی'' ہی کو کیوں دعوت دی، جن کا مسلک قرآن کی حجیت اور سنت کی سندیت پر قائم تھا؟ جس پر ان کی کتاب 'سنت کی آئینی حیثیت' اور کئی دیگر تحریریں شاہدِ عدل ہیں۔

حیاتِ اقبال کے آخری لمحات

حدیثِ نبویؐ کے متعلق اقبال کا رویہ کیا تھا؟ اس کی وضاحت کے لئے اب میں حیاتِ اقبال کے بالکل آخری لمحات کو نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ موت سے چند ثانئے قبل انہوں نے حدیثِ نبویؐ کے متعلق کیا طرزِ عمل اختیار کیا تھا:

> ۲۱؍اپریل ۱۹۳۸ء کی شب، بڑی قیامت خیز شب تھی۔ وہ مفکرِ اسلام جس نے اپنے نغموں سے مسلم معاشرے پر خودی کے راز کو آشکار کیا، جس نے رنگ و نسل، علاقائیت اور زبانوں کی عصبیت سے بلند ہوکر، ساری انسانیت کو سربلندی کا پیغام دیا، جس نے اپنے شعر و ادب سے عالم اسلامی کو اتحاد کی راہ دکھائی، جس نے اپنی شاعری میں شرفِ انسانی کے رموز کو واضح کیا، جس نے اپنے کلام سے

❶ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۳۹ء، ص ۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قومی تشخص کے اُمور کو ابھارا، جس نے اپنی فکر اور شاعری کو اتحادِ اسلامی اور تحریک آزادی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا۔ یہ دانائے راز، جاوید منزل کے ایک کمرے میں بسترِ مرگ پر اس وقت کا انتظار کر رہا ہے جب بندہ اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملتا ہے اور موت بندۂ مومن پر حیاتِ دوام کے دروازے کھول دیتی ہے۔

اس قیامت خیز شب میں تمام تیماردار، ساڑھے بارہ بجے شب کو رخصت ہو گئے، علامہ کو پچھلے پہر رات کو بے چینی شروع ہوئی۔ شب کے تین بجے علامہ نے راجہ حسن اختر کو بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو علامہ نے اپنے ملازم دیوان علی سے فرمایا کہ تم سو جاؤ، البتہ علی بخش جاگتا رہے، کیونکہ اب اس کے سونے کا وقت نہیں۔ پھر راجہ حسن اختر سے فرمایا کہ پیٹھ کی طرف کیوں بیٹھے ہو؟ راجہ حسن اختر علامہ کے قریب ہو بیٹھے تو فرمایا: ''قرآن مجید کا کوئی حصہ سناؤ، کوئی حدیث یاد ہے؟ یہ فرما کر علامہ پر غنودگی طاری ہوگئی۔'' ❶

غور فرمایئے! وہ اقبالؒ جو آغوشِ موت میں بھی جاتے ہوئے یا تو قرآنِ کریم کی سماعت کا خواہش مند ہے یا حدیثِ رسولؐ کے سننے کا آرزو مند، وہ اپنی زندگی کا آخری عمل یا تو کتاب اللہ کی سماعت کو بنانا چاہتا ہے یا فرمانِ نبیؐ کی سماعت کو، کیا اس کے متعلق یہ گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ احادیثِ نبوی کو سرچشمہ اسلام تسلیم نہ کرتا تھا؟ اقبال کی طرف انکارِ حدیث کے مسلک کو منسوب کرنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہودیت، عیسائیت یا دینِ شرک کو منسوب کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ انکارِ حدیث کے مسلک کو اقبال کے کھاتے میں ڈالتے ہیں، وہ اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں کہ اس پر نہ تو وہ خالق ہی کی طرف سے کوئی حیا محسوس کرتے ہیں ورنہ ہی مخلوق ہی سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ پھر وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ جن لوگوں پر ان کے

---

❶ اقبال اور علماء پاک و ہند از اعجاز الحق قدوسی، ص ۸۲ تا ۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلسل اور پیہم بولے جانے والے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے، ان کی نگاہ میں ایسے لوگوں کی کیا عزت و آبرو باقی رہ جائے گی؟ آخرت کی جوابدہی کا احساس تو رہا ایک طرف، اگر یہ لوگ دنیا ہی میں اپنے جھوٹ کے انجام کا خیال کرلیں تو کبھی ایسی حرکت نہ کریں، لیکن کیا کیا جائے! جن لوگوں نے بس اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہو اور کذب و زُور ہی کی بنیاد پر لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کا وطیرہ اپنا لیا ہو اور اپنی الزام تراشیوں، کذب بافیوں اور افترا پردازیوں ہی کے ذریعہ چند لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کرڈالنے ہی کو کامیابی سمجھ رکھا ہو اور اپنی غلط بیانیوں کے باعث لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے ہی کو فوز وفلاح قرار دے رکھا ہو، اُنہیں اس سے کیا غرض کہ ان کی یہ بہتان تراشیاں اور افترا پردازیاں سنجیدہ طبقے میں ان کے متعلق کیا تاثر پیدا کررہی ہیں؟

آخر میں، میں یہ عرض کردینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ چند سطور صرف اس لئے لکھی ہیں کہ علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کی ذات کے احترام اور ان کے کلام کی تشریح کی آڑ میں 'طلوعِ اسلام' نے انہیں منکر حدیث قرار دے کر ان کی روح پر جو ظلم عظیم روا رکھا ہے، اس کا نہ صرف یہ کہ سدباب ہوجائے بلکہ علامہ اقبال کی نظر میں حدیث وسنت کا جو مقام ہے، وہ بھی واضح ہوجائے۔ ورنہ ہمارے نزدیک اقبال مرحوم کی ہرگز ہرگز یہ حیثیت نہیں ہے کہ انہوں نے اگر قرآن کے ساتھ حدیث کا نام لیا ہے تو ہم بھی ان کی اتباع و تقلید میں ایسا کرگزریں۔ ہم قرآن وسنت کو اسلام کا 'مستقل سرچشمہ' تسلیم کرتے ہیں، ہم کتاب بلا پیغمبر اور قرآن بلا محمدؐ کے قائل نہیں ہیں۔ علامہ اقبالؒ اگر نہ بھی پیدا ہوتے، تب بھی اہل ایمان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ قرآن وسنت ہی مانے جاتے، جیسا کہ ان کی ولادت سے قبل بھی ان کی حیثیت مسلّم رہی ہے۔ قرآن وسنت کا یہ مقام دورِ نبویؐ سے اب تک تواتر و تسلسل کے ساتھ برقرار رہا ہے۔

یہاں تک تو 'اشراق' ۱۹۹۰ء کی تردید میں شائع ہونے والے مضمون میں طلوعِ اسلام کے بعض بے کار دعوؤں کی قلعی کھولی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں طلوعِ اسلام کے اس مضمون پر نقد وتبصرہ کیا جائے گا جو مئی ۲۰۰۵ء میں محدث کی تردید میں شائع کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

'طلوعِ اسلام' مئی ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں ایک منکر حدیث لیکن 'فاضلِ درسِ نظامی صاحب ...... ''قرآن فہمی وحدیث نبوی'' مؤقر ماہنامہ محدث سے چند گزارشات ..... کے زیر عنوان فرماتے ہیں:

''قرآن فہمی کے اُصولوں اور قواعد کے سلسلہ میں محترم پرویز صاحب اور محترم جاوید غامدی صاحب کے حوالے سے مضمون میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غامدی مکتبہ فکر کے ایک صاحب، پرویز صاحب کے قرآن فہمی کے اس طریقہ کو پسند نہیں فرماتے جس کی رو سے وہ قرآن کریم کو صرف لغت کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اس کے برخلاف طلوعِ اسلام جناب غامدی صاحب کے طریقہ کو کہ ''وہ قرآن کو جاہلی دور کے عربی ادب اور شعر وشاعری کے ذخیرے کی بنیاد پر سمجھنا چاہتے ہیں، درست خیال نہیں کرتا۔'' ❶

اس پر مولانا زاہد الراشدی صاحب فرماتے ہیں:

''جہاں تک فہم قرآن کے بنیادی تقاضوں کا تعلق ہے، اگرچہ لغت اور ادبِ جاہلی دونوں اس کی ضروریات میں سے ہیں، لیکن فہم قرآن کا انحصار ان دونوں پر یا ان میں سے کسی ایک پر نہیں ہے، یہ دونوں صرف معاون ہیں اور فہم قرآن تک رسائی کے ذرائع میں سے ہیں لیکن اس کی بنیاد جس چیز پر ہے، اسے دونوں حضرات فہم قرآن کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔'' ❷

اس پر مقالہ نگار، مولانا زاہد الراشدی کے اس نقطہ نظر پر یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

''ان دونوں حضرات (یعنی پرویز صاحب اور جاوید غامدی صاحب یا طلوعِ اسلام اور اشراق) کے اختلاف سے صاحبِ مضمون فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ صاحبِ مضمون کا یہ نظریہ ہے کہ ان دونوں ہی حضرات کا قرآن فہمی کا

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء ص ۲۳ تا ۲۴۔ ❷ محدث، مارچ ۲۰۰۵ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ غلط ہے، وہ (زاہد الراشدی صاحب) لغت اور ادبِ جاہلی اور محاوروں کو اہمیت تو دیتے ہیں، ان کی اہمیت سے صرفِ نظر نہیں فرماتے، لیکن یہ خیال فرماتے ہیں کہ یہ دونوں سہارے قرآن فہمی کے لئے کافی نہیں۔'' ❶

مولانا زاہد الراشدی کے نزدیک قرآن فہمی کا صحیح اور مناسب طریقہ کیا ہے؟ اس کا خلاصہ مقالہ نگار یوں پیش فرماتے ہیں:

''قرآن فہمی کے سلسلہ میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے متکلم کی منشا تک رسائی ضروری ہے۔ اس کیس میں اللہ تعالیٰ متکلم ہے لیکن اس تک براہِ راست رسائی ممکن نہیں ہے کہ اس سے دریافت کیا جا سکے کہ آپ کی اس بارے میں کیا مراد ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے نمائندے تک تو ہماری رسائی ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اللہ تعالیٰ کی نمائندہ ہے جن کا مشن ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچائیں اور اس کی وضاحت کرکے ہمیں اللہ تعالیٰ کی منشا سے آگاہ کریں۔'' ❷

اس کے بعد حضرت نہایت معصومانہ انداز میں اس حیرت واستعجاب کا اظہار فرماتے ہیں کہ

''قرآن، امت تک جن ذرائع سے پہنچا ہے، وہی ذرائع اس کی تشریح یعنی جناب نبی کے ارشادات وفرمودات کو ہم تک منتقل کر رہے ہیں۔ اگر وہ ذرائع قرآن کریم کو اُمت تک منتقل کرنے میں قابل اعتماد ہیں تو حدیث وسنت کو امت تک پہنچانے میں کیوں قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اگر وہ حدیث وسنت کی روایت میں خدانخواستہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو قرآن کریم کی روایت میں کس طرح قابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔'' ❸

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اس نظریہ پر 'روایت پرستی' کا لیبل چسپاں کرتے

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۴۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۴۔

❸ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے مقالہ نگار فرماتے ہیں:

''غرض کہ اصل نظریہ حضرت کا وہی روایت پرستی کا حامل ہے کہ قرآن کریم کو روایت کے ذریعہ سمجھا جائے اور تفسیر القرآن بالروایت کا جو طریقہ ہمارے ہاں چلا آرہا ہے، اسی کو جاری رکھا جائے۔'' ❶

نفسِ مسئلہ سے مقالہ نگار کا گریز

اس کے بعد مقالہ نگار صاحب مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اس موقف سے کہ ''قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کے فرمودات ہم تک ایک ہی ذرائع سے پہنچے ہیں، لہٰذا اگر وہ قابل اعتماد ہیں تو دونوں (قرآن اور روایاتِ حدیث) کو ہم تک پہنچانے میں قابل اعتماد ہیں اور اگر نا قابل اعتماد ہیں تب بھی دونوں کو ہم تک پہچانے میں نا قابل اعتماد ہیں۔'' صرفِ نظر کرتے ہیں اور یہ بحث شروع کردیتے ہیں کہ ''قرآن اور روایاتِ حدیث میں کیا کیا فروق و امتیازات پائے جاتے ہیں۔'' پھر فروق و امتیازات بھی وہ بیان کیے جاتے ہیں جو نفسِ مسئلہ سے قطعی غیر متعلق ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسی ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ میں مرکزی نکتہ، انسانی زندگی اور بری جانوروں اور فضائی پرندوں کی حیات میں 'مثلیّت' کا پہلو ہے، لیکن بحث اس نکتہ کی بجائے یہ شروع کردی جائے کہ انسانوں کی زندگی اور زمینی جانوروں اور فضائی پرندوں کی حیات میں یہ اور یہ فرق پائے جاتے ہیں، لہٰذا ان سب کو ایک جیسا (مثلکم) قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہاں زیر بحث نفسِ مسئلہ تو یہ ہے کہ جن ذرائع سے (مثلاً کتابت، حفظ وغیرہ سے) قرآن ہم تک پہنچا ہے، انہی ذرائع سے احادیثِ رسول بھی ہم تک پہنچی ہیں۔ مقالہ نگار ان ذرائع پر بحث کرنے کی بجائے یہ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ ''قرآن اور روایاتِ حدیث میں تو یہ فرق بھی ہے اور وہ فرق بھی، لہٰذا دونوں متماثل نہیں ہیں۔'' مقالہ نگار نے جو فروق بیان کیے ہیں وہ اگر فی نفسہٖ درست بھی ہوں تب بھی وہ اصل مسئلہ سے غیر متعلق ہیں،

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۴ تا ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوں خلطِ مبحث میں اُلجھا دینے میں مقالہ نگار کی سادگی و پُرکاری واقعی قابل داد ہے!!

چند اُمور پر غور فرمایئے!

بہر حال اصل مسئلہ زیر بحث سے گریز کرتے ہوئے مقالہ نگار قرآنِ مجید اور حدیث و سنت میں باہمی فرق کو یہ کہہ کر واضح فرماتے ہیں کہ

> قرآنِ کریم پر ایمان لانے کے بعد پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ قرآن جو چھ ہزار سے زیادہ آیات پر مشتمل ہے، کن ذرائع سے ہمارے پاس آیا ہے، اس کے برخلاف احادیث کا یہ مقام نہیں ہے۔ ❶

حالانکہ بحث کا اصل ہدف ''وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعہ ہم تک قرآن اور روایات احادیث پہنچی ہیں۔'' نہ کہ یہ امر کہ ''قرآن کا مقام کیا ہے اور احادیث کا مقام کیا؟''

تاہم یہاں اس اقتباس میں جو کچھ کہا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہی بنیاد کی وہ غلطی اور کجی ہے جس پر انکارِ حدیث کے مسلک کا قصرِ فلک بوس تعمیر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی سلیم الفطرت شخص جو واقعی متلاشی حق ہو، مسلکِ انکارِ حدیث کے لئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر ٹھنڈے دل و دماغ سے یہاں غور کرے گا، تو اسے خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا!!

۱۔ پہلے ایمان کس پر؟ قرآن پر یا رسولؐ پر؟

مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ...... ''قرآنِ کریم پر ایمان لانے کے بعد، پھر یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ یہ قرآن ... کن ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔'' دراصل اس مفروضہ پر قائم ہے کہ سب سے پہلے ہمارے پاس قرآن آیا۔ ہم فوراً ہی اس پر ایمان لے آئے۔ لہٰذا ایمان لا ڈالنے کے بعد اب یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ یہ کن ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔''

حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے کہ قرآن ہمارے پاس پہلے آیا ہو اور ہم اس پر ایمان لائے ہوں، پھر قرآن نے ہمیں محمد بن عبداللہ سے متعارف کروایا ہو، تب قرآن کے کہنے پر ہم نے اُنہیں محمد رسول اللہ ﷺ تسلیم کیا ہو۔ بلکہ واقعاتی صورتِ حال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے پاس پہلے آئے، ہم ان کی رسالت پر ایمان لائے، تب ان ہی کے کہنے پر (حدیث رسولؐ کی بنیاد پر) ہم نے قرآن کو قرآن تسلیم کیا ہے۔ اب یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جس زبان پر اعتماد کرتے ہوئے ہم نے قرآن کو قرآن مانا ہے، اُسی زبان کو ایمان بالقرآن کے فوراً بعد ہم نظر انداز کر دیں اور خدائے کائنات کی طرف سے مامور من اللہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے جو سرکاری تشریح، زبان ترجمان وحی نے فرمائی ہے وہ یکسر مہمل اور بے معنی ہو کر رہ جائے۔

۲۔ کتاب کے ساتھ، بشر رسول ہی کیوں؟

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کتاب بغیر کسی رسول کے آئی ہو، حالانکہ اس کے برعکس نہ صرف یہ ممکن ہی ہے (بلکہ عملی واقعہ بھی ہے) کہ کوئی رسول، اپنی پیغمبرانہ زندگی میں، رسول ہونے کے باوجود، ایک مدت تک محرومِ کتاب رہا ہو اور منصبِ نبوت پا لینے کے ایک مدت بعد اسے کتاب ملی ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہ تھا کہ اپنی کتاب براہِ راست قوم کے ہر فرد تک پہنچا دیتا؟ اگر وہ قادر نہ تھا تو اسے اللہ مانا ہی کیوں جائے؟ لیکن اگر وہ قادر تھا (اور بالیقین قادر تھا) تو کیوں نہ ہر فردِ قوم تک اپنی کتاب براہِ راست پہنچا دی؟ اور کیوں اس نے یہ ضروری جانا کہ کتاب کے ساتھ ایک رسول بھی بھیجا جائے؟ اور پھر رسول جب بھی بھیجا گیا تو کوئی فرشتہ نہیں، بلکہ انسانوں ہی میں سے بھیجا گیا۔ آخر یہ کیوں؟ ...... اس لئے کہ تنہا کتاب خواہ وہ کتنی ہی عظیم الشان ہوتی، بہرحال وہ الفاظ ہی پر مشتمل ہوتی جبکہ عملاً جو کچھ مطلوب ہوتا ہے، وہ الفاظِ کتاب نہیں بلکہ معانی کتاب ہوتے ہیں، جن کے تعین میں لامحالہ (اگر کتاب کے ساتھ رسول نہ ہوتو) لوگوں میں سے ہر فرد دوسرے سے مختلف ہوگا اور یہ اختلافِ معانیٔ کتاب، لوگوں کو نہ تو بنیانِ مرصوص ہی بنا سکے گا نہ ہی انہیں اقامتِ کتاب (یا غلبہ دین) کی منزل تک پہنچا سکے گا۔ مگر رسولؐ کی موجودگی میں کتاب کا وہی مفہوم 'سرکاری فرمان' قرار پائے گا جو خود رسولؐ کا پیش کردہ ہو، کیونکہ وہ نہ صرف یہ کہ خدا کا مامور من اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمائندہ ہے بلکہ اس کتاب کا شارح مجاز بھی ہے۔ لیکن کتاب کی ایسی توضیح و تشریح جو صرف بیان و کلام کی حد تک ہو، وہ تو خیر ایک فرشتہ بھی کر سکتا ہے لیکن جو تشریح و وضاحت عملی مظاہرہ (Practical Demonstration) کی محتاج ہو وہ کوئی فرشتہ اس لئے انجام نہیں دے سکتا کہ اس کی دنیا انسانی دنیا سے یکسر مختلف ہے اور انسان سے قطعی الگ اور جداگانہ مخلوق ہونے کی بنا پر وہ انسان کے لئے نمونۂ پیروی نہیں بن سکتا۔ انسانوں کی دنیا میں تو کوئی انسان ہی اُن کے لئے اُسوۂ حسنہ بن سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے کتاب کے ساتھ کسی فرشتہ کی بجائے انسان ہی کو رسول اور راہنما بنا کر بھیجا ہے۔ اسی بات کو جناب پرویز صاحب نے بھی بڑے اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''اگر غور و فکر اور ہدایت و نجات کے لئے کتاب کی آیات ہی کافی ہوتیں تو کتاب کسی پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دی جاتی، عوام کے دلوں میں اِلقا کر دی جاتی (جیسا کہ وہ اکثر اعتراض بھی کرتے تھے کہ ہم پر وحی کیوں نہیں بھیجی جاتی) لیکن اس علیم و حکیم کو خوب معلوم تھا کہ تعلیم بلا عمل اور کتاب بلا رسول ناقص رہ جاتی ہے۔ یہی ضرورت تھی جس کو پورا کرنے کیلئے فرمایا کہ
>
> ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)
>
> ''تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں عمدہ نمونہ ہے۔'' [1]

۳۔ اُسوہ...... الفاظِ کتاب یا ذاتِ رسولؐ؟

تیسری بات جو یہاں ذہن نشین رہنی چاہیے وہ 'اُسوۂ حسنہ' کا محل و مہبط ہے۔ قرآنِ کریم نے صرف دو ہی رسولوں کو اہل ایمان کے لئے بالصراحت اُسوہ حسنہ قرار دیا ہے: ایک حضرت محمد ﷺ اور دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام (اور ان کے اصحاب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو کتاب (جسے قرآن نے 'صحفِ ابراہیم' کہا ہے) دی گئی تھی، وہ آج مسلمان تو کیا کسی بھی قوم کے پاس نہیں ہے۔ سو اگر اُسوہ کا مقصد (یا منکرین حدیث کی زبان میں

[1] معارف، اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۲۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطاعت رسول کا مقصد) کتاب ہی کی پیروی ہوتا تو پھر آج اُسوۂ ابراہیمی کہاں سے لیا جاتا۔ خود قرآن مجید نے بھی صحفِ ابراہیم کے الفاظ ومتن کو اپنے دامن میں محفوظ نہیں رکھا، بلکہ اس کی بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعمالِ حیات کا تفصیلاً ذکر کیا ہے اور انہی اعمال کی بنیاد پر وہ آج بھی اُمتِ مسلمہ کے امام اور ملتِ ابراہیمی کے بلند پایہ قائد قرار دیئے گئے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کے نقوش و الفاظ اُسوہ نہیں بن سکتے۔ بلکہ نبی کے اعمالِ حیات اور رسولؐ کے نقوشِ قدم ہی اُسوہ بن سکتے ہیں اور پیغمبر کے افعال و اعمال کا نمونہ ہی لائق پیروی ہوسکتا ہے۔ یقیناً قرآن میں بھی حضور اکرم ﷺ کے اعمال و افعال بھی موجود ہیں لیکن قرآن سے کہیں زیادہ یہ ریکارڈ احادیث میں پایا جاتا ہے۔

۴۔ رسولؐ؛ مامور من اللہ شارحِ قرآن

چوتھی بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا ہے تو اس کا مقصد کیا ہے؟ قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴) ''اور ہم نے (اے رسول!) تیری طرف یہ ذکر نازل کیا، تاکہ تُو لوگوں کے لئے اُس چیز کی وضاحت کردے جو ان کی طرف اُتاری گئی۔''

اس آیت پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو قیمتی، ایمان افروز اور مزیل شبہات حاشیہ لکھا ہے اس کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیے:

''یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا 'ذکر' بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے، اسی طرح آج یہ ان منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی توضیح وتشریح کے بغیر صرف 'ذکر' کو لے لینا چاہتے ہیں۔ وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی، صرف 'ذِکر' پیش کردیا تھا یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف 'ذکر' ہے نہ کہ نبی کی تشریح یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف 'ذِکر' کافی ہے، نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'ذِکر' ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے، نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے۔ غرض ان چاروں باتوں میں سے وہ جس بات کے بھی قائل ہوں، ان کا مسلک بہرحال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔

اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہِ راست لوگوں تک پہنچا دینے کی بجائے اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔

اگر وہ دوسری اور تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا 'ذکر' ایک نبی کے ذریعہ بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔

اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوتِ محمدیؐ دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآنِ مجید کے مقصدِ نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے۔ اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے کھلے ہوئے ہیں: پہلا یہ کہ نمونۂ اتباع کی حیثیت سے، نبوتِ محمدی ختم ہوگئی اور ہمارا تعلق محمدؐ کے ساتھ صرف اس طرح کا رہ گیا جیسا ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں، مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں۔ یہ چیز ایک نئی نبوت کی ضرورت، آپ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ثابت کر دیتی ہے۔ صرف ایک بے وقوف آدمی ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبی کی تشریح و تبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے، اسلئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہانِ چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ، خود قرآن کی رُو سے ثابت ہو جاتی ہے۔ قاتلھم اللہ اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکارِ حدیث کے ذریعے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔'' ❶

الغرض، یہ آیت ذِکر بلا تبیین رسولؐ، تعلیم بلا عمل، کتاب بلا رسول اور قرآن بلا محمد (ﷺ) کے نظریہ کی سخت مخالفت کرتی ہے۔ اب اس کے بعد ایک نظر ان فروق و امتیازات پر ڈال لیجئے جنہیں مقالہ نگار نے قرآن اور احادیث کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

روایاتِ حدیث اور منکرین حدیث

رہا مقالہ نگار کا یہ فرمان کہ ''ہم احادیث پر ایمان لانے کے مکلّف نہیں ہیں۔'' تو اس کی وضاحت قدرے آگے چل کر وہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''قرآنِ کریم پر ہمارا ایمان ہے اور اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے...... لیکن اس کے برخلاف نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے، نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، نہ حدیث کے رواۃ پر ہمارا ایمان ہے، نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں، ان پر ہمارا ایمان ہے، نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔'' ❷

سبحان اللہ! کیا بلند مرتبہ ہے آپ لوگوں کا اور کیا اونچی شان ہے آپ حضرات کی! گویا قرآن براہِ راست اللہ میاں کے ہاتھوں سے آپ کو ملا ہے ورنہ اگر سینکڑوں، ہزاروں اور

❶ تفہیم القرآن، ج۲، ص ۵۴۳ تا ۵۴۵۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۵ تا ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کروڑوں افراد کے تواتر سے آپ تک قرآن پہنچا ہے تو ان کروڑوں راویوں کے توسط سے آپ تک قرآن پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کروڑوں افراد پر آپ کا ایمان ہو جائے اور ان سب پر ایمان لانے کا آپ کو حکم دیا گیا ہو۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ آپ کی آغوشِ مبارک میں قرآن ٹپکا دیا ہے اور پھر آج سے آپ ہرگز کسی خبر دینے والے کی خبر اور کسی شاہد کی شہادت کی طرف کان بھی نہ دھریئے گا، ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اس خبر رساں اور اس شاہد پر ایمان لا رہے ہیں جس کا اللہ نے آپ کو حکم نہیں دیا ہے اور یہ جو ہمیشہ سے دنیا بھر کی عدالتوں میں شاہدوں کے بیانات اور ان کی شہادتیں سنی اور قبول کی جاتی رہی ہیں، آپ جیسے نکتہ سنج حضرات کے نزدیک سارے قضاۃ کرام اور جج صاحبان ان شاہدوں پر ایمان ہی لایا کرتے ہیں حالانکہ ایسی 'غیر یقینی اور غیر ایمانی چیزوں' پر ایمان لانے کا اُنہیں حکم ہی نہیں دیا گیا۔ مزید آگے بڑھیے اور دیکھیے کہ حضورِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے کسی مخبر کی خبر پر اگر اعتبار و اعتماد کیا تھا یا کسی گواہ کی گواہی کو قبول کیا تھا تو مقالہ نگار کی اس عجیب منطق کی رو سے رسول اللہ ﷺ بھی اور خلفاے راشدین بھی مخبر و شاہد پر ایمان لانے والے ٹھہرتے ہیں اور یہ جو ۲۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو کسی نے ٹیلیفون پر پرویز صاحب کو یہ اطلاع دی کہ اسلم جیراجپوری فوت ہوگئے اور پرویز صاحب نے اس اطلاع کو قبول کیا اور بعد میں طلوعِ اسلام کا ایک پورا شمارہ 'اسلم جیراجپوری نمبر' کے طور پر شائع کیا تو اس خبر کو قبول کرنا اطلاع دہندہ پر ایمان لانا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا مقالہ نگار اور ان کے ہم نوا منکرین حدیث نے ساری دنیا کو جاہل اور احمق سمجھ لیا ہے یا یہ ان کے مبلغ علم کا کرشمہ ہے جو ایسے مضحکہ خیز 'نوادرات' ان کے قلم سے صادر ہو رہے ہیں۔

ایسی بات جیسی منکرین حدیث پیش کر رہے ہیں، اگر کسی کے لئے کہنا سزاوار ہوتا تو یقیناً وہ صحابہ کرامؓ ہی ہوسکتے تھے کیونکہ وہی قرآن کے اوّلین مخاطب تھے لیکن اُنہوں نے یہ بات صرف اور صرف اس لئے نہیں کہی کہ آپ ﷺ کو نبی و رسول تسلیم کر لینے کے بعد وہ زبانِ رسول سے برآمد ہونے والے ہر لفظ کو کلمہ حق سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد کہ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی ہر بات امرحق اور مطابق مرضاتِ الٰہی ہے، قرآنِ کریم اور فرمانِ رسولؐ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ رہا آپؐ کا فرمان تو آپ نے خود اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو جو کچھ لوگوں کی طرف سے غلط فہمی کی بنا پر فرمودات رسولؐ کو لکھنا چھوڑ بیٹھے تھے، یہ فرمایا تھا کہ (اکتب فوالذي نفسي بيده لا يخرج منه إلا حق) ''تم لکھتے رہو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس (منہ) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔'' رہا قرآن تو وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ''وہ (رسول) اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہوکر نہیں بولتا بلکہ وہ تو سراسر وحی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔'' اس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو کچھ قلم بند فرمایا ہے، وہ فی الواقع بیمار کی شفایابی اور پیاسے کی سیرابی کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے اور منکرین حدیث کے شکوک وشبہات کا بہترین ازالہ ہے۔ لیکن یہ اقتباس چونکہ بہت ہی طویل ہے، اس لئے میں اس مقالہ میں اسے پیش کرنے کی گنجائش نہیں پاتا۔ طالبینِ تحقیق، تفہیم القرآن، جلد پنجم، سورۃ النجم صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۵ کا مطالعہ خود فرما سکتے ہیں۔

قرآن یقینی، مگر روایات 'ظنی'

مقالہ نگار بھی ان منکرین حدیث کے ہم نوا ہیں جو قرآن کے یقینی اور روایات کے ظنی ہونے کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

> ''قرآنِ کریم از اوّل تا آخر سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ الناس کے آخر تک یقینی ہے، اس کی جملہ آیات یقینی وحتمی ہیں جبکہ شانِ نزول اور روایات بالکل ظنی اور غیر یقینی ہیں۔ اس صورت میں آیات کی تفسیر کا مدار وانحصار روایات اور شانِ نزول پر رکھنا بالکل غیر مناسب اور عقل کے خلاف ہے اور آیات کے مفہوم کو بھی غیر یقینی اور ظنی بنانا ہے۔'' ❶

اس اقتباس میں پہلی بات تو یہ کھٹکتی ہے کہ مقالہ نگار نے سورۃ الفاتحہ کو قرآن سے خارج

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا ہے اور آغازِ قرآن، سورۃ البقرہ کو اور اختتامِ قرآن سورۃ الناس کو قرار دیا ہے، نہ معلوم یہ کیوں؟ اب رہا قرآن کے یقینی اور روایات کے ظنی ہونے کا معاملہ تو یہاں اصل اور بنیادی چیز جو دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ

''صرف الفاظِ قرآن ہی یقینی اور حتمی ہیں؟ یا ان الفاظ کا معنی و مفہوم بھی؟''

اگر آپ الفاظِ قرآن ہی کے حتمی اور یقینی ہونے کے قائل ہیں تو یہ امر تمام مسلمانوں میں (بلکہ غیر مسلموں میں بھی) متفق علیہ ہے، اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر آپ الفاظِ قرآن کے معنی و مفہوم کو بھی حتمی اور یقینی سمجھتے ہیں تو آپ کا یہ نظریہ وہم و گمان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منکرِ حدیث حتیٰ کہ خود پرویز صاحب بھی اس کے مدعی نہیں ہو سکتے۔ اگر متن قرآن کا مفہوم و مدلول بھی حتمی اور یقینی ہوتا تو تفسیر قرآن کا قطعاً اختلاف نہ ہوتا۔ منکرین حدیث کے جملہ گروہوں میں خواہ وہ ماضی کے احزاب ہوں یا دورِ حاضر کے ٹولے ہوں، یہ اختلاف موجود رہے ہیں (باوجودیکہ ہر ٹولہ تمسک بالقرآن ہی کو رافع اختلاف قرار دیتا رہا ہے) حتیٰ کہ عبادات و عقائد تک میں اور فروعی نہیں بلکہ اُصولی امور تک میں یہ افتراقات و تنازعات اب تک برقرار ہیں اور اِنہی کی بنیاد پر خود پرویز صاحب منکرین حدیث کے دوسرے گروہوں کو گمراہ، دشمن دین اور مُـخـزي القرآن قرار دیتے رہے ہیں۔ پھر یہ تفسیری اختلافات مسلکِ انکارِ حدیث کے علمبردار مختلف دھڑوں ہی میں نہیں پائے جاتے، بلکہ ان کے کسی ایک ہی گروہ میں بھی وقتاً فوقتاً موجود رہے ہیں اور پرویز صاحب کا تو خیر سے پورا لٹریچر ہی ماشاء اللہ ان ہی اختلافات کی بنیاد پر تضادات و تناقضات سے اٹا پڑا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہی حتمی و یقینی ہیں، مگر ان کا معنی و مفہوم ہرگز ہرگز حتمی اور یقینی نہیں ہے، پرویز صاحب خود ایک مقام پر یہ لکھتے ہیں کہ

''قرآن تو وحی الٰہی ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، لیکن میں اپنی قرآنی بصیرت کو کبھی وحی الٰہی قرار نہیں دیتا، اس لئے اس میں سہو اور خطا دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ بنابریں میں اس پر اصرار نہیں کرتا کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب میں حرفِ آخر ہے اور وحی الٰہی کی طرح منزہ عن الخطاء" ❶

جب پرویز صاحب کے نزدیک بھی انسانی تعبیرِ قرآن سہو و خطا کا امکان رکھتی ہے اور وہ تعبیر و تفسیر، وحی الٰہی کی طرح منزہ عن الخطا نہیں ہے تو پھر اس کے ظنی اور غیر یقینی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے؟

الغرض، قرآن کے الفاظ تو بلا شبہ قطعی، حتمی اور یقینی ہیں لیکن ان کا مفہوم و مراد ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ظنی اور غیر یقینی ہے اور عملی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اتباعِ قرآن اور پیروی کتاب اللہ کے لئے ہم الفاظِ قرآن سے کہیں زیادہ مفہومِ قرآن کے محتاج ہیں جو بہرحال ظنی ہی ہے۔ لہٰذا یہاں عملاً دین میں حجت اور سند وہ چیز (مفہوم آیاتِ قرآن) بن رہی ہے جو غیر یقینی اور ظنی ہی ہے۔ جب عملاً صورتِ حال یہ ہے تو پھر حدیث و سنت نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ بقول آپ کے ظنی اور غیر یقینی ہونے کی بنا پر حجت اور سند قرار پانے سے محروم ہو جائے؟ کیا منکرین حدیث یہ کہنا چاہتے ہیں کہ روایاتِ رسولؐ اور احادیثِ نبیؐ تو ظنی ہونے کی بنا پر مردود و مسترد ہیں لیکن پرویز صاحب کی قرآنی تعبیرات ظنی ہونے کے باوجود مقبول و محمود ہیں؟

اختلافِ سنت کا پراپیگنڈہ

منکرین حدیث، سنت کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے یہ غوغا آرائی بھی کیا کرتے ہیں کہ

> "ان حضرات (علما) کے نزدیک قدرِ مشترک صرف لفظ 'سنت' ہے، اس کا مفہوم ہر ایک کے نزدیک الگ الگ ہے۔" ❷

اور اسے خوب نمک مرچ لگا کر پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے "سنت کی تعریف و تعبیر میں علما کرام کے درمیان شدید اختلافات ہیں، ہر فرقہ کی سنت الگ الگ ہے اور پھر اس کی تعبیر بھی جدا جدا ہے، ایک فرقہ سنت کی جو تعبیر پیش کرتا ہے، دوسرا اسے تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اس کے برعکس قرآن کے متن میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہر مخالف و موافق کے نزدیک وہی متن

---

❶ نظامِ ربوبیت، ص ۲۳۔ ❷ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۶۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن متفق علیہ ہے جو مابین الدفتین موجود ہے، وغیرہ وغیرہ"

لیکن اگر قرآن کوئی جنتر منتر کی چیز نہیں ہے اور وہ کوئی ایسی کتاب بھی نہیں جس کا متفق علیہ مفہوم تعویذ بن کر پلائی جانے والی چیز ہو، بلکہ عمل کرنے کے لئے ایک دستور العمل ہے تو پھر منکرین حدیث کے اس مکروہ پراپیگنڈہ میں کیا وزن رہ جاتا ہے جبکہ متن قرآن کے متفق علیہ ہونے کے باوجود اس کے مفہوم میں اختلافات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر جب عمل کی طرف آمادہ ہوں گے تو یہ عمل اس معنی و مفہوم اور مراد و مدلول پر قائم ہوگا جو قرآنی متن سے کسی نے اخذ کیا ہوگا۔ غلام احمد پرویز کا عمل اس معنی و مفہوم پر ایستادہ ہوگا جو ان کی 'قرآنی بصیرت' نے قرآن سے نچوڑا ہوگا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے عمل کی بنیاد اس مدلول و مراد پر ہوگی جو اُنہوں نے متن قرآن سے کشید کیا ہوگا، ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے حجت وسند وہی معنی و مفہوم ہوگا جو اس کے نزدیک ماخوذ من القرآن ہوگا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کی حجت اور سند کا منکر ہوگا۔ پرویز صاحب کا مفہوم خود اس کے لئے دلیل و حجت ہوگا اور وہ مرزا ے قادیانی کی حجت و برہان اور جس معنی و مراد پر یہ حجت و برہان قائم ہوگی، اس کا انکار کریں گے اور یہی طرزِ عمل مؤخر الذکر فرد کا پرویز صاحب کے بارے میں ہوگا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہر ایک کا قرآن سے اخذ کردہ مفہوم و مراد اور اس پر تعمیر ہونے والی دلیل و حجت خود اسی کے لئے ہی سند ہوگی اور ہر کوئی دوسرے کے مراد و مفہوم اور اس کی دلیل و برہان کا منکر ہوگا اور پھر ہر ایک کا قرآن سے نچوڑا ہوا مدلول و مفہوم ظنی اور غیر یقینی ہی ہوگا اور جو سند و حجت ہوگی، وہ بھی ظنی ہی ہوگی تو پھر سنت کے خلاف یہ واویلا اور یہ غوغا آرائی کیسی؟ لہٰذا اب اگر سنت کے معاملہ میں مبینہ اختلاف فی نفسہٖ حدیث وسنت کو قابل رد بنا دینے پر محکم دلیل بن سکتا ہے اور سرے سے سنت ہی کا کوئی مقام باقی نہیں رہنے دیتا تو پھر عملی دنیا میں 'قرآنی بصائر و معارف' کے درمیان، متضاد اختلافات کا وجود بھی قرآن کو ناقابل سند و حجت بنانے کے لئے ایک محکم دلیل بن سکتا ہے اور عمل کے باب میں 'قرآنی معارف و حقائق' کا آپس میں تصادم قرآن کے لئے بھی دینی مقام باقی نہیں رہنے دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں منکرین حدیث کی ذہنیت کا یہ پہلو بھی لائق دید اور قابل داد ہے کہ وہ سنت کی بابت اختلافاتِ علما کا تو خوب ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن خود ان کی صفوں میں (مختلف گروہوں کے درمیان) قرآن کی تعبیر وتفسیر میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، ان کا نہ صرف یہ کہ ذکر نہیں کرتے بلکہ اس عدمِ ذکر کے ساتھ ساتھ اُلٹا یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ قرآن ہی رافع اختلاف اور مزیل تنازعات ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی قرآن ان سب کے درمیان اختلافات ختم کر چکا ہے؟ اور یہ مختلف گروہ کسی ایک تعبیر قرآن پر متحد ومتفق ہو چکے ہیں؟ کیا واقعی طلوعِ اسلام اور بلاغ القرآن والے ٹولے، براساسِ قرآن، شیر وشکر ہو چکے ہیں؟

مقالہ نگار اور مسئلہ شانِ نزول

مقالہ نگار صاحب منکرین حدیث کی ہم نوائی میں شان نزول کی بنا پر تفسیر کرنے کے خلاف ہیں، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> ''قرآن فہمی کی راہ میں شانِ نزول کو اس قدر اہمیت دینا ہی ہمارے نزدیک قرآن فہمی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔'' ❶

شانِ نزول کا مسئلہ منکرین حدیث کے لئے ہمیشہ سوہانِ روح بنا رہا ہے، وہ بڑی بلند آہنگی سے اس کا انکار بھی یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں کہ شانِ نزول کی روایات بالکل ظنی اور غیر یقینی ہیں، لیکن اس کے باوجود جہاں ضرورت پڑتی ہے وہ خود اپنی طرف سے شانِ نزول گھڑ لینے میں بھی کوئی دریغ نہیں کرتے۔ اس کی بہت سی مثالیں اگرچہ موجود ہیں مگر مقالے کی تنگ دامنی کے باعث صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے جس میں 'مفکر قرآن' صاحب نے خود شانِ نزول گھڑا ہے، اس کے باوجود کہ وہ یہ اعلان بھی کیا کرتے تھے کہ

> ''خدا کی یہ عظیم کتاب اپنے مطالب کو واضح کرنے کے لئے نہ تو شانِ نزول کی محتاج ہے اور نہ کسی اور ترتیب کی، یہ خود مُکتفی ہے اور اپنی وضاحت آپ کرتی چلی جاتی ہے۔'' ❷

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۔ ❷ تفسیر مطالب الفرقان، ج۱، ص ۳۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال یہ ہے کہ اگر یہ کتاب ایسی ہی خود مکتفی ہے کہ "اپنی وضاحت، آپ کرتی چلی جاتی ہے" تو پھر پرویز صاحب کی یہ 'تفسیر مطالب الفرقان' یہ 'مفہوم القرآن' یہ 'تبویب القرآن' یہ 'قرآنی قوانین' یہ 'قرآنی فیصلے' اور یہ 'سلسلہ ہائے معارف القرآن' کیا محض قتلِ اوقات (Time Killing) کے پیش نظر ہی منظر عام پر آئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ زبان پر تو 'کتاب عظیم کے خود مکتفی' ہونے کے اعلانات ہوں لیکن دل میں یہ اعتقاد جما بیٹھا ہو کہ یہ کتاب کسی 'مفکرِ قرآن' کی تشریحات و توضیحات کی محتاج ہے۔

بہرحال 'قرآن کے خود مکتفی' ہونے کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود پرویز صاحب جن آیات کی تفسیر و توضیح کے لئے تسویلِ نفس کے بل بوتے پر 'شانِ نزول' گھڑنے کے لئے مجبور ہوئے ہیں، ان میں آیتِ نسخ بھی شامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> "ان اہل کتاب کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جب خدا کی کتابیں پہلے سے موجود تھیں تو پھر ایک نئی کتاب (قرآن) کی ضرورت کیوں پڑ گئی ہو، نیز یہ بھی کہ اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے تو اس میں ایسے احکام کیوں ہیں جو خدا کی پہلی وحی (تورات) کے خلاف ہیں۔" ❶

آیت کا یہ 'شانِ نزول' خواہ کتبِ احادیث میں سے ماخوذ ہو یا خود ساختہ ہو، بہرحال اس بات کی دلیل ہے کہ سببِ نزول کے بغیر قرآن فہمی اور توجیہ آیات ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ 'شانِ نزول' نہ تو قرآن ہی میں مذکور ہے اور نہ ہی کتبِ احادیث میں۔ آیت نسخ کو اپنے مزعومہ تصور میں ڈھالنے کے لئے اسے 'مفکرِ قرآن' صاحب نے خود گھڑا ہے۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قولاً یہ بات خواہ کتنی ہی چیخ و پکار کے ساتھ کہی جائے کہ "قرآن خود مکتفی ہے"، لیکن عملی زندگی میں یہ 'نظریۂ ضرورت' کا کبھی شدید تقاضا بھی بن جاتا ہے اور اسی لئے اسے اپنی طرف سے تراش بھی لیا جاتا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب اور منکرین حدیث کو نفسِ 'شانِ نزول' سے انکار نہیں ہے۔ انہیں انکار اور

❶ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۲، ص ۴۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضد وعناد دراصل اس شانِ نزول سے ہے جو روایاتِ حدیث میں مذکور ہو، رہا وہ شانِ نزول جو ان کا خود ساختہ ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مبغوض نہیں ہے بلکہ وہ مرغوب ومحبوب بھی ہے!!

مسئلہ نسخ آیات اور مقالہ نگار

مقالہ نگار صاحب، مولانا زاہد الراشدی صاحب کی تردید ومخالفت کے دوران تفاسیر میں عیوب واسقام کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "تفسیر بالروایات کے طریقہ میں کہ جس کی تائید وتوصیف حضرت مولانا زاہد الراشدی فرما رہے ہیں، ان عیوب واسقام کے علاوہ ایک بہت بڑا نقص یہ بھی ہے کہ یہ تفاسیر نسخ کے عقیدہ کی حامل ہیں......" ❶

اس 'بہت بڑے نقص' کی نشاندہی کے بعد نسخ کا مفہوم کسی عالمِ دین کے قلم سے پیش کرنے کی بجائے اپنی طرف سے بایں الفاظ پیش کرتے ہیں:

> "......جس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآنِ کریم میں کسی بات کا حکم کر دیا، اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل فرما دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔" ❷

نسخ کا یہ مفہوم کس عالم دین نے بیان کیا؟ کہاں بیان کیا؟ کس کتاب میں مذکور ہے؟ کس مجلہ میں تحریر ہوا ہے؟ کس اخبار میں بیان ہوا؟ کس دور کے کس مفسر، محدث یا متکلم نے بیان کیا؟ اس کا کہیں سے بھی کوئی حوالہ؟ ......حرام ہے جو کہیں بیان کیا گیا ہو، بس اپنی طرف سے ایک مفہوم گھڑا اور اسے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ علما کی طرف منسوب کر ڈالا۔ منکرین حدیث ایسی حرکتیں اکثر کرتے رہتے ہیں، لیکن ان پر پردہ ڈالے رکھنے کے لئے، 'الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'، کے مصداق ڈھنڈورا یہ پیٹنا شروع کر دیتے ہیں کہ

> "ہمارے خلاف پراپیگنڈہ کرنے والوں کی کیفیت جدا ہے۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۸۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو کچھ 'طلوعِ اسلام' کہتا ہے، اسے اس کے الفاظ میں اپنے قارئین یا سامعین کے سامنے پیش کر کے اس پر قرآن کی روشنی میں تنقید کریں۔ وہ کرتے یہ ہیں کہ اپنی طرف سے ایک غلط بات وضع کرتے ہیں اور اسے طلوعِ اسلام کی طرف منسوب کر کے گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔'' ❶

حالانکہ یہاں خود ان حضرات کا یہ 'قرآنی اخلاق' کھل کر سامنے آ رہا ہے کہ نسخ کے مفہوم کو کسی عالم دین کے اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے تو گریز کیا جا رہا ہے اور تسویل نفس کے ذریعہ ایک غلط مفہوم وضع کر کے اسے علما کرام کے گلے منڈھا جا رہا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) ناقص العلم ہونے کا تاثر اُبھر آئے۔

علماءِ تفسیر جس قسم کے نسخ کے قائل ہیں، وہ مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہے:

''نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے، لے دے کے باب احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے۔ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزا میں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکامِ قانون کے نسخ کے معنی اس قدر ہیں کہ خود قانون ساز و قانون آفرین کے قلم سے عین وضع قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں، بدل دیے گئے اور ان کی جگہ مستقل اور دوامی قوانین نے لے لی۔'' ❷

لیکن منکرین حدیث، اللہ تعالیٰ کے نقص علم کے حوالہ سے خود اپنی طرف سے مفہومِ نسخ گھڑتے ہیں اور اسے علما کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ قارئین کرام یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ حرکت اتفاقی اور لاشعوری طور پر صرف یہاں ہی واقع ہوگئی ہے، نہیں بلکہ یہ ان حضرات کی مستقل،

---

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، ص ۵ ❷ تفسیر ماجدی، ص۴۲، حاشیہ ۳۸۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دائمی، دیدہ دانستہ، ایک مستمر عادت ہے، جس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

بہر حال، اس کے بعد مقالہ نگار صاحب فرماتے ہیں کہ

''......لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نئی آیت میں یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ کیا جاتا ہے، اس لئے اب قرآن میں منسوخ آیات بھی ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ کون سی آیت کس آیت سے منسوخ ہے اور کون سی آیت کس آیت کی ناسخ ہے، یہ ناسخ ومنسوخ کی نشاندہی، روایات کے ذریعہ ہمارے مفسرین کرام نے کی ہے۔'' ❶

مقالہ نگار نے یہاں جو کچھ فرمایا ہے وہ اصل حقیقت پر غور کیے بغیر 'مفکرِ قرآن' صاحب کی اندھی تقلید میں مکھی پر مکھی مارنے کے مصداق ہے۔ اگر وہ الفاظ کے پیچوں میں اُلجھنے کی بجائے مسئلہ نسخ میں فنی اصطلاحات کے پردوں کو اٹھا کر عروسِ حقیقت کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتے تو اُنہیں معلوم ہوتا کہ علماء اُمت ہوں یا پرویز صاحب، قرآنی آیات میں موجود بظاہر تعارض کے دونوں قائل ہیں۔ دونوں فریقوں کے نزدیک قرآن کریم کی بعض آیات، متروک العمل ہیں۔ ایک فریق ایسی آیات کو یہ کہہ کر متروک العمل قرار دیتا ہے کہ ''یہ آیات منسوخ ہیں'' اور دوسرا فریق یہ کہہ کر کہ ''یہ احکام عبوری دور سے تعلق رکھتے ہیں جس میں سے معاشرہ گزر کر اگلی منزل پر پہنچ چکا ہے۔'' انفرادی ملکیت کے مسئلہ پر پرویز صاحب کے نقطہ نظر سے (نہ کہ علما کے نقطہ نظر سے) قرآنی آیات میں اختلاف وتعارض پایا جاتا ہے، وہ اگر ایک طرف قرآنِ کریم سے (آیت ۲/۲۱۹ کی روشنی میں) ذاتی اور نجی مال کی ملکیت کی 'نفی' ثابت' کرتے ہیں تو دوسری طرف (آیت ۴/۳۲ کی روشنی میں) مردوزن ہر دو کے حق میں شخصی ملکیتِ مال کا جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں قرآنی آیات کے باہم متعارض ہونے کی توجیہ کی جائے تو علماء کرام کے نقطہ نظر سے (بشرطیکہ دونوں آیات سے ان کا استدلال بھی، استدلالِ پرویز کے موافق ہو، تو) ناسخ ومنسوخ کے اُصول پر ہوگی اور پرویز صاحب کے

❶ سوئے اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقطۂ نظر سے ''عبوری دور کے احکام'' کے اصول پر ہوگی۔

اس صورتِ حال میں کیا یہ بات قابلِ تعجب اور موجبِ حیرت نہیں کہ ایک ہی حقیقت کو اگر علماءِ کرام، ناسخ و منسوخ کے حوالہ سے بیان کریں تو 'مفکرِ قرآن' صاحب اسے مضحکہ خیز قرار دیں، لیکن اگر اسی حقیقت کو وہ خود 'عبوری دور کے احکام' کے حوالہ سے بیان کریں، تو وہ مفسر قرآن کہلائیں، حالانکہ ناسخ و منسوخ کا لفظ نہ سہی، اس لفظ کے مادہ سے چند مشتقات، قرآن میں موجود ہیں، جبکہ 'عبوری دور کے احکام' کا کسی درجہ میں بھی، قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ پھر پرویز صاحب خود تو عمر بھر ناسخ و منسوخ کے مسئلے پر زبانِ طعن دراز کرتے رہے لیکن ناسخ و منسوخ کی حقیقت کو 'عبوری دور کے احکام' کے لیبل کے تحت خود تسلیم کرتے رہے ہیں۔ آخر یہ واضح تو کیا جائے کہ علماءِ کرام کے تصورِ ناسخ و منسوخ میں اور خود 'مفکرِ قرآن' صاحب کے 'عبوری دور کے احکام' کے تصور میں کیا جوہری فرق ہے کہ اگر اس کو ایک نام سے موسوم کیا جائے تو ناقابل قبول قرار پائے اور دوسرے نام سے پیش کیا جائے تو قابلِ قبول؟ کیا یہ محض ایک لفظی نزاع نہیں ہے؟ جس کی آڑ میں 'مفکرِ قرآن' صاحب نے، صرف اور صرف علماء امت کی تحقیر و توہین اور ان کی تضلیل و تذلیل کے لئے عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کا اکھاڑا عمر بھر جمائے رکھا۔

اور پھر مقالہ نگار نے اپنی جذباتی ترنگ میں جس میں قدرے طنز کی تلخی بھی موجود ہے، فرمایا کہ.... ''لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ کون سی آیت، کس آیت سے منسوخ اور کون سی آیت، کس آیت کی ناسخ ہے۔ یہ ناسخ و منسوخ آیات کی نشاندہی روایات کے ذریعہ، ہمارے مفسرین کرام نے کی ہیں۔'' اب کوئی شخص پلٹ کر یہی سوال خود آپ سے یا جن کے آپ مقلد ہیں اُن سے پوچھ بیٹھے تو نہ معلوم آپ کا جواب کیا ہوگا، کہ حضرت گرامی قدر! اللہ تعالیٰ نے تو ان آیات کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ کون سی آیات 'عبوری دور کے احکام' سے متعلق ہیں اور کون سی آیات 'نظامِ ربوبیت کے تکمیلی دور' سے وابستہ ہیں؟ کیا بیچاری یہ آیات ایسی ہی قسمت کی ماری ہوئی تھیں کہ چودہ صدیوں تک گوشۂ خمول میں پڑی رہیں یہاں تک کہ بٹالہ کے ایک 'خالص عرب' علاقے میں ایک 'خالص عربی مفکرِ قرآن' پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہوا، جس نے 'عجمی سازش' کے تحت قرآن کریم پر 'ملاؤں' کے ڈالے ہوئے پردے چاک کیے تو 'عبوری دور کے احکام' سے متعلقہ آیات اُبھر کر سامنے آ گئیں، تو 'مفکر قرآن' نے 'انکشافِ حقیقت' کرتے ہوئے فرمایا:

> ''وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ و خیرات وغیرہ سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں سے معاشرہ گزر کر، انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔'' ❶

وحی خفی اور مقالہ نگار

مقالہ نگار صاحب نے وحی خفی کے اہم مسئلہ پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے ایک مقام پر یہ لکھا ہے کہ

> ''وحی خفی کا عقیدہ ہمارے علماء کرام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے، صدرِ اول میں اس عقیدہ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ تقریباً دو سو سال کے بعد یہ عقیدہ وضع کیا گیا۔'' ❷

إنا للہ وإنا إلیه راجعون بہرحال، اس سے اگلے صفحہ پر مقالہ نگار، مزید فرماتے ہیں کہ

> ''لیکن جو اصل موضوع ہے اور جو سب 'منکرین حدیث' کا اصل الاصول اور عروۃ الوثقیٰ ہے کہ حدیث وحی نہیں ہے اور ''وحی صرف قرآن میں ہے'' اس موضوع پر کچھ تحریر کرنے سے ہمارے علماء کرام ہمیشہ بچتے رہے اور اجتناب کرتے رہے ہیں۔'' ❸

> ''ہمارے علمائے کرام، حدیث کو وحی ثابت کرنے کے لئے مضمون تحریر کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں، تا حال کسی رسالہ یا کتاب یا 'محدث' میں ایسا مضمون تحریر نہیں کیا گیا جس میں حدیث کو وحی خفی ثابت کیا گیا ہو، اس مضمون میں پھر اسی درخواست کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ ہمارے علماءِ کرام، حدیث کے وحی ہونے پر کوئی ایسا جامع و مبسوط مضمون تحریر فرمائیں کہ نام نہاد 'منکرین حدیث' کو اپنے

---

❶ نظامِ ربوبیت، ۲۷۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۹۔
❸ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقف پر دوبارہ غور کرنے کا موقع فراہم ہو۔'' ❶

منکرین حدیث کے 'قرآنی فضائل اخلاق' میں سے ایک بینظیر وصف یہ ہے کہ اگر آپ ایک مسئلہ کو بیسیوں مرتبہ بھی وضاحت سے بیان کر دیں تو بھی وہ یہی رٹ لگائے جائیں گے کہ ''اب تک کسی نے اس مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالی۔ نہ معلوم، علماءِ کرام اس مسئلہ کو واضح کرنے سے کیوں گریزاں ہیں۔'' اور پھر جویائے حق بن کر بڑے ہی معصوم انداز میں درخواست کریں گے کہ ''کوئی جامع ومبسوط مضمون تحریر فرمایا جائے۔''

حیرت ہوتی ہے کہ کس قدر تجاہل عارفانہ سے کام لے کر یہ کہا گیا ہے کہ ''کسی رسالہ یا کتاب میں وحی خفی کے متعلق دلائل نہیں دیے گئے۔'' حقیقت یہ ہے کہ خدا پرستی کا مسلک چھوڑ کر، ہوا پرستی اختیار کرنے والے خود غرض لوگوں کو کہیں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملا کرتی جو ان کے فکر ومزاج کے خلاف ہو۔ مقالہ نگار، اگر واقعی اس مسئلہ کی کھوج کرید میں مخلص ہوتے تو ان کی رسائی اس قلمی مناظرے تک ضرور ہو جاتی جو طلوعِ اسلام کی فکر سے وابستہ ایک نمایاں فرد ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مولانا مودودی کے درمیان واقع ہوا تھا اور جس کی پوری روداد ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۶۱ء میں اور پھر بعدازاں 'سنت کی آئینی حیثیت' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی تھی۔ اس قلمی مناظرہ میں منکرین حدیث کے جملہ دلائل کا (بالخصوص وحی خفی پر اعتراضات کا) ایسا مسکت اور اطمینان بخش اور ایمان افروز جواب دیا گیا تھا (اور ہے) جو بہت سی بھٹکتی ہوئی شخصیتوں کے لئے باعثِ ہدایت ثابت ہوا تھا (اور ہے) یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودیؒ کے پرزور استدلال کی اثر آفرینی سے اپنے قارئین کو بچائے رکھنے کی غرض سے طلوعِ اسلام اس دوطرفہ قلمی مراسلت کو اپنے صفحات میں شائع کرنے کی جرأت نہ کر سکا، حالانکہ اس سے قبل ڈاکٹر عبدالودود صاحب وعدہ کر چکے تھے کہ اس پوری دوطرفہ خط وکتابت کو شائع کیا جائے گا۔ نیز اس کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ ''جواب نہیں ملا'' کی رٹ لگانا جملہ منکرین حدیث کی عام روش ہے!!

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[جہاں تک ماہنامہ 'محدث' یا دیگر دینی جرائد کا تعلق ہے تو ان میں بھی حدیث کے وحی ہونے کے بارے میں بیسیوں مضامین شائع کئے جاتے رہے ہیں جس پر محدث کے فتنہ انکارِ حدیث میں اس موضوع پر شائع ہونے والے ۷۰۰ کے لگ بھگ مقالات کی فہرست شاہد ہے۔ بطورِ خاص اس عنوان پر کہ 'حدیث وحی ہے اور اس کا منکر کافر ہے' محدث میں اکتوبر ۱۹۹۵ء (ج ۲۷ / عدد ا) میں دو طویل مقالات جناب غازی عزیز مبارکپوری کے قلم سے شائع ہو چکے ہیں۔]☆

معیارِ صحت حدیث اور مقالہ نگار

مقالہ نگار صاحب دیگر منکرین حدیث کی ہم نوائی میں حدیثِ رسولؐ کی صحت کا واحد معیار بایں الفاظ پیش کرتے ہیں:

''جو حدیث قرآن کے مطابق ہو، اس کو سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔'' ❶

ہم پوچھتے ہیں کہ کسی حدیث، کسی قول، کسی بات یا کسی بھی معاملے کی صحت اور قبولیت کا واحد معیار اگر اس کا 'مطابق قرآن' ہونا ہی ہے تو اس میں آخر حدیثِ رسولؐ ہی کی کیا تخصیص ہے۔ زید کا خیال ہو یا بکر کا، جان مائیکل کا قول ہو یا رام داس کا، نتھا سنگھ کی بات ہو یا پرویز کی، الغرض کسی کا بھی کوئی خیال، فکر یا قول ہو اگر وہ 'مطابق قرآن' ہے تو صحیح، درست اور قابل قبول ہے۔ اس میں پھر فرمانِ نبیؐ ہی کی تخصیص کیوں؟ اور کس لئے؟ کیا اگر ابوجہل یا ابولہب کی کوئی بات 'مطابق قرآن' ہو تو آپ اسے یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ کافروں کی بات ہے؟ ابوجہل اور ابولہب تو خیر انسان ہی تھے اگر کوئی (بندر جیسا) جانور بھی ایسی گفتگو کرے جو 'مطابق قرآن' ہو تو کیا آپ صرف اس لئے ردّ کر دیں گے کہ یہ الفاظ ایک جانور کے منہ سے نکلے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب آپ کے نزدیک صحت کی کسوٹی اور قبولیت کا معیار صرف اور صرف 'مطابق قرآن' ہونا ہی ہے تو پھر ہر وہ بات جو اس معیار اور اس کسوٹی پر پورا اُترتی ہے،

☆ [ ] بین القوسین یہ پیراگراف، مدیر محدث کا اضافہ ہے۔ جو میرے اس مقالہ میں اصلاً موجود نہیں۔

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ صحیح بھی ہوگی اور قابل قبول بھی۔ اور جو چیز اس پیمانے پر پوری نہیں اُترتی وہ غلط بھی ہوگی اور مردود بھی، خواہ کسی پیغمبر نے پیش کی ہو یا غیر نبی نے، مسلمان نے پیش کی ہو یا کافر نے، فرد بشر نے پیش کی ہو یا کسی بندر نما جانور نے۔ اس اعتبار سے خدا کا رسول اور عام آدمی، فرد کافر اور بندۂ مومن، یہودی اور عیسائی، مجوسی اور ہندو، سکھ اور پارسی، سب کے سب ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں۔ اس بظاہر خوش آئند معیار کا منطقی اور لازمی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو ان کے بلند مقام و منصب سے گرا کر عام فرد بشر کی سطح تک ہی نہیں، بلکہ مقامِ انسانیت سے بھی نیچے پھینک دیا جائے۔

چہ بے خبرز مقام محمد عربی ست

اگر میری صاف گوئی ناگوارِ خاطر نہ ہو تو میں عرض کروں گا کہ ''قرآن اور صرف قرآن کے ساتھ مطابقت'' کا یہ بظاہر خوش آئند اُصول گھڑا ہی اس لئے گیا ہے کہ مغرب کی فکری غلامی میں مبتلا ہو کر جو بات بھی من کو بھا جائے، اسے یہ کہہ کر قبول کر لیا جائے کہ یہ 'مطابق قرآن' ہے۔ چنانچہ اس اُصول (مطابقتِ قرآن) سے دوہرا کام لیا گیا، اوّلاً یہ کہ احادیث رسول سے جان چھڑانے کے لئے 'ردّ و ترک' کی راہ یہ کہہ کر ہموار کی گئی کہ

> ''ہمارے نزدیک، دین کا معیار، فقط کتاب اللہ ہے۔ جو عقیدہ یا تصور اس کے مطابق ہے، وہ صحیح ہے اور جو اس کے مطابق نہیں وہ بلا تامل و تذبذب، غلط اور باطل ہے۔ خواہ اس کی تائید میں ہزاروں حدیثیں بھی ایسی کیوں نہ پیش کر دی جائیں جس کے راویوں میں جبرائیل و میکائیکل تک کا نام بھی شامل کر دیا گیا ہو۔'' ❶

لیکن 'مطابقتِ قرآن' کے اُصول کی آڑ میں تو یہاں صرف 'ردّ و ترک' کی راہ ہی ہموار کی گئی ہے۔ مزید برآں ردّ و ترک سے خواہ وہ فرموداتِ نبیؐ ہی کا ردّ و ترک کیوں نہ ہو، بات نہیں بن سکتی۔ اس کے لئے تو 'اخذ و قبول' کی راہ اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے لئے یہ

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہ یوں ہموار کی گئی:

"ہر معقول بات خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی ہو یا کارل مارکس کی، اگر قرآن کی کسوٹی پر سچی ثابت ہوتی ہے، تو اُسے قبول کرنے میں عار نہ ہونی چاہیے۔" ❶

یہاں، ابوحنیفہ کا نام تو محض وزن برائے بیت کے لئے ہے۔ اصل میں تو کارل مارکس اور دیگر یہودی دانشوروں، عیسائی سکالروں، ملحد فلاسفروں، بے دین علماءِ مغرب سے استفادہ کرنا مقصود ہے۔ اور یہ استفادہ یہ کہہ کر کیا بھی گیا کہ جو فکر، جو خیال، جو قدر، جو اطوار ہم اپنا رہے ہیں وہ 'مطابق قرآن' ہے اور مغرب کی جس چیز کو 'مطابق قرآن' قرار دے کر قبول کرنے کی گنجائش نہ نکل سکی، اسے یہ کہہ کر اپنا لیا کہ "یہ خلافِ قرآن نہیں ہے۔"

تہذیبِ جدید اور تمدنِ مغرب کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی کی اس کیفیت کے ساتھ جب یہ لوگ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو یورپ کی عینک لگا کر۔ ان کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ یورپ کے فلسفہ وفکر کو، سائنسی تحقیقات اور ایجادات کو اور معاشرتی طور طریقوں کو قرآن کی آیات سے ثابت کیا جائے اور اس طرح قرآن کا ایک 'نیا اعجاز' دنیا کو دکھا دیا جائے کہ دیکھو! سائنس کے میدان میں آج یورپ جو کشفِ حقائق کر رہا ہے اور اس کی بنیاد پر جو ایجادات وہ سامنے لا رہا ہے، آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید ان کی طرف اشارے کر چکا ہے اور فلاں آیت سے تو فلاں تحقیقِ جدید صاف طور پر نکل رہی ہے اور ان آیات سے تو آج کے معاشی نظاموں میں سے فلاں معاشی نظام تو بالکل قرآن کے اقتصادی نظام سے متماثل ہے اور ان آیات سے تو واضح طور پر ان بہت سی معاشرتی عادات واطوار کی تائید ہو رہی ہے، جو آج کی ترقی یافتہ اقوام میں موجود ہیں اور معمولی سے چند اُمور کی اگر قرآن تائید نہیں کرتا تو اُنہیں یہ کہہ کر قبول کر لیا جاتا ہے کہ یہ خلافِ قرآن نہیں ہیں۔

قرآن کے نام لیوا یہ غلام فطرت حضرات اگرچہ اپنے آقایانِ مغرب سے سیاسی آزادی پا چکے ہیں لیکن ان کی فکری غلامی اور ذہنی اسیری سے چھٹکارا نہیں پا سکے

❶ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۷۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن تو آزاد ہو چکا ہے دماغ و دل ہے غلام اب بھی
پیئے ہوئے ہیں شرابِ غفلت، یہاں کے خواص و عوام اب بھی

چنانچہ ان لوگوں نے ڈارون کا پورا نظریۂ ارتقا قرآن کے مختلف مقامات کی متفرق آیات کے ٹکڑوں کو جوڑ جاڑ کر معنوی تحریف کے حربوں کے ساتھ قرآن ہی سے برآمد کرلیا ہے، دورِ حاضر کے چلتے ہوئے دو بڑے معاشی نظاموں میں سے کارل مارکس اور لینن کی اشتراکیت کو قرآن کے جعلی پرمٹ پر دَرآمد کرلیا ہے۔ تہذیبِ مغرب کی فاسد معاشرت کے جملہ اطوار واقدار کو بھی یہ کہہ کر اپنایا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ 'مطابق قرآن' ہے۔ مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب، مردوزن کی مطلق مساوات (بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر نظریۂ افضلیت اُناث)، درونِ خانہ فرائض نسواں کی بجائے انہیں بیرونِ خانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا، عورت کو خانگی مستقر سے اُکھاڑ کر اسے مردانہ کارگاہوں کی طرف دھکیل دینا، خانگی زندگی میں عورت کے فطری وظائف سے اسے منحرف کرکے قاضی و جج بلکہ سربراہِ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب کچھ قرآن میں سے نچوڑ ڈالنے کی دانشورانہ سرگرمیاں مغرب کی اندھی تقلید کے منہ بولتے کرشمے ہیں اور یہ سب کچھ کرتے ہی یہ لوگ مطمئن ہوجاتے ہیں کہ قرآنِ کریم دورِ حاضر کی ضروریات کا ساتھ دے رہا ہے، لہٰذا اب اسے 'تاریک دور' کی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لیکن قرآنِ مجید کے یہ نادان دوست ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی یہ دماغ سوزی نہ قرآن کے لئے مفید ہے اور نہ ہی اسلام کے لئے۔ یہ سب کچھ عوامی سطح کے مسلمانوں کے لئے محض دل خوش کن ہو تو ہو، مگر قرآن اور اسلام کی تبلیغی روح کے لئے سخت مضر ہے، اہل نظر اور دانایانِ اسلام کے لئے یہ روش سخت شرمندگی کا باعث ہے، اس لئے کہ ان لوگوں کی ان مقفّٰی اور مسجّع لفاظیوں کو دیکھ کر اہلِ یورپ یہ کہہ سکتے ہیں بلکہ شاید اپنے دلوں میں کہتے بھی ہوں (کیونکہ ایسی باتوں کا برملا اظہار ان کی سیاسی مصلحتوں کے منافی ہوتا ہے) کہ ''اب فلسفہ وسائنس کے یہ حقائق اور دورِ حاضر کا یہ معاشی نظام، نیز ترقی یافتہ اقوام کے یہ معاشرتی اطوار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقدار یہ سب کچھ تمہاری کتاب میں پہلے سے موجود ہے، اور بقول تمہارے اس کتاب میں واضح اشارات موجود ہیں اور تمہارے ہر طبقہ کے لوگ اس کتاب کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ دن رات اس کتاب کو سینوں میں محفوظ کرنے اور تلاوت کرنے میں منہمک رہے ہیں، مگر یہ حقائق تمہارے کسی عالم کو نظر نہ آئے اور ہم لوگ بغیر تمہاری اس کتاب کو پڑھے ان حقائق کو پا گئے ہیں اور ان میں مہارت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ہم نے دن دگنی رات چوگنی ترقی بھی کی ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو اس کتاب کی ضرورت ہو تو ہو، ہمیں تو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کے لئے بھی یہ کتاب بیکار ہی ہے، اس لئے کہ آپ کو بھی جو ہمارے سائنسی حقائق، فلسفیانہ نظریات، اشتراکی نظامِ معیشت اور معاشرتی اصول واقدار اب اس کتاب میں دکھائی دینے لگے ہیں تو وہ بالفعل ہمارے ان چیزوں کو اپنا لینے کے بعد ہی نظر آنے لگے ہیں۔''

یقیناً ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب نے بڑی ہی زحمت کشی اور محنتِ شاقہ کے ساتھ پچاس سالہ 'قرآنی خدمات' کی گولڈن جوبلی پائی مگر اس کا ماحصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ جو کچھ وہ قرآن سے نچوڑ کر پیش کرتے رہے ہیں وہ بغیر کسی 'قرآن' کے اہل مغرب کے ہاں پہلے ہی سے اپنایا جا چکا ہے۔ کبھی مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آیا کرتی تھی کہ ماضی میں کچھ لوگ اسلامی تعلیمات کی موجودگی میں کس طرح بیرونی افکار و نظریات کا شکار ہوئے تھے۔ منکرین حدیث اور خصوصاً پرویز صاحب کا لٹریچر پڑھ کر اب یہ بات بخوبی سمجھ چکا ہوں کہ بیرونی فکر و فلسفہ سے مرعوبانہ حد تک مسخر دل و دماغ کن حیلوں اور حربوں سے کام لے کر اپنے من پسند اصول واقدار اور عادات واطوار کو 'مطابق قرآن' قرار دے کر قبول کیا کرتے ہیں۔

کسی چیز کے 'مطابق قرآن' قرار پانے یا نہ پانے کا فیصلہ ہمارے 'مفکرِ قرآن' کی وہ 'قرآنی بصیرت' کیا کرتی تھی جو سوچ و بچار کے ہر جھونکے کے ساتھ مرغ بادنما کی طرح بدلتی رہتی تھی اور یوں ہر بدلتے ہوئے 'قرآنی مفہوم' کے ساتھ، 'مطابق قرآن' ہونے کا معیار بھی بدل جایا کرتا تھا جس کے نتیجہ میں ایک وقت کے 'قرآنی افکار' دوسرے وقت میں 'غیر قرآنی'

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار پا جاتے تھے، اور بعض اوقات تو یہ فرق کفر و اسلام کا فرق بن جاتا ہے یوں 'مطابقت قرآن' کے لون گرگٹ کی طرح بدلتے ہوئے معیار نے 'مفکرِ قرآن' کے لٹریچر میں تضادات وتناقضات کا وسیع وعریض خارزار پیدا کر دیا۔

......کو 'مطابق قرآن' بنانے کا نعرہ

یہ لاتعداد تناقضات وتضادات جنہیں شاید ضبطِ تحریر میں لانا، اس لئے مشکل ہے کہ......

"سفینہ چاہئے، اس بحرِ بیکراں کے لئے" اُن کی پریشاں خیالی اور ذہنی ابتری پر دلالت کرتے ہیں لیکن وہ ژولیدہ فکری کی اس حد تک پہنچ کر رک نہیں گئے تھے، بلکہ انہوں نے ایک ایسا نعرہ لگایا جسے اگر اُمتِ مسلمہ قبول کرلے تو پورے کا پورا اسلامی سرمایہ (قرآنِ مجید سمیت) اس ژولیدہ فکری کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ دراصل ان کا مقصود ومطلوب بھی تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اس نصب العین کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سب سے پہلے تاریخ کو ہدف بناتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> "قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری غلط تاریخ ہے" ❶

لہٰذا اس غلط تاریخ کو صحیح کرنا بہت ضروری ہے اور اس کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسے 'مطابق قرآن' بنایا جائے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں تاریخ کے علاوہ احادیث، فقہ، تصوف اور لغت الغرض ہر چیز کو 'مطابق قرآن' کر ڈالنے کا اعلان کیا جاتا ہے:

> "سچ پوچھئے تو پوری اسلامی تاریخ نیز فقہ، احادیث، تصوف اور لغت سب پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔" ❷

آخر یہ تبدیلی کس 'مفہومِ قرآن' کے مطابق؟

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پرویز صاحب نے اس قدر متضاد اور متناقض 'قرآنی مفاہیم' پیش کیے ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو اچھا خاصا ضخیم موسوعہ تیار ہو جائے۔ جس

---

❶ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۔ ❷ طلوعِ اسلام، ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'منکرِ قرآن' کی 'قرآنی بصیرت' دو ٹکے کی جنتری کی طرح ہر سال بدل جایا کرتی ہو، اور ہر مقام پر، ایک نیا 'قرآنی مفہوم' پیش کر ڈالتی ہو، تو اُن کے ان متخالف و متضاد 'مفاہیم قرآن' میں سے کس مفہوم کو معیار قرار دے کر کتبِ احادیث اور کتب تواریخ کا ازسرنو جائزہ لیا جائے؟ ایک منکر حدیث سے جب میری اس موضوع پر بحث ہوئی تو میں نے پرویز صاحب کی ابتدائی کتب اور بعد کی کتب سے جب درجن بھر متضاد 'مفاہیم قرآن' اس کے سامنے رکھے اور پھر اس سے پوچھا کہ...... ''آپ کس وقت کے اور کون سے 'مفہومِ قرآن' کو معیار قرار دے کر تاریخ، حدیث وغیرہ کو پرکھنا چاہتے ہیں؟ ایک 'مفہوم قرآن' کی رو سے جسے آپ صحیح قرار دیں گے، وہ پرویز صاحب ہی کے دوسرے مفہوم کے اعتبار سے غلط اور غیر قرآنی ہوگا'' میرے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔'' ہے کوئی جو اس سوال کا جواب دے''!!

پھر تضادات و تناقضات کے اس ذخیرہ میں...... ایک ایسا وقت بھی آیا کہ...... مزید کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔ اس لئے نہیں کہ متفرق قرآنی مفاہیم میں سے کسی ایک مفہوم پر وہ مطمئن ہوگئے ہوں اور انتشارِ فکر کی بجائے، اتحادِ فکر کی منزل پر پہنچ گئے ہوں، بلکہ اس لئے کہ موت نے اُنہیں سطح زمین سے بطن ارض میں منتقل کردیا، ورنہ ہمیں یقین ہے کہ وہ ؎

اگر اور جیتے ہوتے، یہی 'انتشار' ہوتا

مقالہ نگار کا ایک اور سوال

مقالہ نگار، آخر میں ایک سوال اٹھاتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس کی تمہید میں فرماتے ہیں کہ قرآن تبیانا لکل شيء ہے۔ بیان للناس ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر اس کی وضاحت کردی ہے کہ كذلك يبين الله آيته للناس اور اس طرح کی چند اور آیات پیش کرکے سوال کرتے ہیں کہ

''اللہ نے فرما دیا کہ اپنی کتاب کی تبیین خود ہم نے کتاب کے اندر کردی ہے تو پھر کتاب سے باہر مزید کسی تبیین کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبیین کے بعد مزید تبیین کے کیا معنی؟" ❶

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ سب سے پہلے منکرین حدیث کا اپنا طرزِ عمل اس کے منافی ہے یعنی جس کتاب کو وہ مفصّل ، مُبِین ، مُبَیَّن اور تبیان کہتے ہیں، 'اللہ تعالیٰ کی تبیین کے بعد' خود تفسیریں لکھ رہے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ...... "ہم تو قرآن کے ایک مقام کی تفسیر" تصریف آیات کے ذریعہ دوسرے مقام سے کرتے ہیں، لیکن اگر ان کی تفاسیر کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک مقام اور دوسرے مقام کے درمیان جو خلیج رہ جاتی ہے، اسے پُر کرنے کے لئے وہ اپنے ذہن و اجتہاد سے کام لیتے ہیں یعنی ربطِ مضامین اور استنباطِ نتائج میں قرآنی آیات کو اپنے فہم اور سمجھ کے مطابق چلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ برصغیر میں فتنۂ انکار حدیث نے صدیوں بعد جب سے سرسید کے ہاتھوں دوسرا جنم لیا، تب سے اب تک فہم قرآن یا تفسیر قرآن کے حوالہ سے جو کچھ بھی لکھا گیا وہ اس قدر باہم متضاد اور متخالف ہے کہ اس سے منکرین حدیث کے کئی فرقے بن گئے ہیں، حالانکہ سرسید نے ابتدا ، اس دعویٰ سے کی تھی کہ مسلمانوں میں 'قرآن سے باہر' کی تعلیم سے جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، اُنہیں مٹانے کے لئے رجعت الی القرآن ضروری ہے، لیکن ہوا یہ ہے کہ جلد ہی یہ لوگ خود اختلاف سے بالاتر ہوتے ہوئے متحد و متفق ہو کر ایک جماعت بننے کی بجائے، متفرق فرقوں میں بٹ گئے "جن میں قدرِ مشترک ، صرف لفظ 'قرآن' ہے۔" رہا مفہوم قرآن، تو وہ سب کا مختلف ہے۔ ہر فرقہ ، بیّن، مفصّل اور مبین قرآن کو کھینچ تان کر کے اپنے ذہنی تصورات پر منطبق کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ کیا آج لاہور ہی میں بلاغ القرآن والوں اور طلوعِ اسلام والوں کی یہی کیفیت نہیں ہے؟

یہ تو رہی منکرین حدیث کے مختلف فرقوں کی کیفیت ، خود پرویز صاحب کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اس میں مفصل ، مبین، مبین قرآن کی آیات کو فضائے دماغی میں اُٹھنے والی ہر لہر کے ساتھ اپنے تازہ ترین ذہنی مزعومات پر کھینچ تان کے ذریعہ منطبق کرتے رہے ہیں۔ ان کے

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسیع خارزار تضادات کی آخر اس کے سوا کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اگر مقالہ نگار کے نزدیک ''اللہ کی تبیین کے بعد، مزید کسی تبیین کے کوئی معنی نہیں ہیں تو پھر 'مفکرِ قرآن' صاحب کی یہ 'تفسیر مطالب الفرقان'، یہ 'قرآنی فیصلے'، یہ 'قرآنی قوانین'، یہ 'تبویب القرآن'، یہ 'لغات القرآن'، یہ 'مفہوم القرآن' یہ سلسلہ ہائے 'معارف القرآن' وغیرہ کتب، اگر قتل اوقات (Time Killing) کی خاطر بھی نہیں تھی، تو پھر پیٹ کے جہنم کو ایندھن فراہم کرنے کی پیشہ وارانہ ضرورتوں ہی کا تقاضا تھا کہ ؎

روٹی تو کسی طور کما کھائے ہے مچھندر

رہا مقالہ نگار کے سوال کا دوسرا جواب تو اسے ہم جناب پرویز صاحب ہی کے قلم سے پیش کیے دیتے ہیں:

''اُصول و قانون کی کوئی کتاب خواہ کس قدر مفصل و مبین کیوں نہ ہو، اس کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونے اور اس کے حقائق و رموز کی علت و غایت معلوم کرنے کے لئے اس کی تفصیل و تبیین کی ضرورت لابد ہوتی ہے۔ اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ (ابراھیم: رکوع ۱) اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اُس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ ان سے (احکام الٰہیہ) بیان کریں۔

رسول کو اس کی قوم کا ہم زبان بھیجنا، اس پر دلالت کرتا ہے (اور خود قرآن نے اس کی وضاحت کردی ہے) کہ رسول کا فریضہ تبیین احکام بھی ہے، ورنہ اگر مقصودِ محض پیغام پہنچانا ہی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک عجمی شخص پر عربی میں قرآن نازل کردیتا اور اس طرح قرآن کو عربوں تک پہنچا دیتا۔ اس شکل میں مصرحہ صدر آیت میں رسول کی جگہ، رسالت یا کتاب کا لفظ ہونا چاہئے تھا یعنی ''جس قوم پر کوئی کتاب یا پیغام بھیجتے ہیں وہ اسی کی زبان میں بھیجتے ہیں۔'' ❶

---

❶ معارف اپریل ۱۹۳۵ء ص ۲۷۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاصۂ بحث اور اس کا منطقی نتیجہ...... 'اطاعتِ رسولؐ'

ا:......اب تک کی اس طویل بحث سے یہ واضح ہے کہ

ا) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے باوجودیکہ وہ اس پر قادر مطلق تھا، اپنی کتاب براہِ راست لوگوں تک نہیں پہنچائی۔

ب) خالق کائنات نے اپنے بندوں تک اپنی کتابِ ہدایت پہنچانے کے لئے کسی فرشتے کو بھی ذریعہ نہیں بنایا۔

ج) جس انسانی آبادی کو دعوتِ خداوندی کا اوّلین مخاطب بنتا تھا اسی میں سے ایک بشر رسول کے ذریعہ کتاب پہنچائی۔

د) پھر رسول اور کتاب کی زبان بھی وہی تھی جو دعوتِ خداوندی کے اوّلین مخاطبین کی تھی۔

ھ) کتاب، خود اپنے بھیجنے والے کی نگاہ میں تبیین رسولؐ کی محتاج رہی ہے اور رسول، کتاب کا مامور من اللہ شارح اور ترجمان رہا ہے۔

ان پانچوں باتوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت انسانوں کی راہنمائی کے لئے کسی فرشتے کی بجائے انسان ہی کو رسول بنایا اور اسے کتاب دے کر اس قوم کی طرف بھیجا جو رسول کی ہم زبان تھی تاکہ وہ رسول، خالق کائنات کا نمائندہ مجاز ہونے کی حیثیت سے، اس کتاب کی جو توضیح و تشریح ان کے سامنے پیش کرے وہ ہم زبان ہونے کی بنا پر خوب سمجھ جائیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہے کہ تنہا زبان کی واقفیت، فہم کتاب اللہ کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ رسولؐ کی وضاحت اس کے ساتھ نہ ہو۔

کتاب لے کر، تشریح پیغمبر کو نہ لینا، نہ صرف یہ کہ تعلیم بلا عمل، کتاب بلا پیغمبر اور قرآن بلا محمدؐ کے نرالے مسلک کو اختیار کرنا، بلکہ اس منصبِ رسالت کی تکذیب کرنا بھی ہے جس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ رسول کتاب کی تشریح و تفسیر اور تبیین و توضیح کرے۔ اس کا انکار نفس رسالت ہی کا انکار ہے!!

۲:......کتاب اللہ کے ساتھ، حضرت محمد ﷺ کا تعلق دو طرح کا ہی ممکن ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولاً :...... یہ کہ کتاب آپ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہو اور آپ بحیثیتِ رسول اس کتاب کی تبیین کے ذمہ دار ہوں۔ ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعلق کی یہی نوعیت ہے۔

ثانیاً :...... یہ کہ کتاب آپؐ کی تصنیف ہو اور آپؐ خود اس کتاب کے مصنف ہوں۔ کتاب اللہ کے ساتھ آپؐ کے اس تعلق کے قائل کفارِ عرب تھے۔ تاہم اگر کتاب اللہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا تعلق، تصنیف اور مصنف کا تعلق ہی مانا جائے تب بھی اس تبیین و تفسیر کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں جو خود مصنف نے پیش کی ہے۔ خود مصنف کی اپنی تشریح کو چھوڑ کر کسی کا اپنی توضیح پیش کرنا یا کسی تیسرے فرد کی تبیین کو تبیینِ مصنف کے مقابلے میں قبول کرنا انتہائی نامعقول طرزِ عمل ہے۔

۳:...... قرآن کریم کی رو سے حضورِ اکرم ﷺ اُسوۂ حسنہ بھی ہیں، مگر ہر طرح کے تمام انسانوں کے لئے نہیں بلکہ صرف ان افراد کے لئے "جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتے ہیں اور یادِ خداوندی کو بکثرت مستحضر رکھتے ہیں۔" ﴿لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اس آیت کی وضاحت میں خود پرویز صاحب لکھتے ہیں:

> "یہ آیت آپ اپنی تفسیر ہے یعنی ایک شخص جو خدا سے بہت ڈرتا ہے اور اسے یقین ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں کیا جاتا ہے، ایک دن خدا کے حضور پہنچ کر اس کی جوابدہی ضرور ہوگی۔ اب جس شخص کا یہ ایمان و یقین ہو لامحالہ وہ یہی چاہتا ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ کون سی شاہراہِ حقیقت ہے جس پر گامزن ہو کر وہ اس منزلِ مقصود کو پالے گا اور ادھر ادھر ضال و مغضوب (ذلیل و خوار) نہیں ہوتا پھرے گا۔ اس لئے فرمایا کہ تردّد کی کیا ضرورت ہے، رسولؐ کی زندگی کا نمونہ سامنے ہے، اس ہادیٔ صراطِ مستقیم کے نقوشِ قدم موجود ہیں۔ بلا خوف و خطر ان نشانوں پر چلتے جاؤ، کسی قسم کا بھی خوف و خطر نہ ہوگا۔" ❶

❶ معارف اپریل ۱۹۳۵ء ص ۲۷۹ تا ۲۸۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴:...... قرآن نے جگہ جگہ اطاعتِ رسول کا حکم دیا ہے۔ منکرین حدیث، رسول کی حیثیت ایک ڈاکیئے سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ وہ حیثیتِ رسالت کو صرف 'پیغام پہنچا دینے' کی حد تک محدود جانتے ہیں، حالانکہ تبلیغ رسالت ایک الگ فریضہ ہے اور اطاعت رسولؐ ایک الگ چیز ہے۔ تبلیغ رسالت (اور تبلیغ قرآن میں) اطاعتِ رسول کا حکم بھی شامل ہے۔ یہ اطاعت رسول، منکرین حدیث کے لئے بہت بڑی وجہ پریشانی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اطاعت رسول کا معنی، اطاعتِ خداوندی ہی ہے جس کی عملی شکل کتاب اللہ کی پیروی ہے۔ لیکن یہ بات پھران کے لئے دردِ سر بن جاتی ہے کہ قرآنِ کریم میں اتباعِ قرآن کا الگ ذکر ہے اور اطاعتِ رسول کا الگ حکم ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ قرآنِ مجید کو کہیں بھی اُسوۂ حسنہ نہیں کہا گیا، جبکہ رسول اللہ (کی زندگی) میں اہل مسلمان کے لئے بہترین اُسوہ کا ذکر کیا گیا ہے لیکن منکرین حدیث یہاں دلیل کی بجائے، ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے باصرار یہ کہے چلے جاتے ہیں کہ رسول کی اطاعت، اصلاً اللہ ہی کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت کی عملی صورت صرف یہ ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کی جائے۔ یوں یہ لوگ اللہ کی اطاعت کی عملی صورت میں، اطاعتِ رسولؐ کی اس کڑی کو خارج کردیتے ہیں جس کی وساطت سے کتاب اللہ، اہل ایمان کو ملی ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب فرماتے ہیں:

> ''اطاعت اور حکومت صرف خدا کی ہوسکتی ہے، کسی انسان کی نہیں۔ لیکن خدا تو ہمارے سامنے (محسوس شکل میں) نہیں ہوتا، ہم اس کے احکام کو براہِ راست سن نہیں سکتے، اس لئے اس کی اطاعت کس طرح کی جائے؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ یہ اطاعت اس کی کتاب کی مدد سے کی جائے، جسے اس نے نازل کیا ہے۔'' ❶

یہی منکرین حدیث کی وہ اصل گمراہی ہے جس پر وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بات کہاں فرمائی ہے کہ: ''اس کی اطاعت،

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۶ء، ص ۱۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کی مدد سے کی جائے جسے اس نے نازل کیا ہے۔" کیا قرآن نے کہیں بھی یہ کہا ہے کہ من يتبع القرآن فقد أطاع الله "جس نے کتاب اللہ کی پیروی کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔" آخر خود سوچئے کہ یہ خداوند قدوس اور اس کی کتاب پر بہتان تراشی ہے یا مزاج شناسی اُلوہیت؟ اس کے برعکس قرآن میں یہ مذکور ہے کہ ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی" اور یہ بھی قرآن میں مذکور ہے کہ ایمان کا تقاضا بھی اور نتیجہ بھی، اللہ سے گہری محبت کا ہونا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ "ایمان والوں کی محبت، سب سے زیادہ اللہ سے ہوتی ہے" اور پھر یہ بھی قرآن میں مذکور ہے کہ محبتِ الٰہیہ کا تقاضا اتباعِ رسول ہے۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾

(آل عمران: ۳۱)

"(اے نبی!) فرما دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر ڈالے گا۔"

اور یہ قاعدہ کلیہ بھی، قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: ٦۴)

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، وہ اس لئے بھیجا ہے کہ باذن اللہ اس (رسول) کی اطاعت کی جائے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اطاعتوں کے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اور کتاب اللہ کے درمیان، اطاعتِ رسول ﷺ کی کڑی کو خارج کر ڈالنا اور یہ سمجھنا کہ اطاعتِ رسول کے بغیر بھی کتاب اللہ کی پیروی ممکن ہے، قطعی محال ہے، ایسے لوگوں کو پاداش عمل سے ڈرنا چاہئے!!

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (النور: ٦۳)

"پس ڈرنا چاہئے ان لوگوں کو جو اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات سے کہ ان پر کوئی فتنہ یا دردناک عذاب ٹوٹ پڑے۔"

اور اس لئے کہ اطاعتِ رسول سے دست کش ہونا اپنے اعمال کو برباد کر دینا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۳)

"اے اہل ایمان! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ بناؤ"

اس بحث کو مختصر کرتے ہوئے، آخر میں، جناب پرویز صاحب ہی کا ایک اقتباس نذرِ قارئین کر رہا ہوں:

"اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں کتبِ سماوی اور حضرات انبیا کرام کی تشریف آوری کا سلسلہ اس غرض و غایت کے لئے ہے کہ دنیا میں انسان خدا کا فرماں بردار بن کر جیے۔ گویا انسانی زندگی کا مقصود بالذات 'اطاعتِ خداوندی' ہی ہے، لیکن چونکہ خدا ہر ایک کے سامنے نہیں آتا، نہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے۔ اس لئے انسانوں کو پتہ کیسے چلے کہ کس کام میں اس کی اطاعت ہے اور کس میں معصیت۔ اس کے لئے اس نے اپنے پیغامات علی التواتر دنیا میں بھیجے اور ان پر کاربند ہونے کا حکم فرمایا، تو گویا کتابوں پر عمل پیرا ہونا درحقیقت اطاعتِ خدا ہی تھا لیکن جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے، کتاب بلاتعمیل یہ واضح نہیں کر سکتی کہ اس کے احکام پر کس شکل اور کس نوعیت سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ اس لئے انسانوں میں رسول منتخب کئے گئے تاکہ وہ ان احکام پر خود عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے ایک اُسوہ قائم کریں، لہٰذا حکم دیا گیا کہ رسول کی اطاعت کرو۔ مقصودِ آخری یا منتہیٰ اگرچہ اطاعتِ خدا ہی تھا، لیکن بجائے اس کے کہ اس اطاعت کی شکل ہر ایک کی اپنی مرضی یا زیادہ سے زیادہ فہم و ادراک پر چھوڑا جاتا، حکم دے دیا کہ اپنی رائے کو دخل نہ دو، بلکہ جس طرح سے یہ رسول کر کے دکھاتا ہے یا کرنے کا حکم دیتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے مطابق کرتے جاؤ، یہی اطاعت خدا ہو جائے گی: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (۴/۸۰) ''جس نے رسول کا حکم مانا اس نے گویا خدا کی اطاعت کی۔''

چنانچہ انبیاءِ سابقین کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی اپنی قوم کو خدا کی اطاعت کا جو سبق دیا تو انہی الفاظ میں کہ ہماری یعنی رسولوں کی اطاعت کرو۔ سورۃ الشعراء میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ سے یہ الفاظ مذکور ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ ''اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو۔''

بعینہٖ یہی الفاظ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی زبان سے، اسی جگہ مذکور ہیں، چنانچہ اسی حقیقتِ عظمیٰ کو قرآن نے اجتماعی طور پر بطورِ حصر، ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

گویا رسول کی اطاعت، خدا کے حکم سے ہے، لیکن اطاعت اس کی ضرور ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ حکم دیا ہے کہ ﴿اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ (اعراف:۱۰۸) ''اُس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔''

اور کہیں نجات و سعادت کو اتباع رسول عربی کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری قوم میں سے ہماری رحمت ان کے ساتھ ہوگی: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (اعراف:۱۵۷)

''جو اتباع کریں گے اس رسول و نبی اُمی کا جس کا ذکر یہ لوگ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ (نعوذ باللہ) ان احکام میں تضاد ہے کہ کہیں وحی کے حکم کا اتباع ہے اور کہیں رسول کے اتباع کا۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ رسول کا اتباع ہی وحی کا اتباع ہے کیونکہ رسول کو خود حکم دیا گیا ہے کہ ﴿وَاتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (احزاب:۲) ''اور جو تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر وحی کی جاتی ہے، اس کا اتباع کرو۔''

لہٰذا ان احکام کی موجودگی میں اب یہ کسی کی اپنی مرضی ومنشا کے ماتحت نہ رہا کہ جس طرح جی چاہے قرآن کا اتباع کر لے بلکہ قرآن کا اتباع ہو ہی اس شکل میں سکتا ہے جس شکل میں رسول نے کیا یا کرنے کا حکم دیا۔''❶

قدرے اور آگے چل کر پرویز صاحب لکھتے ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کے مجسمہ تعمیل قرآن اور اُسوۂ حسنہ کی حیثیت سے یوں استدلال کرتے ہیں:

''چونکہ اس تعمیل اور نمونہ کے بغیر خدا کی اطاعت ممکن نہ تھی، اس لئے جہاں قرآنِ کریم میں ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ﴾ آیا ہے، اس کے ساتھ ہی ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ بھی آیا ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی اکیلا ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ﴾ نہیں آیا اور چونکہ ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ میں اطاعت خداوندی خود بخود آ جاتی ہے، اس لئے خالی ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ قرآن میں بعض جگہ آیا ہے، مثلاً ﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (نور:۵۶) ''رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' اور جہاں جہاں ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ آیا ہے، وہاں درحقیقت ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ﴾ سے مراد اطاعت رسول ہی ہے۔''❷

منکرین حدیث اور ان کے 'بابا جی' اطاعتِ رسول کے ضمن میں جس طرح مختلف مواقع پر متضاد موقف اختیار کرتے رہے ہیں۔ اسی ضمن میں ایک مثال یہ بھی ہے کہ دورِ ماضی میں جن آیات میں 'اللہ ورسول' کے بعد واحد کی ضمیریں آئی ہیں ان سے مراد وہ 'مرکزِ ملت' نہیں

---

❶ معارف اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۲۸۰ تا ۲۸۲۔ ❷ معارف اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۲۸۲ تا ۲۸۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیا کرتے تھے، بلکہ ان واحد کی ضمیروں کا مرجع، ذاتِ رسول ہی کو قرار دیا جاتا تھا۔مثلاً ﴿أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ (۸؍۲۰) ﴿إِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (۸؍۲۴) اورسورۃ النور کی یہ آیت ﴿قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ.... وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ﴾ (۲۴؍۵۴) وغیرہ

ملاحظہ فرمایئے، ان آیات میں مذکور انہی واحد کی ضمیروں کے بارے میں پرویز صاحب کیا فرمایا کرتے تھے:

''آیت نمبر۱ میں عنہ کی ضمیر واحد غائب، نمبر۲ میں دعاکم اور نمبر۳ میں تطیعوہ کے اضمارِ واحد سے، جن کا مرجع رسول ہے، عیاں ہے کہ رسول کی اتباع کا حکم ہے اور اس کی آواز پر حاضر ہونے کی تائید ہے اور اُس سے روگردانی سے منع کیا گیا ہے، پس اطاعتِ رسول عین اطاعتِ خدا ہے: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾'' ❶

یہ اقتباسات، منکرین حدیث کے خلاف لکھے جانے والے اس مقالے سے مقتبس ہیں جو اس دور میں پرویز صاحب نے لکھا، جب وہ ذہناً اور قلباً حدیثِ نبوی اور سنتِ رسولؐ سے منحرف ہو چکے تھے لیکن مسلم عوام اور علماءِ کرام میں مقبولیت (Popularity) پا لینے کے لئے وہ اپنے قلم سے ان ہی خیالات کو پیش کرنے پر مجبور تھے جو عامۃ الناس میں اور علماء کرام میں سلفاً و خلفاً مقبول تھے۔ ان خیالات کے اظہار کی غرض و غایت خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ خیالات بہر حال درست، صحیح، مطابق قرآن اور موافق اسلام تھے، لیکن جب بعد میں اُنہوں نے اُلٹی زقند لگاتے ہوئے اپنے ان افکار و نظریات کو برملا بیان کرنا شروع کر دیا جنہیں وہ مصلحتاً اپنے دل و دماغ میں مخفی رکھے ہوئے تھے تو خود اپنے بقول پرویز صاحب کی پوزیشن بالکل وہی ہو گئی جو مرزا غلام احمد قادیانی کی پوزیشن، عقیدہ اجراءِ نبوت کے اعلان کے بعد ہو گئی تھی۔

مندرجہ بالا اقتباساتِ پرویز میں اطاعتِ رسول کے حوالہ سے مندرجہ ذیل جملوں پر

---

❶ معارف اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۲۸۳ تا ۲۸۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوبارہ غور فرمائیے:

۱۔ جس طرح سے یہ رسول کر کے دکھاتا ہے یا کرنے کا حکم دیتا ہے، اس کے مطابق کرتے جاؤ۔ یہی اطاعت خدا ہو جائے گی!!

۲۔ اصل یہ ہے کہ رسول کا اتباع ہی قرآن کا اتباع ہے۔

۳۔ قرآن کا اتباع ہو ہی اس شکل میں سکتا ہے کہ جس شکل میں رسول نے کیا یا کرنے کا حکم دیا

۴۔ چونکہ ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ میں اطاعتِ خداوندی خود بخود آ جاتی ہے، اس لئے ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ قرآن میں بعض جگہ آیا ہے۔

۵۔ پس اطاعتِ رسول، عین اطاعت خدا ہے۔

لیکن بعد میں اس بنیادی مسئلہ میں پرویز صاحب نے قلابازی لگائی تو پھر ان کا تکیہ کلام ہی یہ بن گیا کہ ..... ''رسول کی اطاعت بھی کتاب کی پیروی کے ذریعہ ہوگی'' الفاظ کے تفاوت کے ساتھ اس بدلے ہوئے موقف کو بار بار دہرایا گیا۔ قبل از تقسیم برصغیر، قرآن اور سنت رسول، دونوں ہی اسلام کے ستون تھے اور اُسوۂ رسول، قرآن سے باہر (احادیث میں بھی موجود تھا اور کتاب و سنت یا قرآن و اُسوۂ رسول دونوں ہی اساس اسلام اور ماخذ احکام ومسائل تھے اور قرآن کی طرح اُسوۂ رسول کے احکام بھی ناقابل تغیر وتبدل تھے۔

> ''یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام دو قسم پر مبنی ہیں ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، ان کے لئے قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ موجود ہے...'' [1]

لیکن پاکستان بنتے ہی آفتابِ آزادی کے ساتھ جو طلوعِ اسلام ہوا تو اس میں سنت رسول اور اُسوۂ نبی، ماخذِ مسائل نہ رہے۔ ان کی دینی حیثیت ختم ہوگئی اور اُسوہ، قرآن سے الگ کوئی چیز نہ رہا بلکہ محصور فی القرآن قرار پایا اور اسی طرح سنت بھی صرف قرآن ہی میں

[1] طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۴۰ء، ص ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدود ٹھہری، یوں کتاب وسنت سے مراد صرف کتاب ہی ہوگئی:

ا۔ ''سنت بھی کتاب کے اندر ہے، باہر نہیں ہے۔'' ❶

۲۔ ''کتاب وسنت سے مراد، اللہ کی کتاب ہے جس کی اتباع رسول اللہ نے فرمائی۔'' ❷

اُسوۂ رسول اور سنتِ رسولﷺ سے یوں یہ کہہ کر جان چھڑالی گئی کہ ''اُسوہ اور سنت سب کچھ قرآن ہی ہیں'' اور مغربی معاشرت کے جملہ عادات واطوار اور اشتراکیت کا پورا نظام اور فرنگی تہذیب کا ہر فکر اور فلسفہ جو من پسند ٹھہرا، اسے یہ کہہ کر قبول کرلیا کہ ''یہ مطابق قرآن ہے۔'' اور یوں اللہ تعالیٰ کے دین کی تکمیل ہوئی۔ فطوبیٰ لکم علی ما أکمل پرویز دینکم!

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۱۶ اور ۲۱۔

❷ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۱۶ اور ۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'طلوعِ اسلام' کی خدمتِ عالیہ میں

(مطبوعہ در ماہنامہ محدث، مئی ۲۰۰۶ء)

وحی صرف قرآن ہی میں ہے یا قرآن کے علاوہ بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آیا کرتی تھی؟ اس پر علماءِ کرام نے قرآن کریم کی روشنی میں بہت کچھ لکھا ہے، لیکن منکرین حدیث کے ہم نواؤں میں سے ایک مولوی صاحب، جو فاضل درسِ نظامی بھی ہیں، فرماتے ہیں:

''لیکن جو اصل موضوع ہے، اور سب منکرین حدیث کا اصل الاصول اور عروۃ الوثقیٰ ہے کہ حدیث وحی نہیں ہے اور 'وحی صرف قرآن میں ہے۔' اس موضوع پر کچھ تحریر کرنے سے ہمارے علماءِ کرام ہمیشہ بچتے رہے اور اجتناب کرتے رہے ہیں۔'' ❶

''ہمارے علماءِ کرام، حدیث کو وحی ثابت کرنے کے لئے مضمون تحریر کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ تا حال کسی کتاب ؍ رسالہ یا 'محدث' میں ایسا مضمون نہیں تحریر کیا گیا جس میں حدیث کو وحی خفی ثابت کیا گیا ہو۔'' ❷

اس صریح کذب اور واضح جھوٹ کا پردہ چاک کرتے ہوئے، میں نے یہ لکھا تھا کہ

''مقالہ نگار، اگر واقعی اس مسئلہ کی کھوج کرید میں مخلص ہوتے، تو ان کی رسائی اُس قلمی مناظرے تک ضرور ہو جاتی جو طلوعِ اسلام کی فکر سے وابستہ ایک فرد ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مولانا مودودیؒ کے درمیان واقع ہوا تھا، اور جس کی پوری رُوداد ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۶۱ء میں اور بعد ازاں 'سنت کی آئینی حیثیت' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی تھی۔ اس قلمی مناظرہ میں منکرین حدیث کے جملہ دلائل کا (بالخصوص وحی خفی پر اعتراضات کا) ایسا مسکت، اطمینان بخش

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایمان افروز جواب دیا گیا تھا (اور ہے) جو بہت سی بھٹکتی ہوئی شخصیتوں کے لئے باعثِ ہدایت ثابت ہوا تھا (اور ہے)۔ ❶

ہمارے اس بگڑے ہوئے ماحول میں یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اُسے نباہنے کے لئے اُسے اور کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ یہی حال ہمارے فاضل درسِ نظامی مولوی صاحب کا ہے۔ 'سنت کی آئینی حیثیت' کے بارے میں دانستہ یا نادانستہ دروغ گوئی کرتے ہوئے وہ محولہ بالا قلمی مباحثہ کی بابت لکھتے ہیں:

> ''اس مباحثہ کا موضوع سنت کی آئینی حیثیت تھا۔ اس سارے مباحثہ میں ایک لفظ بھی ... 'حدیث وحی ہے'...... کے موضوع پر نہیں۔'' ❷

اس کذبِ صریح کی پردہ دری کرتے ہوئے، میں نے یہ لکھا تھا کہ

> ''اس مباحثہ میں مولانا (مودودیؒ) محترم نے ڈاکٹر عبدالودود صاحب کے جملہ سوالات واعتراضات کا وافی کافی اور شافی جواب دیا ہے اور منکرین حدیث کے اس نظریہ کی تغلیط کی تھی کہ...... وحی صرف قرآن ہی میں ہے اور خارج از قرآن وحی کا کہیں وجود نہیں ہے۔'' ❸

علاوہ ازیں مدیر محدث نے بھی ماہنامہ محدث کے 'فتنۂ انکار حدیث نمبر' میں شائع شدہ ۷۰۰ مقالات کی فہرست میں، ایسے مقالات کا ذکر کیا تھا جو موضوع زیر بحث سے متعلق تھے، ان کے بارہ میں پھر صریح جھوٹ بولتے ہوئے فاضل درسِ نظامی مولوی صاحب نے جب یہ کہہ کر انکار کیا کہ

> ''جہاں تک...... انکارِ حدیث نمبر میں اس موضوع پر شائع ہونے والے ۷۰۰ کے لگ بھگ مقالات کی فہرست کے متعلق تحریر فرمایا ہے تو نہایت حیرت واستعجاب کی بات ہے کہ ان ۷۰۰ مقالات میں سے ایک مقالہ بھی ...... 'حدیث وحی ہے'

---

❶ محدث، اگست ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۔۳۲۔ ❷ طلوع اسلام، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۔

❸ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

...... کے موضوع پر نہیں ہے۔'' ❶

پھر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق، اس کے متصل بعد ہی فاضل درس نظامی صاحب یہ لکھتے ہیں کہ

''مجھے حیرت ہوتی ہے کہ قاسمی صاحب جیسے لوگ کیسے اس درجہ علمی بددیانتی کا ارتکاب کردیتے ہیں اور کس طرح قارئین کو مغالطہ دیتے ہیں۔ وہ فہرست طبع شدہ موجود ہے اور ہر شخص، وہ پڑھ کر اس علمی بددیانتی (Intellectual Dish-onesty) کی تصدیق کرسکتا ہے۔'' ❷

اس واضح دروغ اور بددیانتی کی قلعی محترم مدیر 'محدث' جناب حافظ حسن مدنی کو یہ کہہ کر کھولنا پڑی کہ

''مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ 'فتنۂ انکار حدیث نمبر' میں شائع ہونے والی فہرست میں ایک مضمون بھی 'حدیث وحی ہے' کے موضوع پر موجود نہیں، صریح غلط بیانی اور بددیانتی ہے جب کہ وہاں انکار حدیث کے ردّ میں مضامین کی طویل فہرست میں حدیث کے وحی ہونے کا ایک مستقل عنوان قائم کرکے اس کے تحت کئی مضامین کی فہرست شائع کی گئی ہے جس میں جید اہل علم اور شیوخ الحدیث کے مضامین بھی شامل ہیں مثلاً (۱) مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مقالہ بعنوان 'حدیث منزل من اللہ ہے!' (۲) مولانا محمد محدث گوندلوی کا مقالہ بعنوان 'اقسام وحی' (۳) مولانا عبدالغفار حسن کا مقالہ 'وحی، نبوت، سنت اور حدیث' (۴) سابق مدیر معاون 'محدث' مولانا اکرام اللہ ساجد کا ۴ قسطوں پر محیط مقالہ 'حدیث رسول ؐ وحی ہے'۔ (۵) غازی عزیز مبارکپوری کا مقالہ 'حدیث نبوی، وحی ہے اور اس کا

❶ طلوع اسلام، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۔

❷ طلوع اسلام، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منکر کافر ہے۔'' ❶

رہا سنت کی آئینی حیثیت کے بارے میں، فاضل درس نظامی مولوی صاحب کا یہ (شعوری یا غیر شعوری) کذب کہ اس مباحثہ میں ایک لفظ بھی 'حدیث وحی ہے' کے موضوع پر نہیں ہے، تو اس دروغ کے ڈھول کا پول بھی، خود میں نے مولانا مودودیؒ کی مذکورہ کتاب میں سے سترہ عنوانات پیش کر کے کھول دیا تھا، جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

''(۱) کیا حضورؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی؟ (۲) ما أنزل اللّٰه سے کیا مراد ہے؟ صرف قرآنی وحی یا خارج از قرآن، وحی بھی؟ (۳) وحی سے کیا مراد ہے؟ (۴) از روئے قرآن وحی کی اقسام کیا ہیں؟ (۵) کیا وحی غیر متلو بھی جبریل ہی لاتے تھے؟ (۶) وحی غیر متلو پر ایمان، ایمان بالرسول کا جز ہے۔ (۷) کیا وحی خواب کی صورت میں بھی ہوتی ہے؟ (۸) وحی بلا الفاظ کی حقیقت و نوعیت؟ (۹) وحی متلو اور غیر متلو کا فرق (۱۰) کیا وحی صرف قرآن تک ہی محدود ہے؟'' ❷

ان ساری نگارشات اور جملہ حوالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے جب فاضل درس نظامی مولوی صاحب نے پھر یہ مطالبہ بطور تحدی پیش کیا کہ

''پروفیسر (مولوی) محمد دین قاسمی اور ان کی معرفت تمام علماء اسلام کو تحدی (Challenge) کرتا ہوں کہ وہ اس موضوع پر کوئی جامع و مبسوط مضمون تحریر فرمائیں: وإن لم تفعلوا ولن تفعلوا'' ❸

اس تحدی پر جواباً میں نے یہ لکھا تھا کہ

''اب اس فاضل درسِ نظامی مولوی صاحب کو یہ کون سمجھائے کہ خدائی لب و لہجے میں دیے جانے والے اس چیلنج سے بہت پہلے سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ 'جامع و مبسوط مضمون' کیا بلکہ منکرین حدیث کے جملہ اعتراضات و اشکالات کا مفصل

❶ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۵۵۔ ❷ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۵۷۔

❸ طلوع اسلام، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب 'ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۶۱ء' کے شمارہ میں اور 'سنت کی آئینی حیثیت' نامی کتاب کے ۲۹۲ صفحات پر پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ اس قلمی مباحثہ نے منکرین حدیث کے غبارۂ استدلال کی ساری ہوا نکال دی تھی، اس لئے اپنے حلقہ کے لوگوں میں اس غبارے کو ہوا سے بھرا ہوا ظاہر کرنے کے لئے بار بار یہ لوگ اپنے اس پراپیگنڈے کو دہراتے چلے جاتے ہیں کہ 'علماء کرام اس موضوع پر لکھنے سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔'' تاکہ طلوعِ اسلام کے قارئین کو اپنے اس یکطرفہ یلغاری پراپیگنڈے کے خول میں بند رکھا جائے اور ان تک اپنے مخالفین کے روشن موقف کی کوئی کرن نہ پہنچنے پائے، اسی لئے اس پورے قلمی مباحثہ کو من وعن طلوع اسلام میں شائع نہیں کیا گیا (حالانکہ منکرین حدیث کے مباحث ڈاکٹر عبدالودود صاحب اس کی اشاعت کا وعدہ کر چکے تھے)۔'' ❶

زیر بحث موضوع پر میری طرف سے حوالہ شدہ مولانا مودودیؒ کی نگارشات کو اور مدیر محدث جناب حسن مدنی صاحب کے بیان کردہ اُن مضامین و مقالات کو (جن کی فہرست 'فتنۂ انکار حدیث نمبر' میں موجود ہے) نظر انداز کرتے ہوئے، بلکہ ان کے متعلق یہ صریح جھوٹ بولتے ہوئے کہ...... ان میں ایک لفظ بھی 'حدیث وحی ہے' کے موضوع پر نہیں ہے ...... فاضل درسِ نظامی، مولوی صاحب نے جب از سرنو چیلنج پیش کیا تھا تو میں نے عرض کیا تھا کہ مولوی صاحب

''اگر طلوع اسلام میں دوطرفہ مباحث کو بغیر قطع و برید کے صحیح صحیح شائع کرنے کی یقین دہانی (طلوعِ اسلام ہی میں) کرا دیں تو ان کے چیلنج کو قبول کیا جاسکتا ہے۔'' ❷

ہم نے دسمبر ۲۰۰۵ء سے لے کر مارچ ۲۰۰۶ء تک کے طلوعِ اسلام کو مسلسل دیکھا تو ہمیں مایوسی ہوئی کہ اس قسم کی یقین دہانی سے ہر شمارہ خالی تھا۔ اپریل ۲۰۰۶ء کے شمارہ کی

---

❶ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۶۰۔ ❷ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۶۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست میں 'محدث کی خدمتِ عالیہ میں' کا عنوان دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی کہ اس میں یقیناً ہماری مطلوبہ یقین دہانی موجود ہوگی، ع لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ایسی کسی یقین دہانی کا ذکر تک نہ تھا بلکہ ۹ نکات پیش کر کے، یہ مطالبہ داغا گیا کہ ان کا جواب دیا جائے۔ یہ بالکل وہی تکنیک ہے جو ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے مولانا مودودیؒ سے دورانِ مراسلت اختیار کر رکھی تھی کہ مولانا محترم کے دلائل کو نظر انداز کر کے بحث کو بے جا طول دیتے ہوئے ہر خط میں کچھ نئے نکات سامنے لا کر یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ ان کا جواب دیا جائے۔

بندۂ خدا! اگر آپ واقعی 'احقاقِ حق اور ابطالِ باطل' ہی کا مقصد پیشِ نظر رکھتے ہیں تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے (اور فائدہ بھی اسی صورت میں ہے) کہ فریقین کا موقف بلاکم و کاست 'طلوعِ اسلام' اور 'محدث' دونوں میں شائع ہو تا کہ دونوں طرف کے قارئین، جانبین کے موقف کو پڑھ کر کوئی حتمی رائے قائم کر سکیں۔ بلاکم و کاست 'طلوعِ اسلام' میں ہمارے اسی موقف کی اشاعت کی یقین دہانی ہمیں مطلوب ہے۔ کارپردازانِ طلوعِ اسلام کا ایسی یقین دہانی سے گریز یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'احقاقِ حق اور ابطالِ باطل' ان کے پیشِ نظر ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ قلم کے ذریعہ عقلی کشتی اور ذہنی دنگل لڑتے ہوئے قارئین طلوعِ اسلام کو اپنے یک رُخے مطالعہ کے خول میں بند رکھا جائے اور اُن کے ظلمت کدوں میں ہمارے روشن موقف کی کوئی کرن بھی نہ پہنچنے دی جائے۔ تاریکیوں میں پلنے والوں کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے کہ ظلمت کے دبیز پردے ان پر بدستور قائم رہیں، اور ان کا تاریک موقف یکطرفہ طور پر ہی ان کے قارئین تک پہنچتا رہے۔

یہی وجہ ہے کہ ماضی میں طلوعِ اسلام (مولانا مودودیؒ کے دلائل و براہین کو اپنے صفحات میں شائع کرنے کی بجائے) ڈاکٹر عبدالودود صاحب ہی کے موقف کو یکطرفہ طور پر شائع کرتا رہا ہے (حالانکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس پوری مراسلت کی اشاعت کا ابتدا ہی میں وعدہ کر ڈالا تھا، اور پھر وہ یہ وعدہ نبھا نہ سکے) آج پھر طلوعِ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس بحث کو نئے سرے سے چھیڑا جائے لیکن اشاعت کا وعدہ نہ کیا جائے تا کہ ماضی کی طرح 'وعدہ خلافی' کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الزام سے بچا جائے اور ساتھ ہی مطلوبہ یقین دہانی بھی نہ کرائی جائے، تاکہ یہ راہ کھلی رکھی جائے کہ اپنے مخالفین کے مضبوط موقف کو خود اُن کے اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی بجائے اُسے اپنے من مانے مفہوم کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ اسے مکتبِ طلوع اسلام کی کرامت سمجھئے یا پرویز صاحب کا فیضانِ نظر کہ کذب و خیانت کی روش اپنانے میں مولوی صاحب بھی پرویز صاحب کے طابق النعل بالنعل پیروکار ہیں، وہ بھی اپنے پیشوا و مقتدا کی طرح علماء کے موقف کو علماء کے اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی بجائے اپنے خود ساختہ الفاظ میں پیش کرنے کے عادی ہیں، جیسا کہ مئی ۲۰۰۵ء کے شمارۂ طلوع اسلام میں اُنہوں نے نسخ کی حقیقت کو کسی عالم دین کے اصل الفاظ میں درج کرنے کی بجائے تغیر شدہ مفہوم کے ساتھ اپنے من گھڑت الفاظ میں پیش کیا ہے۔ متعلقین طلوع اسلام کی ایسی ہی حرکات کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ

"وابستگانِ طلوعِ اسلام اور اس کے کارپردازوں کے اخلاق و کردار سے یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے مخالف کے موقف کو بلاکم و کاست صحت و دیانتداری کے ساتھ، اپنے رسالہ میں شائع کریں گے، جیسا کہ ماضی کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔" ❶

اب اگر طلوعِ اسلام، بلاکم و کاست، ہمارا موقف اپنے ہاں شائع کرنے سے گریزاں ہے اور اپنے یکطرفہ پراپیگنڈے کے ذریعہ سے اپنے قارئین کو یہی باور کروانا چاہتا ہے کہ علماءِ کرام، قرآنِ کریم کے علاوہ وحی کے اثبات سے عاجز و گریزاں رہے ہیں اور اپنی لاف زنی کے ذریعہ اپنے قارئین کے قلوب و اذہان میں یہی تاثر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ

"ہمارا ملا، طلوعِ اسلام میں پیش کردہ دعوت کا جواب دلائل و براہین سے تو دے نہیں سکتا (اس لئے کہ وہ قرآن کی دعوت ہے، اور ملا بیچارہ قرآنی دعوت سے محروم ہوتا ہے)" ❷

---

❶ محدث، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۶۱۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۵۳ء، ص ۴۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز یہ کہ جو روشِ بد، خود طلوع اسلام نے اپنا رکھی ہے، اُسے اپنے مخالفین کے سر تھوپ کر، اپنے قارئین کو یہ یقین دلایا جائے کہ

''ہمارے خلاف پراپیگنڈہ کرنے والوں کی کیفیت جدا ہے۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ جو کچھ طلوعِ اسلام کہتا ہے، اُسے اُس کے الفاظ میں اس کے قارئین یا سامعین کے سامنے پیش کر کے، اس پر قرآن کریم کی روشنی میں تنقید کریں۔ وہ کرتے یہ ہیں کہ اپنی طرف سے ایک غلط بات وضع کرتے ہیں اور اسے طلوعِ اسلام کی طرف منسوب کر کے گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔'' ❶

تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلوع اسلام اپنی روشِ کذب و خیانت کو اپنائے رکھنے پر بھی مصر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے قارئین کی نگاہوں سے اس کی دروغ گوئی اور خیانت کاری چھپی بھی رہے۔

آخر میں، پھر یہ گزارش ہے کہ اگر واقعی مولوی صاحب (فاضل درسِ نظامی) 'احقاقِ حق اور ابطالِ باطل' کے مقصد میں مخلص اور نیک نیت ہیں، تو انہیں ہماری مطلوبہ یقین دہانی کی طلوعِ اسلام میں اشاعت میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔ جونہی وہ ایسا کریں گے ہم زیر بحث موضوع پر اپنا مفصل مقالہ ارسالِ خدمت کر دیں گے، جو بیک وقت 'محدث' میں بھی اور طلوعِ اسلام میں بھی شائع ہوگا، اسی طرح جواب اور پھر جواب الجواب بھی دونوں مجلّات میں شائع ہوں گے اور جب یہ بحث چل نکلے گی تو مولوی ازہر عباس کے حالیہ ۹ نکات بھی (دیگر نکات کے ساتھ) زیر بحث آ جائیں گے۔

❀❀❀❀

❶ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۷۹ء، ص ۶۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳

غلام احمد پرویز کی 'قرآنی خدمات'

مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نظر میں

(مطبوعہ ماہنامہ محدث، دسمبر ۲۰۰۵ء)

بیماریوں میں خطرناک ترین بیماری وہ ہوتی ہے جس کی علامات عیاں نہ ہوں اور وہ مریض کو صحت مندی کے دھوکے میں مبتلا رکھ کر اُسے آہستہ آہستہ سوئے گور دھکیل رہی ہو۔ رہی وہ بیماری جس کی علامات واضح اور اُجاگر ہوں تو وہ چنداں خطرناک نہیں ہوتی کیونکہ انسان اس کی علامات واضح ہوتے ہی اپنی مدافعانہ کاوشیں شروع کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا مرض جو اپنے آثار و علامات کو مخفی رکھتے ہوئے اندر ہی اندر صحت کی جڑیں کاٹتا رہے، ایسے پُراسرار مرض کے سامنے انسان لاچار اور بے بس ہو کر رہ جاتا ہے!

عداوتوں میں بدترین عداوت وہ ہوتی ہے جو دوستی کے پیرائے میں اختیار کی جائے اور انسان کو پتہ ہی نہ چل پائے کہ اس لباسِ خُلّت میں ملبوس شخصیت اس کی دوست نہیں بلکہ دشمن ہے۔ انسان اپنے کھلے دشمن سے نقصان اُٹھا سکتا ہے مگر دھوکا نہیں کھا سکتا، لیکن اُس دشمن سے جو عداوت کا لباس پہن کر نہیں بلکہ دوستی کا لباس پہن کر آتا ہے اور بابِ عداوت سے نہیں بلکہ پُرخلوص دوستی کے دروازے سے وارد ہوتا ہے، انسان دھوکا بھی کھاتا ہے اور نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔

اپنے آثار کو نمایاں کر دینے والی بیماری کی نسبت، اپنی علامات کو مخفی رکھنے والی بیماری...... اور کھلے دشمن کی کھلی دشمنی کی نسبت، دوستی کے بھیس میں چھپی ہوئی عداوت بدرجہا خطرناک ہوتی ہے۔

کھلے اور چھپے اعداءِ اسلام

ہمارے دشمنوں کی ایک قسم وہ ہے جس کے افراد کھلے بندوں ہمیں ہمارے دین سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برگشتہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہماری تہذیب کے ایسے دشمنوں نے ہمارے دین کے مقابلہ میں ایک ایسا خود ساختہ دین پیش کیا ہے جو خدا پرستی کی بجائے ہوا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کا پورا نقشۂ حیات، ہمارے اسلامی نقشہ حیات کی ضد واقع ہوا ہے، جس میں خیر و شر کی بنیاد، انبیاے معصومین کے مبنی بر وحی ٹھوس علم پر ہونے کی بجائے آزاد فکر فلسفیوں کے ظنی قیاسات پر قائم ہے۔ بدقسمتی سے تقریباً سارا عالمِ اسلام ہمارے دین و تہذیب کے ان کھلے دشمنوں کی سیاسی غلامی میں صدیوں مبتلا رہا ہے۔ عالمِ اسلام کا اگرچہ بیشتر حصہ، اب سیاسی آزادی سے ہم کنار ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک وہ ذہنی غلامی سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔

جن دنوں ہم سیاسی طور پر اسلام دشمن قوتوں کے غلام تھے، ان دنوں سامراج نے ہماری دینی روایات اور تہذیبی نشانات کو بڑے منظم لیکن غیر محسوس طور پر مٹانے کی کوششیں کیں۔ خدا و رسولؐ کی تعلیمات کی بجائے، دہریت کی آغوش میں پلے ہوئے فلاسفہ کے نظریات کو پھیلایا گیا۔ ردّ و قبول اور اَخذ و ترک کے اسلامی پیمانوں کی جگہ جدید تہذیب کی اقدار کو معیار گردانا گیا۔ ملکی قانون کو (جو جس حد تک بھی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ رہ گیا تھا) بدل کر استعماری قانون نافذ کر دیا گیا۔ درسگاہوں میں ہمارے تہذیب و فکر اور تمدنی آثار کی بجائے، استعماری فکر اور مغربی آثارِ مدنیت کو فروغ دیا گیا، تاکہ اُمتِ مسلمہ کا قرآن اور نبیؐ قرآن سے تعلق ٹھوس علمی، عقلی اور ایمانی بنیاد پر قائم رہنے کی بجائے (بشرطیکہ وہ رہ بھی جائے، تو) جذباتی، تقلیدی اور موروثی بنیاد پر قائم ہو جائے۔

یہ سب کچھ ہماری تہذیب اور ہمارے دین کے ان کھلے دشمنوں نے برسرِ عام کیا۔ اُمت مسلمہ چونکہ اپنے ان کھلے دشمنوں اور ان حیلہ جوئیوں سے واقف تھی، اس لئے ان سے فریب خوردہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اُنہوں نے مخلوط سوسائٹی کی ترویج کی مگر ملت اسلامیہ کی غالب اور عظیم اکثریت نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اُنہوں نے بہتیرا شور مچایا کہ قربانی ایک 'وحشی' رسم ہے، مگر اُمت نے اس مَنسک کو برقرار رکھا۔ اُنہوں نے تعلیم کے ذریعہ اپنی فکر کو مسلط کرنے کی کوشش کی مگر ملتِ اسلامیہ کے اکابر نے اس مسموم تعلیم کے اثرات سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے جداگانہ تعلیمی اداروں کا بندوبست کرلیا۔ اُنہوں نے دفتری نظام الاوقات میں نماز کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت نہ رکھا، مگر مسلمانوں نے نماز کو ترک نہ کیا۔ الغرض مسلمانانِ ملت نے اپنے ان کھلے دشمنوں کی ان گمراہ کن چالوں سے اپنے آپ کو محفوظ ومصئون رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اگر ایک مختصر اور حقیر سی اقلیت نے تہذیبِ غالب کا رنگ اختیار کیا بھی تو اس کے اکثر و بیشتر افراد اپنے دلوں میں ندامت وشرمساری محسوس کرتے رہے۔ یہ تھے ہمارے دین کے کھلے دشمن اور یہ تھیں ان کی چالیں اور یہ تھیں وہ دفاعی تدابیر جو مسلمانوں نے ان اعداءِ دین کے خلاف چوکنّے ہو کر اختیار کیں۔

اُن کھلے دشمنانِ دین کے بعد، اب ذرا ان نقاب پوش اعداءِ اسلام کو بھی ملاحظہ فرمایئے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مصلحین کے روپ میں مسلمان معاشرے میں نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی فکر اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جو ہمارے کھلے اعداءِ دین نے پیش کیا ہے۔ ان کے ردّ و قبول اور اخذ وترک کے بنیادی معیار وہی ہیں جو ہمارے کھلے دشمنوں کے ایجاد کردہ ہیں۔ اگر وہ لوگ اپنی لذت پرستانہ مدنیتِ فاسدہ کی بدولت حجابِ نسواں کو جاہلانہ رسم قرار دیتے ہیں تو یہ لوگ قرآن ہاتھ میں لے کر اُمتِ مسلمہ کو یہ باور کرانے میں کوشاں ہیں کہ پردہ ملاؤں کی ایجاد کردہ رسم ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ لوگ اگر قربانی کو 'وحشی رسم' قرار دیتے ہیں تو یہ لوگ بھی، اس میں کوئی 'تجربی فائدہ' اور 'حسی منفعت' نہیں پاتے۔ وہ لوگ اگر اپنی شہوت پرستانہ تہذیب کی بدولت مرد وزن کی مخلوط سوسائٹی کے قائل ہیں تو یہ 'فکرِ اسلامی' اور فقہیا 'قرآنی سندیت' کے علمبردار 'مخلوط سوسائٹی کے وجود' کو قرآن سے کشید کر ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ اگر اپنے دفتری اوقات میں نماز کا وقفہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ لوگ 'معارفِ القرآن' بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد سرے سے یہ نماز ہے ہی نہیں جو مساجد میں پڑھی جاتی ہے، بلکہ اس سے مراد ایک خاص قسم کا نظام قائم کرنا ہے۔

الغرض ہمارے کھلے مگر 'دانا دشمن' ہمیں اسلام سے منقطع کر کے اپنی جاہلانہ تہذیب کی طرف کھلے عام دعوت دیتے ہیں، مگر اسلام کے یہ 'نادان دوست' بھی اگرچہ ہمیں اُسی جاہلیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف بلاتے ہیں، مگر اس فریبِ یقین کے ساتھ کہ یہی جاہلیت دراصل عین اسلام ہے۔ ہمارے کھلے دشمن جب ہم سے اسلام کو ترک کروا کر ہمیں اپنی گمراہ کن معاشرت کی طرف بلاتے ہیں تو وہ ہمیں یہ دھوکہ نہیں دیتے کہ اب تم جس معاشرت کی طرف آ رہے ہو یہی اسلام کی مطلوبہ معاشرت ہے۔ مگر یہ لوگ جب قرآن کے نام پر ہمیں مغربی معاشرت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس فریب کے ساتھ کہ اصل 'قرآنی معاشرت' یہی ہے جس کی طرف ہم تمہیں بلا رہے ہیں۔ وہ لوگ اپنی فکر کو اپنے فلسفیوں اور سماجی مصلحین کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے قبول کرنے کی ہمیں ترغیب دیتے ہیں مگر یہ لوگ اسی فکر کو مغربی مفکرین کے نام پر نہیں بلکہ قرآن اور اسلام کے حوالہ سے اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نتیجتاً اگر ایک مسلمان کھلے اعداءِ دین سے متاثر ہوکر ان کی فکر ونظر کو اپنا لیتا ہے تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہتا کہ وہ اب بھی مسلمان ہے۔ مگر ان حضرات کی تبلیغ کے نتیجہ میں اگر کوئی شخص اسلامی فکر کو ترک کرکے فرنگی فکر کو قبول کرتا ہے تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ بدستور اور حسبِ معمول مسلمان ہے کیونکہ 'فکرِ اسلامی' کے علمبرداروں نے اور اُفقِ پاکستان پر نیا 'طلوعِ اسلام' کرنے والوں نے یہی یقین دلایا ہے۔

ہمارے تعلیم یافتہ مگر سادہ لوح مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اگر کارل مارکس اور اینجلز کے نام سے اُنہیں کمیونزم کی طرف دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت پر کان بھی نہیں دھرتے اور اسے خلافِ اسلام نظام قرار دے کر رد کر دیتے ہیں، لیکن آفتابِ آزادی کے ساتھ ہندوستانی آسمان سے سرکتا ہوا 'طلوعِ اسلام' جب اُفقِ پاکستان پر پہنچتا ہے اور اسی یہودی نظام کو 'قرآنی نظامِ ربوبیت' کے نام سے اسلام ہی کا جدید ایڈیشن قرار دیا جاتا ہے تو وہ سادہ لوح مسلمان جو اس نظام کو کارل مارکس کے نام پر لینے سے گریزاں تھا، اب آمادۂ قبول نظر آتا ہے۔ مغربی مفکرین جن خلافِ اسلام افکار ونظریات کو ہمارے قلوب و اذہان پر مستولی نہ کر پائے، ہمارے غلام فطرت مستغربین انہی افکار ونظریات کو اُمتِ مسلمہ میں رواج دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ صرف فکر اور نظریہ ہی کی حد تک نہیں بلکہ عملاً مدنیت و معاشرت کا پورا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نقشہ بھی یہاں رائج کرنا چاہتے ہیں جو تہذیبِ مغرب کا تشکیل کردہ ہے اور لطف یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ دھوکہ قرآن کے نام پر دیا جارہا ہے۔ یہ لوگ اُٹھتے بیٹھتے نام 'قرآن' کا لیتے ہیں لیکن ہم نوائی ان لوگوں کی کرتے ہیں جو دشمنانِ قرآن اور اعداءِ اسلام ہیں۔

حجیتِ قرآن کا نعرہ

ان لوگوں کو، اپنی اقدار دریا برد کردینے کے لائق نظر آتی ہیں اور مغرب کی ہر قدر قابل قبول دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کے نام پر یہ لوگ جو کچھ بھی کہتے ہیں، وہ قرآن کی نہیں بلکہ غیروں کی بات ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن زاویۂ نگاہ، غیر قرآنی ہوتا ہے۔ کان اگرچہ ان کے اپنے ہیں مگر وہ سنتے، بیگانوں کی ہیں۔ دماغ اگرچہ ان کا سوچتا ضرور ہے، مگر غیروں کی فکر کے زیر اثر رہ کر: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے بڑی بلند آہنگی کے ساتھ 'حجیتِ قرآن' اور 'سندیتِ کتاب اللہ' کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں:

۱...... صحت وسقم کا معیار میزانِ قرآنی ہے، نہ میرا دعویٰ نہ غیر کی تردید۔ اس لئے اگر کوئی میری گذارشات کو باطل ٹھہراتا ہے تو اِسے کہو کہ اس کے لئے قرآن کی بارگاہ سے سند لائے۔ ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ ❶

۲...... کسی بات کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لئے کسی انسان کی سند کافی نہیں ہوسکتی اس کے لئے سند صرف خدا کی کتاب کی ہونی چاہئے۔ ❷

۳...... ہمارے نزدیک سند اور حجت خدا کی کتاب ہے نہ کہ کسی انسان کا قول۔ اس لئے خدا کی کتاب کے خلاف، اگر کوئی شخص اقبال اور جناح کا بھی کوئی قول پیش کرتا ہے تو قرآن کی رو سے وہ سند نہیں ہوسکتا۔ ❸

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۵۲ء، ص ۴۸۔

❷ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۶۰ء، ص ۵۸۔

❸ اصل حوالہ تو سردست میسر نہیں البتہ ''طلوعِ اسلام''، مارچ ۱۹۵۶ء، ص ۳۲ پر واقع عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن عملاً قرآن حجت نہیں!

سندیتِ قرآن اور حجیتِ قرآن کے یہ سب دعوے، محض الفاظ کے پھاگ ہیں جو منہ سے اُڑا دیے جاتے ہیں، عملاً جس چیز کو حجت قرار دیا جاتا ہے، وہ تہذیبِ مغرب کے افکار ونظریات ہیں اور قرآن کی تشریح وتوضیح بدیسی معتقدات ہی کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ اگرچہ ڈھنڈورا یہی پیٹا جاتا ہے کہ ''ہم قرآن کریم کی تفسیر، قرآنِ کریم ہی سے کرتے ہیں۔''

اس کی بہت سی مثالوں میں سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

پہلی مثال (فلسفہ تاریخ اُدیان کے حوالہ سے)

مغرب کے ملحد فلاسفہ اور علم الانسان کے ماہرین کے جس قیاس وخیال کو ہمارے 'مفکر قرآن' نے اپنے شرفِ اعتقاد واعتماد سے نواز رکھا تھا، وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا آغاز روشنی میں نہیں بلکہ تاریکی میں ہوا تھا اور روئے زمین پر سب سے پہلا دین، دین توحید نہیں بلکہ دین شرک تھا۔ مغرب کے اس گمراہ نظریہ پر، ایمان ویقین لانے والے کے لئے بھلا کب ممکن رہتا ہے کہ وہ قرآن کے پیش کردہ حقائق کو تسلیم کرے۔ قرآنِ کریم کی روشنی میں سب سے پہلے انسان کو اللہ کی طرف سے نورِ علم سے سرفراز کیا گیا تھا، تاکہ وہ اپنے افرادِ خانہ اور اولاد واحفاد کو جادۂ ہدایت پر گامزن رکھے، کیونکہ انسان خواہ کسی بھی عصر ومصر سے تعلق رکھتا ہو، اسے راہِ راست کی طرف رہنمائی کرنا خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت کی بنا پر اپنے ذمہ لے رکھا ہے، جیسا کہ خود اس کا فرمان ہے:

﴿وَعَلَى اللهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ﴾ (النحل: ۹)

''اور اللہ ہی کا یہ کام ہے کہ وہ ٹیڑھے راستوں میں سے راہِ راست کی طرف رہنمائی کرے۔''

﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ (اللیل: ۱۲)

''بے شک رہنمائی کرنا، ہمارے ہی ذمہ ہے۔''

قرآنِ کریم کے ان واضح حقائق کو پس پشت ڈال کر مغرب کی ذہنی غلامی کا شکار ہوکر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے 'مفکرِ قرآن' نہ تو سب سے پہلے انسان کو نبی تسلیم کیا کرتے تھے اور نہ ہی ابتدائی اور اوّلین انسانی معاشرہ کو برسر ہدایت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے انکارِ نبوت کی اصل وجہ، دراصل وہ فلسفۂ تاریخ ہے جسے مغرب نے پیش کیا ہے اور جسے پرویز صاحب بادل و جان قبول کر چکے تھے۔ نبوتِ آدمؑ کا اقرار واعتراف، مغربی فلسفہ تاریخ سے میل نہیں کھاتا جبکہ اسلامی فلسفہ تاریخ کی رو سے آدمؑ کی نبوت کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ روئے زمین پر اوّلین انسان کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلۂ رشد وہدایت کا آغاز واجراء، رحمتِ خداوندی کا ویسا ہی ناگزیر تقاضا ہے جیسا انسان کی مادّی ضروریات کو پورا کرنا۔ قرآن کریم کی رو سے تخلیقِ بشر (آدمؑ) کا مقصد ہی زمین میں خلافتِ الٰہیہ کے فرائض انجام دینا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اللہ کی مرضی اور ہدایت پر چلے۔ (اور اس کی ہدایت اور مرضی کا علم، وحی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ اٹل اور ناگزیر امر ہے کہ اوّلین انسان (آدمؑ) کو نبی مانا جائے) اب اگر وہ خدائی رہنمائی سے انحراف کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ خلافت کی بجائے بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے، بلکہ وہ مستحق سزا بھی قرار پاتا ہے۔ یہ سزا دنیا میں ضیق قلب اور آخرت میں دخولِ جہنم کی صورت میں ہوگی۔ لیکن اگر وہ نیابتِ الٰہیہ کے فرائض، مرضاتِ الٰہیہ کے تابع انجام دیتا ہے تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انعامِ خدا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ آدمؑ کو زمین پر بطورِ خلیفہ اُتارتے وقت یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دی تھیں:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳ تا ۱۲۴)

''اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا، تو اس کے لئے دُنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اُسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اندھا اٹھائیں گے۔"

چنانچہ آدمؑ جو ابوالبشر اور ابوالانسان تھے، اسے اُمورِ خلافت کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے نورِ ہدایت سے نوازا اور مقامِ نبوت پر سرفراز فرمایا۔ اس طرح انسانی معاشرہ کی ابتدا کفر وشرک اور الحاد ودہریت کی تاریکیوں میں ہونے کی بجائے توحید و رسالت اور رشد و ہدایت کی روشنی میں ہوئی لیکن 'مفکرِ قرآن' کے قلب و ذہن اور حواس و مشاعر پر جو فلسفہ اپنی مضبوط گرفت قائم کرچکا تھا، اس کی رو سے انسانی معاشرہ کی ابتدا، کفروشرک یا الحاد و دہریت سے ہوئی تھی اور پھر رفتہ رفتہ یہ معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا توحید تک پہنچا، اس طرح بہت بعد میں کہیں جاکر سلسلۂ وحی و رسالت آغاز پذیر ہوا۔ ابتدائی انسانی معاشرہ کے متعلق پرویز صاحب خود لکھتے ہیں:

> "جب انسانی شعور نے پہلے پہلے آنکھ کھولی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب دنیا میں پایا۔ سر پر مسلسل آتش باری کرنے والا عظیم اور مہیب گولا، چاروں طرف بڑے بڑے پہاڑ، اِدھر اُدھر ساحل ناآشنا سمندر، اور اس کی خوفناک تلاطم انگیزیاں، یہاں وہاں کفِ بردہاں اور سیلاب ذر آغوش دریاؤں کی ہلاکت سامانیاں، میلوں تک ڈراؤنے جنگل اور ان میں بڑے بڑے خطرناک درندے اور اژدہے، کبھی بادل کی لرزہ انگیز گرج، کبھی بجلی کی جگر پاش کڑک، کبھی وحشت انگیز آندھی، کبھی بلا خیز جھکڑ، کبھی کوہ آتش فشاں کی مرگِ سیال یلغار، کبھی زلزلے کی تباہ کاریوں کا ہجوم، شش جہات میں اس قسم کی خوفناک بلاؤں کا ازدہام، اور ان کے اندر گھرا ہوا، بے یارومددگار اور بے سروسامان نہتا ابن آدم۔ آپ سوچئے کہ ان حالات میں خارجی کائنات کے متعلق اس کا ردِعمل اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ جو بلا سامنے آئے، اس کے سامنے گڑگڑانا شروع کردے، جہاں کوئی خطرہ دکھائی دے، یہ ماتھا ٹیک دے، اس طرح فطرت کی ہرقوت، اس کا الٰہ، اور یہ ان قوتوں کا پرستار بن گیا۔ چاند، سورج، ستارے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرج، کڑک، بارش، آندھی، آگ، دریا، شیر، سانپ حتیٰ کہ وبائی امراض تک، سب دیوی اور دیوتا تصور کر لئے گئے، اور ان کی بارگاہ میں نذر و نیاز، منت سماجت اور مدح و ستائش سے اُنہیں خوش کرنے اور راضی رکھنے کی تدبیریں اختیار کی جانے لگیں۔'' [1]

علم الانسان کے اس فلسفہ کی رو سے جب انسانی معاشرہ کا آغاز مظاہر فطرت سے مرعوبیت کی بنا پر انہیں دیوتا اور دیویاں ماننے کی صورت میں ہوا تو ظاہر ہے کہ اس فلسفہ کی رُو سے انسان کی ابتدائی زندگی میں نبوت و رسالت اور خدائی رشد و ہدایت کو ماننے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، جسے قرآن، پیدائش آدمؑ کے ساتھ ہی آغاز پذیر قرار دیتا ہے اور ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب چونکہ مغربی فلسفہ و تحقیق سے بری طرح متاثر بلکہ مرعوب تھے اور اہل مغرب کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا وہ ایسی کسی صورتِ حال کے قائل نہیں ہوسکتے تھے جس میں انسانی معاشرہ کی ابتدا نورِ وحی اور ضیائے ہدایت میں ہونا قرار پائے، کیونکہ وحی و ہدایت کا وجود، نبوت و رسالت کے وجود کو مستلزم ہے۔ 'مفکرِ قرآن' کی طرف سے انکارِ نبوتِ آدمؑ کی تہہ میں یہی فلسفہ کارفرما ہے۔ وہ قرآنی حقائق اور جدید تحقیقات میں کہیں تضاد و تناقض پائیں تو ان کا رویہ یہ نہیں ہوتا کہ قرآنی حقائق کو حتمی، قطعی اور یقینی قرار دے کر 'جدید تحقیقات' کو یہ کہہ کر ردّ کر دیں کہ ''یہ تحقیقات ابھی خام ہیں، ممکن ہے مستقبل کے علمی انکشافات اُنہیں ردّ کر کے وہ چیز پیش کر دیں جو مطابق وحی ہو۔'' بلکہ وہ یہ روش اختیار کیا کرتے تھے کہ ''قرآن کے اس مقام کی توضیح ممکن ہے کہ آئندہ کے علمی انکشافات اور آثارِ قدیمہ کے حقائق سے ہو جائے۔''

اس طرح وہ ہمیشہ قرآن پر اُن مغربی تحقیقات کو شرفِ تقدم بخشا کرتے تھے جو اہل مغرب نے پیش کی ہوں۔ پرویز صاحب کے انکارِ نبوتِ آدمؑ میں یہ لم پائی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ پرویز صاحب نے انکارِ نبوتِ آدم کو جس فلسفۂ تاریخ

---

[1] اسلام کیا ہے؟، ص ۱۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کوکھ سے برآمد کیا ہے، اب خود محققین مغرب اسے ردّ کررہے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اپنی اُردو اور انگریزی دونوں تفسیروں میں اس کے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ہم یہاں اُن کی اردو تفسیر (ماجدی) کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کررہے ہیں:

''آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی محققین' حسبِ معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب، شرک یا تعددِ آلہہ تھا۔ شروع شروع میں وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا اور عقیدۂ توحید تک تو نسل انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی و دماغی ارتقا کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآنِ مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کردیا کہ نسلِ انسانی، آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک اور واحد تھی۔ اس میں 'مذہب' اور 'ادیان' کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ أمة واحدة میں جس وحدت کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس میں دینی اور اعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ كانوا على شريعة من الحق (ابن جریر عن ابن عباس) كانوا على الهدى جميعا (ابن جریر عن قتادة) كانوا على دين واحد وهو الإيمان والحق، هذا قول أكثر المحققين (کبیر) صدیوں کی اُلٹ پھیر، قیل و قال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات، انسانیت و اجتماعیات کا (سرچارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین، دینِ توحید تھا۔'' [1]

الغرض ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب، قرآن کی تفسیر، قرآن سے کرنے کی بجائے، علم الانسان اور علم الاثریات کی روشنی میں کیا کرتے تھے، جیسا کہ مندرجہ بالا اقتباس سے عیاں ہے۔

[1] تفسیر ماجدی، زیر آیت کان الناس أمة واحدہ، ص ۸۳، حاشیہ ۷۷۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری مثال (عمر نوحؑ کے حوالے سے)

قرآن کریم کی سندیت و حجیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر غیر قرآنی نظریات کو اپنانا 'مفکر قرآن' صاحب کا عام شیوہ تھا۔ وہ اپنی اُس عقل عیار کو جو فرنگی فکر کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی، قرآن پر حاکم اور قاضی بنا کر، ہر اس چیز کا انکار کرڈالا کرتے تھے جو ان کی عقلی میزان میں پورا نہیں اُترتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل العمری کو قصیر العمری میں بدلنے میں ان کی 'اجتہادی کارگزاری' اس کی واضح مثال ہے۔ قرآن کریم بالفاظِ صریحہ، یہ بیان کرتا ہے کہ

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ (العنکبوت: ۱۴)

''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ پچاس برس کم ایک ہزار برس، ان کے درمیان رہا۔''

قرآنِ کریم کی اس صراحت کے بعد 'مفکر قرآن' صاحب مفہوم آیت کو مسخ و تحریف کا نشانہ بنانے کی خاطر، خواہ مخواہ اور بلاضرورت یہ سوال اٹھاتے ہیں:

''اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت نوحؑ کی عمر ساڑھے نوسو سال تھی؟'' ❶

نہ معلوم یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہوگیا، جب کہ قرآن کریم نے بالفاظِ صریحہ ﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ کہہ کر خود ساڑھے نوسو سال کی عمر بیان کردی ہے اور تو اور خود پرویز صاحب نے بھی، ایک مقام پر اسی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت نوحؑ کی حقیقی عمر یہی بتائی ہے۔

''ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں پچاس برس کم، ہزار سال رہا۔'' ❷

پھر وہ ساڑھے نوسو سال کی عمر کو صرف دوسو سال میں بدل ڈالنے کے لئے، رکیک اور

---

❶ تفسیر مطالب الفرقان، جلد: ۵، صفحہ: ۲۴۷۔

❷ معارف القرآن، جلد: ۲، ص: ۳۷۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر تاویلات پر اُتر آئے اور کبھی یہ کہا کہ

حضرت نوحؑ کی عمر سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں اُن کی تعلیم جاری رہی۔ ❶

اور کبھی تاویلاً قیاس کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے یہ کہا:

''اس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی تعلیم پہلے پچاس سال تو نہایت عمدگی سے جاری رہی لیکن اس کے بعد ان کے متبعین پر سختیوں کا دور شروع ہو گیا جو نو سو سال رہا۔'' ❷

اور کبھی دور کی کوڑی لاتے ہوئے، یہ تاویل (بشرطیکہ اسے تحریف کی بجائے، تاویل کہا بھی جا سکتا ہو) کی۔

''عربی لغت میں سنة کا اطلاق فصل پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں، یعنی چار فصلوں کا ایک سال ہوتا ہے اس اعتبار سے ألف سنة کے معنی ہوں گے: اڑھائی سو سال۔ اور عاماً پورے سال کو کہتے ہیں، اس لئے اگر خمسین عامًا کو (پچاس سال کو) اس میں سے منہا کر دیا جائے تو باقی دو سو سال رہ جاتے ہیں اور اتنی عمر کچھ ایسی مستبعد نہیں۔'' ❸

نو سو پچاس سال کی لمبی عمر کو مستبعد جاننا، یہ ہے وہ ظلم جو خدا کی بیان کردہ صریح اور واضح مدت کی تاویل بلکہ تحریف میں کارفرما ہے۔ 'مفکرِ قرآن' کی یہ 'تحقیق انیق' اپنی پشت پر کوئی عقلی قوت نہیں رکھتی بلکہ یہ محض ظن وتخمین اور قیاس ورائے کا نتیجہ ہے اور یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ خدا کی بیان کردہ عمر کو عقل ماننے سے اِبا کرتی ہے۔ چنانچہ 'مفکرِ قرآن' صاحب قرآنِ کریم کی بیان کردہ صریح اور واضح مدت کے مقابلہ میں اپنی تاویلاتی موشگافیوں کی بنا پر جو تقصیر العمری بیان کرتے ہیں، اسے وہ خود بھی 'قیاسات' قرار دیتے ہیں:

---

❶ مطالب الفرقان: ۵/۲۳۷۔

❷ تفسیر مطالب الفرقان، جلد: ۵، صفحہ: ۲۳۷۔

❸ تفسیر مطالب الفرقان، جلد: ۵، صفحہ: ۲۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ بہرحال قیاسات ہیں۔ تاریخی تحقیقات کسی یقینی نقطہ تک پہنچیں گی تو اس کا حتمی مفہوم سامنے آئے گا۔" ❶

کیا ستم ظریفی ہے کہ فرمانِ خداوندی ﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ سے تو حتمی مفہوم واضح نہیں ہوتا، اس لئے قیاسات اور ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑائے جارہے ہیں اور ساتھ ہی تاریخی تحقیقات کا انتظار ہو رہا ہے کہ وہ آکر قرآن کے ان 'غیر واضح مفاہیم' کو کسی 'حتمی مفہوم' میں بدل ڈالیں گی۔

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است

اور یہ تاریخی تحقیقات کی روشنی میں، قرآنی آیات کے مفہوم کو مرتب کرنے والا وہی 'مفکر قرآن' ہے جو عمر بھر تاریخ کے بارے میں یہ اعلان کرتا رہا کہ

"ہماری باز آفرینی کے لئے طریق کار یہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو قرآن کے معیار پر پرکھ کر دیکھیں جو اس کے مطابق ہو، اُسے حسن سمجھیں جو اس کے خلاف ہو اسے عیب قرار دیں۔" ❷

لیکن خود قرآنی آیات کا مفہوم متعین کرنے کے لئے "تاریخی تحقیقات کے کسی یقینی نقطہ تک پہنچنے" کا انتظار کرتے کرتے، سطح زمین سے بطن ارض میں منتقل ہو گیا۔

اور پھر نو سو پچاس سال کی عمر کو، دو سو سال میں بدل ڈالنے کے لئے 'مفکر قرآن' صاحب کی وہ دماغ سوزی اور جانکاہی قابل داد ہے جس کی بنا پر لغت کی کتابیں کھنگالی جارہی ہیں اور سنۃ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے یہ دور کی کوڑی لائی جارہی ہے کہ سنة سال بھر کی چار فصلوں میں سے ایک فصل کو کہا جاتا ہے اور ألف سنة کہنے کا مطلب 'اڑھائی سو سال' کی مدت بیان کرنا ہے۔ پھر توقع یہ کی جارہی ہے کہ دورِ نزول قرآن کا اَن پڑھ، جاہل اور گنوار بدو ألف سنة إلا خمسين عاما کے الفاظ سن کر خود بخود [(۱۰۰۰÷۴) - ۵۰ = ۲۰۰]

---

❶ حاشیہ مفہوم القرآن، ص: ۹۱۲۔

❷ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۵۹ء، ص ۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال کی حسابی مساوات حل کرنے کی ریاضت کرے گا۔

اگر قرآن کو واقعی یہی دو سو سال کی مدتِ عمر بیان کرنا مقصود ہوتی تو کیا وہ مـــأتین کا لفظ استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ حالانکہ 'دو سو' کے لئے یہ لفظ سورۃ الانفال کی آیت ٦٦ میں مستعمل بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ألف سنة إلا خمسين عــامــا کا معنی [(۱۰۰۰÷۴) -۵۰ = ۲۰۰] سال مراد لیتے ہیں، وہ خواہ زبان سے یہ نہ کہیں، مگر اپنے دل و دماغ میں وہ یہ تصور راسخ کئے بیٹھے ہیں کہ قرآن کی زبان، پہیلیوں کی زبان ہے۔ اس کے 'مصنف' کو نہ تو (معاذ اللہ) مناسب الفاظ کے استعمال پر قدرت تھی اور نہ ہی سلیقہ کلام۔ چنانچہ اب 'مفکر قرآن' صاحب یہ سخن سازیاں، محض اس لئے فرما رہے ہیں کہ جس بات کو خود اللہ میاں قرینے اور سلیقے سے نہیں کہہ سکے، اُسے ذرا بنا سنوار کر پیش کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

مزاجِ پرویز کا ایک بنیادی پہلو

اس بحث کو ختم کرنے سے قبل، مزاج پرویز کے ایک بنیادی پہلو کی نشاندہی ضروری ہے جس کا ظہور وصدور، اکثر و بیشتر مقامات پر بالعموم اور اس مقام پر بالخصوص ہوا ہے۔

پرویز صاحب، اگر واقعی قرآن مجید کو حجت اور سند سمجھتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ ألف سنة إلا خمسين عامًا سے ۹۵۰ سال ہی مراد لیتے۔ پھر جو کوئی بھی اس طویل العمری پر شک وشبہ کا اظہار کرتا تو اُسے ہدایت فرماتے ہیں کہ...... ''وہ علمی انکشافات کا ابھی اور انتظار کرے تاآنکہ قرآن (وحی) کے اس مفہوم کی تصدیق بعد کے انکشافات کردیں'' ...... یہی رویہ ان کے لئے زیبا تھا اور ایک مقام پر خود انہوں نے اسے اختیار بھی کیا تھا، چنانچہ قصہ صاحبِ موسیٰ کے ضمن میں اُنہوں نے یہی ہدایت فرمائی تھی:

> ''عقل انسانی، اپنی محدود معلومات کی بنا پر وحی کے کسی حکم کے خلاف اعتراض کرتی ہے، لیکن جب اس کی معلومات میں اضافہ ہوجاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو کچھ وحی نے کہا تھا، وہ صحیح تھا۔ لہٰذا عقل کے لئے صحیح روش یہی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ وحی کی بات تسلیم کرے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ جب اسے صحیح معلومات حاصل ہو جائیں گی تو وہ خود بخود وحی کی تصدیق کر دیں گی۔" ❶

یہ وہ نصیحت ہے جو وہ دوسروں کو کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کا اپنا طرزِ عمل اس نصیحت کے برعکس یہ ہے کہ وہ اب وحی کی بیان کردہ عمرِ نوح کو عقلاً مستبعد سمجھتے ہیں اور قیاسات کی بنا پر آیات کی رکیک تاویلات پر جت جاتے ہیں، اور قرآنی الفاظ میں عمرِ نوحؑ کے متعلق ایک نیا تصور گھسیڑتے ہیں اور زبانِ حال سے یہ فرماتے ہیں کہ ....

"ان قیاسی مفاہیم کو قبول کرلو، یہاں تک کہ علمی تحقیقات، عمرِ نوحؑ کے کسی قطعی مفہوم کو سامنے لے آئیں، اور پھر قرآن کا بیان کردہ غیر واضح مفہوم، واضح ہو جائے۔" ....

اب ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل صرف وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو قرآنی بیان پر یقین کرنے کی بجائے خارج از قرآن نظریات کے سامنے سجدہ ریز ہو، اور پھر اس کوشش میں جت گیا ہو کہ قرآن کو چھیل چھال کر اپنے دل و دماغ میں رچے بسے خیالات کے مطابق ڈھال دیا جائے ورنہ قرآن مجید پر پختہ اور مستحکم ایمان رکھنے والا کوئی شخص یہ طرزِ عمل کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔

تیسری مثال (قتل ابناءِ بنی اسرائیل)

قرآنِ کریم یہ بیان کرتا ہے کہ فرعون نے سرزمین مصر میں، بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالنے کا ظالمانہ قانون نافذ کر رکھا تھا۔ سورۃ القصص میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿طٰسٓمٓ تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ

---

❶ مفہوم القرآن، ص: ٦٧٩۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هُمْ
وَيَسْتَحْيِي نِسَآءَ هُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ وَنُرِيْدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ٥
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ٥ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى أُمِّ مُوْسٰى أَنْ أَرْضِعِيْهِ فَإِذَا خِفْتِ
عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ
وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص: ۱ تا ۷)

''طٰسٓمٓ: یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں، ہم موسیٰؑ اور فرعون کا حال ٹھیک ٹھیک آپ کو سناتے ہیں، ایسے لوگوں کے (فائدے کے) لئے جو ایمان لائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ دباتا تھا، اس کے بیٹوں کو وہ قتل کرتا تھا اور اس کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں دبا کر رکھے گئے تھے اور اُنہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین پر ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون، ہامان اور اس کے لشکروں کو وہی کچھ دکھا دیں جس کا اُنہیں ڈر تھا۔ ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلا اور جب تمہیں اس کی جان کو خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دے۔ کچھ خوف اور غم نہ کر، ہم اسے واپس تیرے ہی پاس لے آئیں گے اور اسے پیغمبروں میں شامل کریں گے۔''

ان آیات میں ولادتِ موسیٰ سے قبل، فرعون کی اسی ظالمانہ پالیسی کا ذکر ہے جس کے تحت وہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل اور ان کی بچیوں اور عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔ اسی ظالمانہ قانون کے خوف کے باعث، ولادتِ فرزند پر، والدۂ موسیٰ پریشان ہیں، اسی خوف و پریشانی میں اللہ بزرگ و برتر نے اُنہیں وحی کی کہ ''بچے کی جان کا اگر تجھے خوف ہو تو اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سپردِ بحر کر دینا۔" سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۷ میں بھی، ابنائے بنی اسرائیل کو مستقبل قریب میں قتل کرنے کا فرعونی ارادہ مذکور ہے، مگر یہ اسی قانون کے دوسری مرتبہ نفاذ کا ذکر ہے جبکہ پہلی مرتبہ یہی قانون اُس وقت نفاذ پذیر ہوا تھا جبکہ حضرت موسیٰ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ان آیات کے علاوہ بھی ایسی متعدد آیات ہیں جن میں نرینہ اولاد کو قتل کرنے اور بچیوں اور عورتوں کو زندہ رکھنے کا تذکرہ پایا جاتا ہے، مثلاً سورۃ البقرۃ آیت ۴۹، سورۃ الاعراف آیت ۱۴۱ سورۃ ابراہیم آیت ۶ وغیرہ۔

لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب کو فرعون کے ساتھ جو قلبی لگاؤ ہے، اس کی بنا پر وہ اسے اس ظلمِ عظیم سے بری اور بالاتر قرار دیتے ہیں اور قرآنی آیات کو اپنی بدترین تحریفات کا نشانہ بنا کر فرعونی پالیسی کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

"اس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اس قوم کے ان افراد کو جن میں اسے جوہر مردانگی نظر آتے، ذلیل وخوار کر کے، غیر مؤثر بنا دیتا اور جوان جوہروں سے عاری ہوتے اُنہیں اُبھارتا اور آگے بڑھاتا رہتا۔ اسی طرح وہ اس قوم کے اندر ناہمواریاں پیدا کر کے ان کی قوت کو توڑتا چلا جاتا۔" ❶

یہ جناب پرویز صاحب ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ قرآن مجید کو مداری کی ایسی پٹاری بنا کر رکھا کرتے تھے جس میں سے جب اور جیسا چاہا مفہوم برآمد کر لیا۔ قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل کے مفہوم کے تعین میں وہ ہمیشہ یہی رویہ اپناتے رہے، پھر اپنے ان متجددانہ مفاہیم کو اپنی خود ساختہ لغات القرآن سے متعین کر ڈالنے کے بعد بھی وہ قلبی طور پر اس سے غیر مطمئن ہی رہے چنانچہ زیرِ بحث مسئلہ میں، پانی میں مدھانی چلانے کے اس طویل عمل کے بعد یہ لکھتے ہیں:

"قتل یا ذبح ابناء سے یہی مراد ہے، لیکن بہرحال یہ ایک اندازہ ہے جس پر مزید غور کیا جا سکتا ہے۔" ❷

---

❶ مفہوم القرآن، زیر آیت: ۴/۲۸، ص ۸۸۳۔

❷ لغات القرآن، ص ۶۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

"قرآنی شواہد سے قیاس کا رُخ اس طرف جاتا ہے کہ ذبح ابناء اور استحیاء نساء کے الفاظ استعارۃً استعمال ہوئے ہیں۔ "سچ مچ قتل کر دینے" کے معنوں میں نہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے، یہ ہمارا قیاس ہے جس کے دلائل اوپر دیے گئے ہیں۔ اگر ان دلائل کو قوی نہ سمجھا جائے تو ذبح ابناء کو حقیقی معنوں میں لیا جائے گا، یعنی فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو سچ مچ قتل کر دیا کرتا تھا..." ❶

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پرویز صاحب، جس چیز کو 'دلائل' اور 'قرآنی شواہد' کا نام دیا کرتے تھے، وہ دراصل ان کی وہ تحریفات و تلبیسات ہیں جنہیں وہ الفاظِ قرآن سے روحِ قرآن کے خلاف، متنِ قرآن سے عقلی کشتی اور ذہنی دنگل لڑ کر کشید کیا کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ صرف اس لئے کہ ان کا ایمان قرآن کی بجائے مغرب کی تحقیقات پر تھا۔ لہٰذا وہ مجبور تھے کہ قرآن کریم کو چھیل چھال کر 'افکارِ جدیدہ' کے مطابق ڈھال دیں۔ چنانچہ اسی زیرِ بحث مسئلہ میں قتل کا معنیٰ 'جان سے مار ڈالنا' کی بجائے 'جوہرِ مردانگی سے عاری کر کے، ذلیل و خوار کرتے ہوئے غیر مؤثر بنا ڈالنا' وہ صرف اسلئے بیان کیا کرتے تھے کہ

"......اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر پردے اُٹھے ہیں ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دینے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا۔ ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو۔ اس وقت تک صرف تورات میں یہ ملتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مارنے کا حکم دے رکھا تھا۔ (کتاب خروج) لیکن تاریخی نقطہ نگاہ سے، موجودہ تورات کی جو حیثیت ہے وہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔" ❷

---

❶ لغات القرآن، ص: ۶۹۴۔ ❷ لغات القرآن، ص: ۶۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'مفکرِ قرآن' کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری

اقتباسِ بالا نے پرویز صاحب کی مغرب کے سامنے ان کی ذہنی اور فکری اسیری کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآنِ کریم، بالفاظِ صریحہ فرعون کے متعلق یہ کہتا ہے کہ ﴿ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ﴾ (۲۸/۴) یعنی ''وہ ان کے بیٹوں کو ذبح اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔'' فرعونیوں کے متعلق بھی، قرآن صراحت سے بیان کرتا ہے: ﴿ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ﴾ (۲/۴۹) یعنی ''وہ تمہارے بچوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔'' ایک اور مقام پر یـذبّـحون کی جگہ یـقتلون کہا گیا ہے۔ یعنی ''خوب قتل کیا کرتے تھے'' الغرض، قرآن نے یـقتلون کا لفظ استعمال کیا ہو یا یـذبـحون کا، دونوں کا مفہوم 'جان سے مار ڈالنا' ہی ہے۔ لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' کو یہ حقیقی اور عام فہم مفہوم قابل قبول نہیں۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ ابھی تک حجری اور اثری انکشافات نے اس معنی کی تصدیق نہیں کی۔ گویا اصل قابل اعتماد ماخذ کتاب اللہ نہیں بلکہ تاریخی آثار و انکشافاتِ آثار قدیمہ ہیں۔ لہٰذا مفہومِ قرآن ان ہی کی روشنی میں متعین کیا جائے گا۔ یعنی قرآنی الفاظ کا مفہوم قطعی نہیں بلکہ تاریخی کتبات سے برآمد ہونے والا مفہوم قطعی ہے۔ یہ رویہ، مغرب کی انتہائی ذہنی غلامی کا غماز ہے۔

'مفکر قرآن' صاحب پڑھتے تو قرآن ہی رہے ہیں، مگر سوچتے رہے ہیں تہذیب غالب کی تحقیقات کی روشنی میں۔ آنکھیں تو ان کی اپنی ہی تھیں، مگر دیکھتے رہے ہیں مغرب کے زاویۂ نگاہ سے۔ کان تو ان کے اپنے ہی تھے، مگر وہ سنتے رہے ہیں علمائے مغرب کی سخن سازیاں۔ دماغ تو ان کا اپنا ہی تھا، مگر اس میں فکر اور سوچ اغیار ہی کی تھی۔ الفاظ تو وہ اپنی زبان سے قرآن ہی کے ادا کرتے رہے ہیں مگر ان کے اندر معانی وہ فکرِ جدید سے لے کر داخل کیا کرتے تھے۔ زبان تو ان کی اپنی ہی تھی، مگر بات وہ غیروں ہی کی کیا کرتے تھے:

میں اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں
زبان میری ہے، بات اُن کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اُنہی کی محفل سنوارتا ہوں
چراغ میرا ہے، رات اُن کی

مزید برآں ہمارے 'مفکرِ قرآن' ہوں یا دیگر منکرین حدیث! ان کی یہ بات کس قدر قابل تعجب اور موجبِ صد حیرت ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ کے قول و فعل اور آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کے متعلق بخاری، مسلم، موطأ اور دیگر کتبِ احادیث کی شہادتوں کو بلا تکلف ردّ کر دیتے ہیں اور محققین فرنگ کی آثارِ قدیمہ سے ماخوذ، تاریخی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں، حالانکہ یہ تاریخی شہادتیں، ان شہادات کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے متعلق احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ منکرین حدیث، مغرب کی جن تاریخی شہادتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان میں سے قوی سے قوی ذریعہ بھی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی کی ضعیف سے ضعیف حدیث کے مقابلہ میں بھی ہیچ ہے، لیکن بُرا ہو ذہنی غلامی کا، ستیاناس ہو دماغی مغلوبیت کا، بیڑہ غرق ہو فکری اسیری کا، جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب فرماتے ہیں کہ قتل ابناء بنی اسرائیل یا بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو مذبوح و مقتول بیان کرنے والی آیات میں 'جان سے مار ڈالنے' کا معنی اس لئے قابل قبول نہیں کہ...... ''اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر پردے اُٹھے ہیں، ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے، ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو'' ...... کیا یہ عجیب بات نہیں کہ قرآنی الفاظ کے قطعی مفہوم کو نظر انداز کر کے، مصر کی تاریخ پر سے مزید پردوں کے اُٹھنے کا شدید انتظار کرتے کرتے، وہ شخص مر گیا جو اُٹھتے بیٹھتے قرآن قرآن کی دہائی دیا کرتا تھا، اور قرآن کے اوّل و آخر سند ہونے کی رٹ لگائے رکھتا تھا۔ اب گویا جب اثری تحقیقات کی وجہ سے حیاتِ پرویز ہی میں، کوئی ایسی شہادت مل جاتی جو ولادتِ موسیٰ کے وقت ابناء بنی اسرائیل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'کو'جان سے مار ڈالنے' کا انکشاف کر دیتی تو پھر 'مفکر قرآن' صاحب ایک اور قلا بازی کھاتے اور مفہوم قرآن بدل کر کچھ اور ہو جاتا۔ اور جب تک کوئی ایسی شہادت نہیں مل پاتی، اس وقت تک 'پیروانِ دعوتِ قرآنی' پر لازم ہے کہ وہ 'مفکر قرآن' کے انداز اً بتائے ہوئے معانی ہی کو سینے سے لگائے رکھیں۔

تورات اور 'مفکر قرآن'

اور یہ بھی کیا خوب کہا ہے کہ......''اسرائیلی بچوں کو سچ مچ مار ڈالنے کا فرعونی حکم صرف تورات میں پایا جاتا ہے، مگر موجودہ تورات ساقط الاعتبار ہے۔''

یہاں ہمارے 'مفکر قرآن' کا یہ دو رُخا پن بھی قابل غور ہے کہ اُنہوں نے جب اور جہاں چاہا، تورات کے ان واقعات کو بھی جو مطابق قرآن ہیں یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ یہ واقعات تورات جیسی ساقط الاعتبار کتاب سے ماخوذ ہیں (مثلاً یہی قتل ابناء بنی اسرائیل کے واقعات)، لہٰذا ناقابل قبول ہیں۔ لیکن دوسری طرف توراتِ محرفہ کے جن واقعات کو وہ اپنے اُن تصورات کے موافق پاتے ہیں، جنہیں وہ منسوب الی القرآن کر ڈالتے ہیں، اُنہیں وہ ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیتے ہیں (مثلاً یوسفی دورِ حکومت کا اقتصادی نظام)۔ پھر اس وقت نہ تورات اُنہیں تحریف شدہ نظر آتی ہے اور نہ ہی ساقط الاعتبار۔

'مفکر قرآن' کی اُلٹی گنگا

بنی اسرائیل کے ساتھ فرعون کے اس ظالمانہ طرزِ عمل کو قرآنِ کریم میں چھ مقامات پر بیان کیا گیا ہے: (۱) سورۃ البقرۃ آیت ۴۹۔ (۲) سورۃ الاعراف آیت ۱۲۷۔ (۳) سورۃ الاعراف:۱۴۱۔ (۴) سورہ ابراہیم آیت ۶۔ (۵) سورۃ القصص آیت ۴۔ (۶) سورۃ المومن آیت ۲۵۔ ان میں سے تین مقامات پر 'قتل' کا، اور تین مقامات پر 'ذبح' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ 'مفکر قرآن' صاحب نے قتل کے چھ مختلف معانی بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک معنی 'جان سے مار ڈالنا' بھی ہے۔ فی الحال اس بات کو نظر انداز کیجئے کہ باقی پانچ معانی فی الواقع درست ہیں یا نہیں، لیکن لفظ ذبح کا ایک ہی معنی بیان کیا ہے، جو 'جان سے مار ڈالنے' ہی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم کا حامل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ذبح یذبح اندر کی طرف سے سر اور گردن کے جوڑ سے حلق کاٹ دینا، چیر دینا، شق کر دینا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔'' ❶

اب جبکہ قرآن خود ہی 'قتل ابناء' کی وضاحت 'ذبح ابناء' سے کرتا ہے تو قتل کا وہی مفہوم از روئے قرآن اولیٰ اور انسب ہوگا جو 'قتل' اور 'ذبح' کے دونوں لفظوں میں مشترک ہے اور وہ 'جان سے مار ڈالنے' ہی کا مفہوم ہے۔ ہمارے 'مفکر قرآن' کے فکر کی بنیادی خامی یہ ہے کہ یہاں بجائے اس کے کہ ذبح کے واحد مفہوم کی روشنی میں 'قتل' کے متعدد اور مختلف مفاہیم سے، ایک مفہوم کو متعین کریں وہ الٹا 'ذبح' کے منفرد اور قطعی مفہوم کو 'قتل' کے مختلف اور متفرق معانی کی روشنی میں چھ معانی تک وسیع کر ڈالتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کر ڈالنے کی آخر کیا قرآنی دلیل ہے:

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

ذرا سوچئے تو سہی کہ جب 'قتل' کی توضیحِ مفہوم خود اللہ تعالیٰ ہی نے 'ذبح' کے لفظ سے کر دی ہے جس کا واحد مفہوم 'جان سے مار ڈالنا' ہے تو پھر 'مفکر قرآن' اس خدائی توضیح و تشریح کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اُنہیں اپنے 'مزعومات' قرآنی حقائق کی نسبت عزیز تر تھے۔ اور یہ 'مزعومات' وہ تصورات ہیں جو مغرب کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کے باعث اُنہوں نے اپنے قلب و دماغ میں جما رکھے تھے اور جن کی تائید کے لئے ایک طرف، قرآن کی تفسیر کی آڑ میں، وہ حدِ تحریف کو پہنچی ہوئی رکیک تاویلات کے درپے رہتے تھے اور دوسری طرف مصری کتبات، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات اور مزید تاریخی انکشافات کے منتظر رہتے تھے جو اُن کے نزدیک الفاظ قرآن سے بھی زیادہ قطعی الثبوت قرار پا چکے تھے تاکہ ان کی روشنی میں قتل ابناء اور ذبح ابناء والی قرآنی آیات کے مفہوم کو متعین کیا جا سکے۔ حالانکہ تاریخ اور قرآن کی حیثیت کو بہ تکرار و اصرار وہ یوں بیان کیا کرتے تھے کہ:

---

❶ لغات القرآن، ص ۶۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''تاریخ بہر حال ظنی ہے اور اس کے مقابلہ میں قرآن ایک یقینی شہادت ہے۔''

کیا یہ ستم ظریفی قابل داد نہیں کہ 'مفکر قرآن' جو ہمیشہ عقل و دانش کی روشنی میں قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کے مدعی رہے ہیں۔ قرآن کی 'ذبح ابناء بنی اسرائیل' سے متعلقہ آیات (جو قرآن ہونے کی بنا پر قطعی اور یقینی ہیں) کی تفسیر تاریخ مصر سے کرنا چاہتے تھے جس پر سے اُٹھنے والے پردوں کے بعد بھی جو کچھ سامنے آتا یا آئندہ سامنے آئے گا، وہ بہر حال ظنی ہی ہوگا۔

چوتھی مثال (واقعہ ذبح بقرہ اور قیاسی تفسیر)

سورۃ البقرۃ میں، ذبح بقرہ کے واقعہ کے ضمن میں قتل نفس کا واقعہ بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا وَاللهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ٥ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ: آیت ۷۲،۷۳)

''اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کی جان لی تھی، پھر اس کے بارے میں باہم جھگڑے اور قتل کا الزام تھوپنے لگے اور اللہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے وہ کھول کر رکھ دے گا، اس وقت ہم نے یہ حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو، اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو، یوں اللہ لوگوں کو زندگی بخشتا ہے اور یوں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔''

اس آیت کی تفسیر میں، قریب قریب جملہ علمائے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم، اس سے متصل پہلی آیت میں دیا گیا ہے، اُسی کے گوشت سے مقتول کی لاش کو ضرب لگانے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾ (۲/۷۳) اس کے نتیجہ میں مقتول کچھ دیر کے لئے زندہ ہوا، اور اپنے قاتل کا نام بتا کر ہمیشہ کے لئے پھر موت کی نیند سو گیا، اور قاتل کو اس کے جرم قتل کی سزا دے دی گئی۔

اب چونکہ موت کے بعد، دوبارہ جی اُٹھنا 'مفکر قرآن' صاحب کے لئے عقلاً مستبعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، اس لئے وہ اسے تسلیم نہیں کرتے، اور علمائے تفسیر کے مقابلہ میں خود اپنی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی فضائے دماغی میں ایک لہر اُٹھی، جس کے نتیجہ میں ظن وتخمین اور گمان و تخریص پر مبنی ایک خالص قیاسی تفسیر بایں الفاظ صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوگئی:

''ہم جو کچھ سمجھ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ توہم پرستیوں سے لوگوں کی نفسیاتی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ ذرا سے خلافِ معمول واقعہ کا سامنا نہیں کرسکتے، اور اس کے احساس سے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے، یہی کیفیت بنی اسرائیل کی ہوچکی تھی، اور واقعۂ قتل میں ان کی اس نفسیاتی حالت کو تحقیق مجرم کا ذریعہ بنایا گیا ہے، ان سے کہا گیا کہ مشتبہ ملزموں میں سے ایک ایک شخص لاش کے قریب سے گزرے اور لاش کا کوئی حصہ اُٹھا کر اس شخص کے جسم سے چھوا جائے، ملزم کی پہچان ہوجائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس سے ملزم کی جو حالت ہوئی ہوگی، وہ اس کے داخلی احساسات کی غماز بن گئی ہوگی، اس طرح جب مجرم کا تعین ہوگیا تو اس سے قصاص لے لیا گیا۔ قرآن نے قصاص کے متعلق کہا ہے کہ اس میں رازِ حیات پوشیدہ ہے۔

بہرحال یہ ہمارا قیاس ہے، حقیقت اس وقت ہی سامنے آئے گی، جب تاریخی انکشافات اس کی نقاب کشائی کریں گے۔'' [1]

پھر اس وہم وگمان اور ظن وتخمین پر مبنی تفسیر کو، جس کے متعلق خود اُن کا اپنا اعتراف ہے کہ ''یہ ہمارا قیاس ہے۔'' عین مفہومِ قرآن بنا کر یوں لکھتے ہیں:

''ایک طرف تو تمہاری یہ حالت کہ ایک جانور کو ذبح کرنے میں اس قدر حیل و حجت اور دوسری طرف یہ عالم کہ ایک انسانی جان ناحق لے لی، اسے خفیہ طور پر ماردیا اور جب تفتیش شروع ہوئی تو لگے ایک دوسرے کے سر الزام دھرنے، یعنی تم میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ جرم ہوگیا تو کھلے بندوں اس کا اعتراف

[1] برقِ طور، ص: ۱۹۰ تا ۱۹۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلو۔ لیکن جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، خدا اسے ظاہر کر دینا چاہتا تھا تا کہ جرم بلا قصاص نہ رہ جائے۔

مشرکانہ توہم پرستیوں سے، جن میں تم مبتلا ہو چکے تھے، انسان کی نفسیاتی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ایسے کسی ذراسی خلافِ معمول بات کا سامنا کرنا پڑے تو اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ (۲۲/۳۱) چونکہ خدا تمہاری اس نفسیاتی کیفیت سے واقف تھا، اس نے قاتل کا سراغ لگانے کے لئے ایک نفسیاتی ترکیب بتائی (جو انسان کی اُس زمانے کی ذہنی سطح کے اعتبار سے بڑی خلافِ معمول تھی) اس نے کہا کہ تم میں سے ایک ایک جاؤ، اور مقتول کے حصہ جسم کو اُٹھا کر لاش کے ساتھ لگا دو۔ (چنانچہ جو مجرم تھا، جب وہ لاش کے قریب پہنچا تو خوف کی وجہ سے، اُس سے ایسے آثار نمایاں ہو گئے، جو اس کے جرم کی غمازی کرنے کے لئے کافی تھے) اس طرح اللہ نے قتل کے راز کو بے نقاب کر دیا اور مجرم سے قصاص لے کر، موت کو زندگی سے بدل دیا، کیونکہ قصاص میں قوم کی حیات کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔ (۲/۱۷۹)

اللہ، اسی طرح اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے تا کہ تم عقل و شعور سے کام لے کر ایسے معاملات کو سلجھایا کرو، اور اس حقیقت کو سمجھ لو کہ نفسیاتی تغیر سے (افراد سے آگے بڑھ کر) کس طرح خود قوموں کی حالت بدل جاتی ہے۔ (۱۳/۱۱)'' [1]

وہم و گمان، ظن و قیاس اور تخریص و تخمین اور مسرفانہ الفاظ پر مبنی اس 'مفہومِ قرآن' کو بھی ملاحظہ فرمائیے، اور اس کے ساتھ ساتھ طلوع اسلام ۱۹۷۵ء کے شماروں کے ٹائٹل صفحات پر بتکرار و اعادہ پیش کیا جانے والا یہ اشتہار بھی دیکھئے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ...... ''قرآن سمجھ میں نہیں آ سکتا...... تفسیروں سے، کیونکہ تفاسیر میں عام طور پر مفسروں کے اپنے خیالات و معتقدات قرآنی مطالب پر غالب آ جاتے ہیں۔'' ...... گویا پرویز صاحب کی 'تفسیر قرآن' اور

---

[1] مفہوم القرآن، ص ۲۵ تا ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے 'مفہومِ قرآن' میں نہ ان کا کوئی اپنا خیال اور عقیدہ ہوتا ہے، نہ وہم اور گمان اور نہ ہی قیاس اور ظن۔ یہ 'تفسیر قرآن' اور یہ 'مفہوم قرآن' خالص 'وحی' پر مبنی ہے، جن میں ''ان کے اپنے خیالات و معتقدات، قرآنی مطالب پر غالب'' بالکل نہیں ہوئے۔

پھر اس 'خالص قرآنی تفسیر' میں 'مفکرِ قرآن' کا یہ بلند بانگ دعویٰ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ''نے قاتل کا سراغ لگانے کے لئے ایک نفسیاتی ترکیب بتائی (جو انسان کی اس زمانے کی ذہنی سطح کے اعتبار سے بڑی خلافِ معمول تھی) اس نے کہا: تم میں سے ایک ایک جاؤ اور مقتول کے حصۂ جسم کو اُٹھا کر لاش کے ساتھ لگا دو''...... خدا نے کہاں یہ ترکیب بتائی؟ کس کتاب میں یہ مذکور ہے؟ کس قرآن میں اس کا ذکر ہے؟ کس انسائیکلو پیڈیا میں یہ مکتوب ہے؟ کس پیغمبر خدا پر اس ترکیب کی وحی ہوئی؟ اور 'مفکر قرآن' کو اس کا علم کیسے ہوا؟ کیا اس کے متعلق خود پرویز صاحب پر وحی اُتری ہے؟ یا پھر ان کی 'قرآنی بصیرت'، 'نظریۂ ارتقا' کے تحت ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی 'مزاج شناسیٔ خدا' کے مرتبہ تک پہنچ گئی ہے؟ کاش، کارپردازانِ طلوعِ اسلام یہ واضح کردیں کہ عامۃ الناس 'مفکرِ قرآن' صاحب کے بارے میں کیا اعتقاد رکھیں؟...... وہ 'مزاج شناسِ خدا' تھے یا مفتری علی اللّٰہ؟

قیاسی تفسیر اور پھر یہ دعاوی بھی

اب ایک طرف وہم و گمان پر مبنی یہ تفسیر ہے جس کے قیاسی ہونے کا خود اُنہیں بھی اقرار ہے، اور دوسری طرف اُن کے یہ دعاوی بھی ملاحظہ فرمالیجئے، جن میں 'مفکر قرآن' صاحب بڑی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے یہ اعلانات بھی کیا کرتے تھے:

۱۔ میرے نزدیک یہ شرک ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کوئی خیال لے کر قرآن کریم کی طرف آئے اور پھر قرآن سے اس کی تائید تلاش کرنا شروع کردے۔ [1]

۲۔ میں نے قرآنی تعلیم کو اپنے کسی خیال یا رجحان کے تابع رکھنے کی جسارت کبھی نہیں کی۔ [2]

---

[1] طلوعِ اسلام، اگست، ۱۹۶۱ء، ص ۴۷۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ میں نے جب بھی قرآن پر غور کیا ہے، اپنے خیالات کو اس میں دخیل نہیں ہونے دیا۔ ❶

پھر 'مفہوم القرآن' کے اس پہلو پر بھی غور کیجیے کہ اس میں کس قدر قرآنی الفاظ کی رعایت برتی گئی ہے اور کس قدر 'مفکر قرآن' کے اپنے 'قیاس و گمان' کا دخل ہے۔ پھر قرآنی آیات کے گنتی کے چند الفاظ کا مفہوم بیان کرنے کے لئے 'مفکر قرآن' کے قلم سے الفاظ کا جو سیلاب اُمنڈ آیا ہے، اس کا طول و عرض بھی ملاحظہ فرمایئے اور پھر سوچئے کہ اگر قرآنی آیات کا یہی مفہوم و مطلب ہے تو عرب کے اَن پڑھ اور سادہ مزاج بدوؤں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ مفہوم آ سکا ہوگا، جس سے خود 'مفکر قرآن' صاحب بھی بایں علم و دانش اور بایں حکمت وفضیلت ۱۹۳۵ء تک خالی الذہن تھے، کیونکہ ۱۹۳۵ء میں وہم و گمان پر مبنی یہ قیاسی تفسیر پیش کرنے کی بجائے اُنہوں نے یہ فرمایا تھا:

> ''اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کی تفسیر میں اتنا کچھ لکھا گیا کہ خواب، کثرتِ تعبیر سے پریشان ہو گیا ہے، لیکن بایں ہمہ بات ویسی کی ویسی ہی مشکل رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم، تاریخی انکشافات کی روشنی ہی میں متعین ہو سکتا ہے... قیاس آرائیوں سے اس کا مفہوم متعین نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت بھی ابھی متشابہات کی فہرست میں ہے، تاریخ اپنا کوئی اور ورق اُلٹے گی، تو اس وقت یہ آیت محکمات کی فہرست میں منتقل ہو جائے گی۔ قرآنی حقائق و معارف زمانہ کے شکن در شکن گیسوؤں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ علم انسانی کی نسیم سحری، جوں جوں ان پیچوں کو کھولتی جاتی ہے، یہ گوہر آبدار حسین آویزوں کی طرح وجہ درخشندگی عالم ہوتے جاتے ہیں۔'' ❷

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ 'مفکر قرآن' صاحب کا کسی 'تاریخی انکشاف' کا انتظار بھی کوئی خوشگوار موقف نہیں ہے، لیکن اس کی بجائے اپنے گمان و قیاس پر مبنی موقف کو الفاظ کا بے تحاشا

---

❶ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۹ء، ص ۳۶۔

❷ معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسراف کرتے ہوئے لفاظی اور وہم و ہوا کے مرکب کی شکل میں 'مفہوم القرآن' کے نام سے پیش کرنا، اس سے بھی بدتر عمل ہے۔ أعاذ نا الله من ذلك

پرویز...... وفادار غلامِ مغرب

تہذیبِ مغرب کے سامنے 'مفکرِ قرآن' کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی کا صرف یہی نتیجہ نہیں تھا کہ وہ محض نظریہ و اعتقاد کی حد تک ہی اس کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے، بلکہ وہ عملی دنیا میں مغربی معاشرت کے ان جملہ اجزا کو بھی قرآن کے نام پر اپنانے کے داعی تھے، جنہیں مغرب نے بغیر کسی قرآن کے اختیار کر رکھا تھا۔ اور جنہیں جبلِ قرآن سے کھود نکالنے کو وہ بڑے فخر سے اپنی پچاس سالہ 'قرآنی خدمات' قرار دیا کرتے تھے۔ آخر سوچئے تو سہی کہ مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب و نقاب، مرد و زن کی مطلق اور کامل مساوات، درونِ خانہ مشاغل کی بجائے، بیرون خانہ اُمور میں اُنہیں منہمک کرنا، تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا، عورت کو خانگی مستقر سے اُکھاڑ کر اسے مردانہ کارگاہوں میں لا کھڑا کرنا، خانگی زندگی میں اسے فطری وظائف سے منحرف کر کے، قاضی و جج بلکہ سربراہِ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا، وغیرہ جملہ لوازمِ معاشرت میں سے وہ کون سی چیز ہے جسے 'مفکر قرآن' نے قرآن کے نام پر پیش نہیں کیا اور اس پر مستزاد یہ کہ کارل مارکس کی اشتراکیت کو من وعن قبول کر کے اسے 'نظامِ ربوبیت' کے نام سے مشرف بہ اسلام کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا۔ اور پھر اسے عین قرآنی نظام باور کروانے کے لئے ان ہی آیات کے مفاہیم و تراجم میں تغیر و تبدل کرتے ہیں جن سے ماضی میں وہ بالکل برعکس مفاہیم مراد لیا کرتے تھے۔ قلب و ذہن میں کمیونزم کی محبت کے رچ بس جانے کے بعد اور آنکھوں پر اشتراکیت کی عینک چڑھ جانے کے بعد اب قرآن اُنہیں اشتراکیت کا اور 'اشتراکیت' اسلام کا جدید ایڈیشن نظر آنے لگتے ہیں۔ متمول اور صاحبِ ثروت صحابہ کرامؓ کی خوشحالی اب 'سرمایہ داری' دکھائی دینے لگتی ہے۔ وہ پاکباز ہستیاں اب مُترفین بمعنی 'سرمایہ دار' کا روپ اپناتے نظر آتے ہیں۔ اور پھر یوں ساون کے اندھے کو جب ہر طرف ہرا ہی ہرا سوجھنے لگتا ہے تو پھر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی معاشرت اور اشتراکیت کا یہ ملغوبہ 'انقلابی اسلام' قرار پا جاتا ہے اور 'مفکر قرآن' صاحب اِسے اپنی ندرتِ نگاہ کا شاہکار قرار دیتے ہوئے یہ اعلان فرماتے ہیں کہ

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا

پرویز...... عالمِ کفر کا منظورِ نظر

اب چونکہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کا یہ 'انقلابی اسلام' درحقیقت محمد رسول اللہ والذین معہ کے اصل اسلام میں نقب زنی کے نتیجہ میں نمودار ہوا ہے، اس لئے دنیائے مغرب کی نگاہ میں یہ ایک قابلِ قدر چیز ہے اور ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب، عالمِ کفر کی آنکھ کا تارا ہیں، بے ایمانوں کے منظورِ نظر اور غیر مسلموں کے محبوبِ نگاہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے مغرب کے یہودی سکالر ہوں یا عیسائی عالم، ملحد دانشور ہوں یا زندیق فلسفی، سب کے سب 'مفکرِ قرآن' کے اس 'انقلابی اسلام' سے خوش ہیں اور اسے اپنے مخصوص مقاصد کے لئے ممدو معاون جانتے ہوئے پرویز صاحب کی تعریف و تحسین میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ وہ خود بھی اور ان کا آرگن طلوعِ اسلام بھی بڑے شاداں و فرحاں ہیں کہ چلو! عالم اسلام میں نہیں تو عالم کفر میں تو ان کی پذیرائی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام، علمبردارانِ کفر کے ہاں 'مفکر قرآن' (اور ان کی 'قرآنی خدمات') کی قدر افزائی پر خوشی سے نہال ہوتے ہوئے لکھتا ہے:

> "ڈاکٹر Freeland Abbot امریکہ کی Tufts یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے 'اسلام اینڈ پاکستان' کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی، اُس میں انہوں نے فکرِ پرویز اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے متعلق بڑی تفصیل سے دادِ تحسین دینے کے بعد کہا ہے کہ ......"پرویز صاحب، اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال ریفارمر ہیں" ......یہ کتاب فکرِ پرویز کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔" [1]

---

[1] طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ ایک اور مقام پر یورپ اور امریکہ میں مقبولیتِ پرویز کا ذکر کرتے ہوئے بڑے ہی فرحت و انبساط کے ساتھ طلوعِ اسلام یہ لکھتا ہے:

''پرویز صاحب کی تمام کتابیں، بجز ایک، اُردو زبان میں ہیں اور ان کی پبلسٹی کا یہ عالم ہے کہ ماہنامہ طلوعِ اسلام کے سوا ان کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ انہیں اخبارات اور مجلّات میں تبصرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ کتابیں رکھ لیتے ہیں، لیکن ان پر (موافق نہ سہی، مخالف ہی سہی) تبصرہ نہیں کرتے، اس کے باوجود آپ دیکھئے کہ یورپ اور امریکہ کی فکر گاہوں میں فکر و تحریکِ پرویز پر ریسرچ ہوتی ہے اور کتابیں اور مقالے شائع ہوتے ہیں۔'' ❶

یہ اُسی امریکہ کے اسکالرز کے کلمات تحسین و تعریف ہیں جس کے ایک سکالر Professor Smith کے متعلق کبھی طلوعِ اسلام نے یہ لکھا تھا کہ وہ کہتا ہے کہ پرویز صاحب کے پیش کردہ:

''اس قسم کے انقلابی اسلام کی ریسرچ ہمارے ادارہ کے لئے موزوں نہیں رہے گی۔'' ❷

لیکن اب جو اس 'انقلابی اسلام' پر ریسرچ ہوئی تو ایسی کتابیں انہی امریکی سکالرز کے ہاتھوں لکھی گئیں جو ''فکرِ پرویز کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئیں۔'' یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ اگر یہ 'انقلابی اسلام' واقعی محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا صحیح اسلام ہے تو امریکہ کو اسلام کا یہ درد کیسے اُٹھ آیا کہ وہ اس کو متعارف کروانے کا موجب بن جائے؟ کیا یہ 'انقلابی اسلام' فی الواقع اشتراکی نظامِ معیشت اور مغربی معاشرت کے لوازمات کو قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کرنے کی وہ سازش نہیں ہے جو امریکہ، یورپ اور روس کی مادہ پرست تہذیب کو اس لئے پسند ہے کہ اس 'انقلابی اسلام' کو محمد رسول اللّٰہ والذین معہ کے حقیقی اسلام کے متبادل قرار دیا جارہا ہے۔ یوں دینِ اسلام میں رخنہ اندازی اور پیوند کاری

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۶۰۔
❷ طلوعِ اسلام، ۳ ستمبر، ص ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکہ، یورپ اور اشترا کی حکومتوں کے سیاسی اغراض کے عین مطابق ہے، کیونکہ:

''مغربی ممالک، خواہ وہ یورپ ہو یا امریکہ، اسلامیات کی طرف خالص علمی نقطہ نگاہ سے توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ یورپ کے سامنے بھی اپنے سیاسی مقاصد تھے، اس طرح، امریکہ کے پیش نظر بھی اپنے سیاسی مصالح ہیں۔'' ❶

☆ طلوع اسلام، مسرت کے ساتویں آسمان پر پرواز کرتے ہوئے بڑے فخر و ابتہاج کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے:

''امریکہ اور کینیڈا وغیرہ کی یونیورسٹیاں، فکرِ پرویز کو ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقاتی مقالات کا موضوع منتخب کر رہی ہیں۔'' ❷

اس کے بعد پرویز صاحب کی کتب پر ریسرچ ہوئی اور کفر کی مصلحتوں نے فکرِ پرویز کو اپنے اہداف و مقاصد کے مطابق محمد رسول اللہ والذین معه کے اصلی اسلام کے خلاف پایا تو اس فکر کی تعریف و تحسین کی گئی۔ عالم کفر کے اسکالرز کی اس تحسین و تعریف سے طلوعِ اسلام باغ باغ ہو جاتا ہے اور وفورِ مسرت سے یہ لکھتا ہے کہ

'' غالباً ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے، Peter Schmid نامی ایک جرمن سکالر ہندو پاک کی سیاحت کے لئے آیا اور پرویز صاحب سے بھی آ کر ملا۔ بعد میں اپنے تاثرات اور افکار کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس کا انگریزی ترجمہ "INDIA - Mirage & Reality" کے نام سے شائع ہوا جس کا اس زمانے میں بڑا چرچا ہوا۔ اس نے پرویز صاحب سے اپنی ملاقات کا حال بڑے شگفتہ اور ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے۔'' ❸

☆ اس کے بعد 'مفکرِ قرآن' کی تعریف و تحسین میں Peter Schmid کا درج ذیل اقتباس دیا گیا ہے:

---

❶ طلوع اسلام، ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔
❷ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۔
❸ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں پچھلی مرتبہ آیا تھا تو ایک مذہبی شخصیت، پیر مانکی شریف (مرحوم) سے ملا تھا۔ اس دفعہ ایک اور مذہبی شخصیت سے ملاقات ہوئی جس کی تعلیم اور وسعت ِظرف اسے بالکل ایک مختلف زمرہ میں شامل کرتی ہے۔ 'قرآنک ریسرچ سنٹر' جس کے سربراہ جی اے پرویز ہیں، گلبرگ کے ایک مکان کی نچلی منزل پر واقع ہے۔ اسی گلبرگ میں جو فلم اسٹارز اور دیگر ارضی مخلوق کا مسکن ہے۔ ان کے کمرے میں کھانے پینے کے برتن اور ان کا (کتب خانہ اور) مسودات، اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ وہی کمرہ ان کا دفتر بھی ہے اور خواب گاہ بھی۔ اس مردِ بزرگ کے چہرے کی عمیق لکیریں اور اس کی نیند کو ترسی ہوئی آنکھیں، سادہ سی دھات کے فریم کا چشمہ اور سفید بال، اس حقیقت کے غماز تھے کہ وہ کن گہری سوچوں میں ڈوبا رہتا ہے۔ ان سوچوں کی پیدا کردہ علمی اور فکری صلابت میں کچھ لوچ پیدا کرتی تھیں، تو اس کی خواب آلود آنکھیں۔ اس کے نزدیک 'تقویٰ' ترکِ دنیا کا نام نہیں بلکہ اس دنیا کو صفاتِ خدا کا آئینہ دار بنا دینے کی بالارادہ کوشش کا نام ہے۔'' ❶

☆ لادینیت کی علمبردار تہذیبِ مغرب کے ایک اور سپوت کی طرف سے پرویز صاحب کو خراجِ تحسین پیش کیے جانے کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

''ہالینڈ کے مشہور مستشرق Dr. J. M. S. Baljon نے ایک کتاب شائع کی جس کا عنوان ہے: "Modern Muslim Koran Interpretation" یعنی ''عصر جدید کے مفسرین قرآن'' اس مقصد کے لئے برصغیر ہند و پاک سے تین مفسرین کا انتخاب کیا ہے: مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) علامہ عنایت اللہ مشرقی (مرحوم) اور پرویز صاحب۔'' ❷

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۷۔

❷ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمناً یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ عنوانِ کتاب کا جو ترجمہ ''عصر جدید کے مفسرین قرآن'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے، وہ قطعی غلط ترجمہ ہے۔ صحیح ترجمہ یا تو یہ ہے کہ ''تجدد پسند مسلمانوں کی ترجمانیٔ قرآن'' یا پھر یہ کہ ''قرآنِ مسلم کی تجدد پسندانہ ترجمانی'' طلوعِ اسلام کا غلط ترجمہ خواہ جہالت علمی کے باعث ہو یا جان بوجھ کر شعوری خیانت کے تحت؛ بہرحال اور بہرصورت معیوب حرکت ہے۔

☆ اس ضمنی وضاحت کے بعد اس غیر مسلم مصنف نے 'مفکرِ قرآن' کو ان الفاظ میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے:

''پرویز صاحب کی شخصیت کے حقیقی جوہروں کو ان کی درخشندہ اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ مبداءِ فیض نے اُنہیں، ان نوجوانوں کے لئے، جن کا موجوں کے تلاطم میں گھرا ہوا سفینۂ حیات مذہبی لنگر کی تلاش میں ہو، اعلیٰ صلاحیتوں کا اُستاد اور باپ کی طرح شفیق دوست بنایا ہے۔ ان کی صاف اور شفاف نگاہ پیش آمدہ مسائل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے متعلق بلا کاوش و تردّد صائب رائے، آزادانہ فیصلے، ان کے اطمینانِ قلب و شرحِ صدر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ دن بدن وسیع تر ہوتا جائے گا۔'' ❶

☆ ائمہ کفر میں سے ایک اور شخصیت کی طرف سے پرویز صاحب کو ملنے والے شرفِ تہنیت و پذیرائی کو طلوعِ اسلام ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

''مستشرقین مغرب میں سے پروفیسر E. I. J. Rosentnal کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اُنہوں نے "Islam, In the Modern National State" کے عنوان سے ایک شہرۂ آفاق کتاب لکھی ہے، جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس میں اُنہوں نے مختلف اسلامی تحریکوں کا وسیع

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائزہ لیا اور پرویز صاحب اوران کی تحریک کا ذکر خاصی تفصیل سے کیا ہے۔'' ❶

☆ کینیڈا کی ایک یونیورسٹی کی علمی تحقیقات کا ذکر کرتے ہوئے، ایک ایسی کافر خاتون کے گلہائے عقیدت (جواس نے پرویز صاحب کی 'قرآنی خدمات' پر پیش کئے ہیں) طلوعِ اسلام میں ان الفاظ میں مذکور ہیں:

''کچھ عرصہ ہوا، McGill یونیورسٹی (کینیڈا) کی طرف سے Miss Sheila McDonough نامی ایک طالبہ ڈاکٹریٹ کے لئے اپنے تھیسیئس کی غرض سے آئی تھی۔ وہ کافی عرصہ یہاں رہی اور اس کے بعد The Authority of the past کے عنوان سے اپنا تحقیقاتی مقالہ لکھا جسے امریکن اکادمی آف ریلجئن نے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا۔ اس میں اس نے سرسید، اقبال اور پرویز کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیا ہے۔ مقالہ اگرچہ ایک طالب علم کا ہے لیکن اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور کینیڈا وغیرہ کی یونیورسٹیاں فکرِ پرویز کو ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقاتی مقالات کا موضوع منتخب کررہی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ McDonough نے "Social Import of Pervez's Religius Thoughts" کے نام سے ایک اور تحقیقاتی مقالہ بھی شائع کیا ہے، وہ ابھی تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا، لیکن علمی حلقوں میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔'' ❷

☆ ایک اور عیسائی سکالر جو کسی عیسائی مشنری سے وابستہ ہیں، پرویز صاحب کو جو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے، اسے طلوعِ اسلام یوں پیش کرتا ہے:

''سوئٹزرلینڈ کے ڈاکٹر P. Robert A. Butler پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لاطینی سے وابستہ اور عیسائی مشنری حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ فکرِ پرویز کے ساتھ ان کی وابستگی کا اندازہ، اس سے لگایئے کہ وہ طلوعِ اسلام کا التزاماً مطالعہ

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔
❷ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں، اور پرویز صاحب کی کوئی کتاب ایسی نہیں، جسے وہ اس کے شائع ہونے کے ساتھ ہی حاصل نہ کر لیتے ہوں۔ سالِ گذشتہ اُنہوں نے اپنے عرصۂ دراز کے اس مطالعہ کا ماحاصل "Ideological Revolution Through the Quran" کے نام سے ایک تحقیقاتی مقالہ کی شکل میں پیش کیا جس نے مشنری دوائر میں بالخصوص بڑی شہرت حاصل کی۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اب حال ہی میں، اس کا فرانسیسی زبان میں ایڈیشن، ٹیونس (مراکو) سے شائع ہوا۔'' [1]

یہ خراجِ تحسین، یہ تعریف و توصیف، یہ تہنیت و پذیرائی اور یہ گلہائے عقیدت 'مفکر قرآن' صاحب کو یہودی، عیسائی، کافر و لادین علماءِ مغرب کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں؛ کیوں؟ اور کس لیے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ جو 'انقلابی اسلام' اُنہوں نے پیش کیا ہے، وہ مغربی ممالک کے سیاسی اغراض و مقاصد کے عین مطابق ہے۔ اس لئے وہ 'مفکرِ قرآن' چوہدری غلام احمد پرویز سے انتہائی خوش ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح کل (اور آج بھی)، انگریز اپنے 'خود کاشتہ پودے' مرزا غلام احمد قادیانی سے خوش تھے (اور ہیں) اور بالکل اسی طرح جس طرح قادیانی اُمت کے داماد مشرف پرویز سے، دنیائے کفر راضی ہے۔ آج روئے زمین پر پورا عالم کفر، پرویز صاحب سے، سلمان رشدی سے اور تسلیمہ نسرین جیسی شخصیتوں کی 'قرآنی خدمات'، 'حق گوئی' اور 'لبرل اسلام' سے راضی بھی ہے اور خوش بھی۔ قرآن کریم نے تو چودہ سو سال قبل ہی اس حقیقت کو واشگاف کر دیا تھا کہ کفار و منافقین یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام سے اسی طرح منحرف کر دیا جائے، جس طرح وہ خود راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ تاکہ برسر ضلالت و غوایت ہونے میں سب برابر ہو جائیں:

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً﴾ (النساء: ۸۹)

''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ

---

[1] طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔"

طلوعِ اسلام اور پرویز صاحب خوش تھے (اور اب بھی وفاتِ پرویز کے بعد طلوعِ اسلام شاداں و فرحاں ہے) کہ یہودی سکالرز، عیسائی مفکر، لادین و بے دین محقق، علمبردارانِ کفر، 'مفکرِ قرآن' کے 'انقلابی اسلام' سے راضی ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ 'انقلابی اسلام' پھیلتا چلا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر وہ اپنے مقالات و کتب کے ذریعہ اس کی تعریف و تحسین اور اشاعت و توسیع میں کوشاں ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ پرویز صاحب کا 'انقلابی اسلام'، اشتراکیت اور مغربی معاشرت کے اقدار و اطوار اور عادات و آداب کے مخلوطہ پر اُسی طرح مشتمل ہے، جس طرح اکبر کا دینِ الٰہی ہندومت اور اسلام کے آمیزہ پر مشتمل تھا۔ یہاں ایک ستم ظریفی تو یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب، الفاظ تو قرآن سے لیتے ہیں مگر مفہوم اشتراکیت اور مغربیت سے لیتے ہیں۔ کان تو وہ اپنے رکھتے ہیں مگر ما قال الرسول کو سننے کی بجائے، فلاسفۂ کفر والحاد کو سنتے ہیں۔ زبان تو ان کی اپنی ہے مگر وہ بولی غیروں کی بولتے ہیں اور دوسرا المیہ یہ ہے کہ غیروں کی بولی بولنے والا آدمی اگر حالتِ جنگ میں ایسا کرے تو غداروں کے چوکھٹے میں، اس کی تصویر کو محفوظ کر کے تاریخ کے ایوانوں میں سجا دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہی کام کوئی شخص حالتِ امن میں کرے اور قرآن کے نام پر قرآن کھول کر کرے تو اسے 'مفکرِ قرآن' گردان کر 'وسیع النظری'، 'لبرل اسلام'، 'رواداری' اور 'روشن خیالی' کا حامل قرار دیا جاتا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قرآن کے نام پر 'مغرب پرستی'

یہودی علما، عیسائی رہبان، مشنری احبار، ملحد فلاسفہ، زندیق مفکروں، لادین دانشوروں، بے دین سکالروں اور غیر مسلم ماہرین تحقیق کی طرف سے ہمارے 'مفکرِ قرآن' پر داد و تحسین کے یہ ڈونگرے اسی لئے تو برسائے گئے ہیں کہ دیارِ مغرب میں بسنے والے اسلام کے یہ دانا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دشمن خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص، منافقت کا لبادہ اوڑھ کر قرآن کی بجائے، مغربی مآخذ ہی کو شرفِ تقدم عطا کرتا ہے (اور قرآن کے نام کی آڑ میں وہی کچھ کہہ اور کر رہا ہے جو دنیائے مغرب چاہتی ہے) مغربی مآخذ کی طرف اپنے رجوع کے لئے 'مفکرِ قرآن' صاحب کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں تو کسی مسئلہ پر کبھی تحقیق اور ریسرچ ہوئی ہی نہیں، یہ سب کچھ تو مغرب ہی میں ہوا کرتا ہے۔لہٰذا تحقیقاتِ مغرب کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔

''ایک جنسیات ہی پر کیا موقوف ہے۔زندگی کے اور کون سے شعبے ہیں، جن کے متعلق ہمارے ہاں کوئی ریسرچ ہوئی ہو! حقیقت یہ ہے کہ جس قوم پر صدیوں سے سوچنا حرام ہو چکا ہو، اور تقلیدِ کہن، زندگی کی محمود روش قرار پا چکی ہو، ان میں فکری صلاحیتیں بہت کم باقی رہ جاتی ہیں۔لہٰذا ہمیں اس مقصد کے لئے مغرب ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔'' ❶

اور حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت سے انکار کے لئے بھی پرویز صاحب کی 'قرآنی بصیرت' قرآنِ کریم کو ناکافی سمجھتی رہی۔(اگرچہ وہ اپنی زبان سے ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ کے الفاظ کا ورد کرتے ہوئے ہر معاملہ میں، قرآن ہی کے کافی ہونے کا اعلان کرتے رہے) پھر قرآن کو ناکافی گردانتے ہوئے، اُنہیں یہ اعلان کرنا پڑا کہ

''اس میں بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ یوسف کے بیٹے تھے۔'' ❷

اب ظاہر ہے کہ جب حسبنا کتاب اللہ کے دعوے دار 'مفکرِ قرآن' کو اس مسئلہ میں قرآن ناکافی نظر آیا اور ان کے سر پر مجبوری کی یہ تلوار بھی لٹک رہی تھی کہ ولادتِ مسیحؑ کی بہرحال بن باپ پیدائش کی 'نفی' کرنا ہے، تو اُنہیں 'اضطراراً' اُن اناجیل کی طرف رجوع کرنا پڑا جن کی ثقاہت اور استنادی حیثیت کے وہ خود بھی قائل نہیں تھے، چنانچہ اُنہیں یہ کہنا پڑا:

---

❶ سلیم کے نام، ج ۳، ص ۱۴۰۔

❷ شعلہ مستور، ص ۱۰۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"قرآنِ کریم تک آنے سے پیشتر، ہمیں ایک بار پھر اناجیل پر غور کر لینا چاہئے، اناجیل جیسی کچھ بھی ہیں، بہر حال ان ہی کے بیانات کو سامنے رکھا جائے، (اسکے سوا چارہ ہی کیا ہے)۔" ❶

اب اس شخص کا معاملہ کس قدر پرفریب ہے جو تنہا قرآن ہی کو سند و حجت بھی قرار دے اور پھر مغربی مآخذ کو اپنا مرجع بھی بنائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب، قرآن کو نہیں، بلکہ تہذیبِ مغرب ہی کے اُصول و مبادی کو اور مغربی تحقیقات ہی کو عملاً حجت و سند سمجھا کرتے تھے۔ وہ بڑے ہی 'خلوص سے' اس بات کے متمنی تھے کہ اُمتِ مسلمہ کو قرآن اور رسولِ قرآن سے منحرف کر کے، لوگوں کو اپنی اُن آرا کا تابع فرمان بنایا جائے، جنہیں قرآن کے نام پر مغرب سے مستعار لے کر وہ پیش کیا کرتے تھے۔ کیونکہ (بزعم اُو) آفتابِ قرآن کی روشنی، روایاتِ حدیث کے کثیف بادلوں میں سے گزر کر ہم تک نہیں پہنچ سکتی (لیکن 'مفکرِ قرآن' کی آراء و اَہوا کے تہہ در تہہ دھوئیں میں سے گزر کر ہمارے پاس آسکتی ہے)۔ قرآن اور رسول قرآن سے اہل ایمان کو منحرف کر دینے کے ہدف و مقصد کے اعتبار سے، غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی، دونوں ہی تشابهت قلوبهم کے رشتہ میں منسلک ہیں کیونکہ دونوں ہی اُمتِ مسلمہ کو اپنی ہوائی تعبیرات کے پیروکار بنانا چاہتے ہیں۔ ایک قرآن کے نام پر اور دوسرا اپنی نبوتِ زائفہ کی آڑ میں۔ لیکن اخلاقی پہلو سے مرزا غلام احمد کو غلام احمد پرویز پر اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ کھلے بندوں یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے 'خود کاشتہ پودا' ہیں۔ لیکن پرویز صاحب اس قسم کی اخلاقی جرأت سے کوسوں دور ہیں حالانکہ اپنی ممدوح کافر حکومتوں کی مدح سرائی میں دونوں رطب اللسان رہے ہیں تاکہ مسلمان ان کے نظام کو قبول کر کے اپنے آپ کو اُن کی وفاداری اور تابعداری میں سونپ دیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی یہ کہا کرتے تھے:

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں، اپنی زبان

---

❶ شعلہ مستور، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں۔'' ❶

اور غلام احمد پرویز صاحب اپنے 'نظامِ ربوبیت' کے حوالہ سے مجبور تھے کہ وہ کمیونسٹ ممالک کے اشتراکی نظام کو آیۂ رحمت قرار دیں، وہ لکھتے ہیں:

''اس وقت کمیونزم کی طرف سے دنیا کے سامنے اس کا معاشی نظام پیش کیا جارہا ہے، اس کا فلسفہ نہیں۔ اس نظام کے متعلق بدلائل وشواہد بتایا جارہا ہے کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں انسانیت کے لئے آیۂ رحمت ہے (اور یہ واقعہ بھی ہے)۔'' ❷

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی آیۂ رحمت نظام کے بارے میں اسی کتاب کے ابتدائی صفحات میں خود پرویز صاحب ہی کے قلم سے یہ بھی مرقوم ہے:

''میں نے ایک مدت تک، اس تحریک (کمیونزم) کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے ...اور اس مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تحریک انسانیت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس تصور سے میری روح کانپ اُٹھتی ہے کہ اگر یہ نظام کہیں ساری دنیا پر مسلط ہوگیا تو اس سے وہ کس عذابِ الیم میں مبتلا ہوجائے گی۔'' ❸

آمدم برسرِ مطلب

خیر! چھوڑیئے، 'مفکرِ قرآن' صاحب کی اس تضاد بیانی کو؛ ہم اُن کے وسیع وعریض خارزار تضادات میں کہاں تک آبلہ پائی کرتے رہیں گے، ان کا تو سارا لٹریچر ہی تضادات وتناقضات سے اٹا پڑا ہے۔ بات یہ ہورہی تھی کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب اگرچہ نام تو قرآن ہی کا لیا کرتے تھے، لیکن عملاً وہ رجوع الی القرآن کی بجائے مراجعت فرمایا کرتے تھے مغربی مآخذ کی طرف اور اسی لئے دنیا بھر کے یہودی، عیسائی اور سیکولر وکافر مفکرین، ان پر گلہائے

---

❶ تبلیغ رسالت، ج ۷، ص ۱۰۔ ❷ نظامِ ربوبیت، ص ۳۹۸۔

❸ نظامِ ربوبیت، ص ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدت و محبت نچھاور کرتے رہے ہیں، کیونکہ اُن کی 'پچاس سالہ قرآنی خدمات' اور ان کا 'انقلابی اسلام' محمد رسول اللہ والذین معہ کے لائے ہوئے اصل اسلام کے مقابلہ میں اُنہیں قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہی 'انقلابی اسلام' امتِ مسلمہ میں فکروعمل میں انتشار کا موجب ہے، اور عالمِ کفر کا مطلوب ومقصود بھی یہی ہے۔

یہی 'قرآنی خدمات' علماءِ امتِ محمدیہؐ کی نظر میں

اب آیئے! یہ دیکھیں کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کی ان 'قرآنی خدمات' اور ان کے 'انقلابی اسلام' کو اُمتِ محمدیہؐ کے علماے کرام کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

علمائے کرام کے نزدیک 'مفکرِ قرآن' صاحب کی عمر بھر کی 'قرآنی خدمات' کا ماحصل، اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے دورِ حاضر کی غالب تہذیب سے جملہ معاشرتی اطوار لے کر، اُنہیں قرآن کے نام پر اُس معاشی نظام کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے جسے کارل مارکس نے اشتراکیت کی صورت میں ترتیب دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جاہلیت کے اس نظام کو قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کر کے پیش کرنا، قرآن کی نہیں بلکہ تہذیبِ مغرب ہی کی نشروتبلیغ اور ترویج وتنفیذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علما نے تحریکِ طلوعِ اسلام کا ایک مدت تک مطالعہ کر کے ۱۹۶۲ء میں پرویز صاحب اور ان کے ہم خیال افراد پر کفر کا فتویٰ عائد کیا۔ اس فتویٰ پر تقریباً ایک ہزار علماءِ کرام کے دستخط تھے۔ یہ فتویٰ کسی ایک مفتی، یا کسی ایک مکتبۂ فکر کے علماء کی طرف سے نہیں، بلکہ تمام مکاتبِ فکر کے علماء کی طرف سے متفقہ طور پر جاری ہوا تھا۔ غلام احمد قادیانی کے بعد غلام احمد پرویز وہ دوسری شخصیت ہے جس کے کفر پر کسی ادنیٰ شائبۂ اختلاف کے بغیر، اجماعِ اُمت قائم ہوا ہے جو بجائے خود اہلِ اسلام کے لئے ایک شرعی حجت ہے۔ پھر یہ پاکستان کے علماء ہی کی طرف سے جاری نہیں ہوا، بلکہ سعودی عرب کے علماء بالخصوص امام حرمین شریفین، شیخ محمد عبداللہ السبیل اور سعودی عرب کے سابق مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی ایک تفصیلی فتویٰ دیا ہے۔ مزید برآں حکومت کویت کی وزارت الاوقاف کی فتویٰ کمیٹی کے سربراہ شیخ مشعل مبارک عبداللہ احمد الصباح نے بھی ایسا ہی فتویٰ کفر صادر فرمایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان کے علماء کے اس فتویٰ کا ذکر 'طلوعِ اسلام' مارچ ۱۹۶۲ء، صفحہ ۷ پر کیا گیا ہے۔ رہے سعودیہ اور حکومتِ کویت کے فتوے تو ان کا ذکر ماہنامہ 'محدث' اگست رستمبر ۲۰۰۲ء کے صفحہ ۱۱۲ اور ۱۱۳ پر موجود ہے۔

اب غور طلب بات تو یہ ہے کہ جس 'انقلابی اسلام' سے یہود ونصاریٰ کے احبار ورہبان، کفروالحاد کے پیشوا، لادینیت کے حامل دانشور اور سیکولرازم سے وابستہ مفکرین تو راضی اور خوش ہوں مگر عالم اسلام کے علماء، پرویز صاحب کے اس 'انقلابی اسلام' اور ان کی 'پچاس سالہ قرآنی خدمات' کی بنا پر ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں 'مفکرِ قرآن' پر کفر کے فتوے لگا رہے ہوں تو اس 'انقلابی اسلام' اور 'قرآنی خدمات' کی قدر و قیمت معلوم شد!

اور آخر میں ؛ یہ جملہ معترضہ بھی

آخر میں یہ بھی جان لیجئے کہ مغرب کے جن علماءِ کفر والحاد اور علمبردارانِ لادینیت نے پرویز صاحب کے لٹریچر پر ریسرچ کرکے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ان ہی علماء نے بیسویں صدی میں دفاعِ اسلام کا عظیم فرض انجام دینے والے مولانا مودودیؒ کی کتب پر بھی ریسرچ کی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ مولانا مودودیؒ کی تعریف وتحسین کرنے کی بجائے ان کی تحقیر وتوہین کرتے ہیں اور انہیں نامبارک، نامسعود اور منحوس قرار دیتے ہیں۔ صرف ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ اقتباس بھی غالباً اُسی پروفیسر اسمتھ کا ہے، جس نے پرویز صاحب سے کراچی میں ملاقات کی تھی۔ (اس ملاقات کا ذکر طلوعِ اسلام: ۳ رستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳ پر موجود ہے)۔ وہ لکھتا ہے:

"Finally we come to the most ominous representative of this trend, back to religious conservation:Syed Abu-Al-A'la Mawdudio. ❶

مولانا مودودیؒ کوئی مبرّا عن الخطا یا کوئی معصوم شخصیت نہیں تھے، یقیناً ان سے بھی

---

❶ Modern Islam in India, by Wilfred Cantwel Smith, Sh.M.Ashraf 7-Aibok Road, New Anarkali, Lahore, 1969, Page: 164.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلطیاں ہوئی ہوں گی (بلکہ یقیناً ہوئی ہیں اور خود ہمیں بھی، اُن سے بعض امور میں اختلاف ہے) لیکن بہرحال وہ ایسے خطا کار اور گنہگار نہ تھے کہ عالم کفر کے کافر سکالر، ملحد پیشوا، زندیق، فلاسفہ، یہودی ربی اور عیسائی احبار و رہبان ان سے خوش ہوتے۔ اگر کسی کی آنکھوں پر تعصب کی عینک نہ چڑھی ہو، سینے میں کینہ و کدورت نہ ہو، دلِ دردمند اور قلبِ حق پسند میں ذرّہ برابر بھی ایمان موجود ہو تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ......''مودودی صاحب کی یہی فضیلت ومنقبت کیا کم ہے کہ کفار اہل مغرب کے ہاں وہ انتہائی نامسعود، از حد نامبارک، اور منحوس ترین (The most ominous) شخصیت قرار پاتے ہیں۔''......اور وہ اپنی اس تحقیر و توہین پر بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں:

إذا أتتك مذمتي من ناقص فهي الشهادة لي بأني كامل

''جب کسی ناقص و کمتر کی طرف سے میری مذمت آئے، تو یہی دراصل میرے کامل ہونے کی شہادت ہے۔''

اور اس کے برعکس 'مفکرِ قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز کی یہی رسوائی کیا کم ہے کہ علماءِ یہود ہوں یا احبار و رہبانِ عیسائیت، علمبردارانِ کفر ہوں یا پیشوایانِ الحاد، فلاسفۂ زندقہ ہوں یا دانشورانِ دہریت؛ وہ سب کے سب راضی اور خوش ہو کر اُنہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ خود سوچ لیجئے کہ ان کا 'انقلابی اسلام' کفار و ملحدین کے کام کا ہے؟ یا خدا اور رسولؐ کے کام کا؟ إن في ذلك لعبرة لأولي الأبصار!! فاعتبروا يأولي الأبصار!!

❁❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴

علماءِ کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ

(مطبوعہ ماہنامہ محدث، مارچ ۲۰۰۶ء)

ایک زمانہ تھا جب پرویز صاحب علماءِ سلف و خلف کی ہم نوائی میں قرآن و سنت کے سرچشمہ اسلام ہونے کے قائل تھے۔ دونوں کو (یعنی قرآن کو بھی اور سنتِ رسول کو بھی) اُدلہ شرعیہ مانتے تھے اور ہر چیز کو کتاب و سنت ہی کی کسوٹی پر پرکھنے کے دعوے دار تھے، اور اثباتِ دعویٰ کے لئے خود اپنے آپ پر بھی، اور دوسروں پر بھی کتاب و سنت ہی سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے اُن کے متعدد اقتباسات میں سے چند ایک ایسے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں جو طلوع اسلام کے اوّلین سالِ اشاعت (۱۹۳۸ء) کی فائل سے ماخوذ ہیں:

۱۔ ''طلوع اسلام کا نصب العین ان تمام سوالات کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔'' [1]

۲۔ ''ہمارا دعویٰ ہے اور علیٰ وجہ البصیرت یہ دعویٰ ہے کہ قرآن و سنت اور آثار و تاریخ میں کہیں ایک سند بھی اس چیز کے اثبات میں نہیں ملے گی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں سے انفرادی طور پر دوستی اور تولی کے تعلقات قائم کئے ہوں، اگر کسی کو اس میں شک ہو تو اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی ایک سند پیش کرے۔'' [2]

۳۔ ''کتاب و سنت کی ان تصریحات کو سامنے رکھئے اور پھر دیکھئے کہ اگر مسٹر جناح یا کوئی اور مسلمان یہ کہہ دے کہ (۱) ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحادِ عمل کی صرف یہی صورت ہے کہ ان دونوں کے درمیان من حیث الجماعت معاہدہ ہو اور (۲) ایک فریق کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے اور دوسرے فریق کو

---

[1] طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، ص ۱۱۔ [2] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، ص ۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلموں کی نمائندہ جماعت: تو کہیئے کہ اس نے کون سا جرم کر دیا؟'' ❶

۴۔ ''ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کتاب وسنت کی رو سے صرف یہی راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ اس دعویٰ کے اثبات میں طلوع اسلام برابر قرآن وسنت پیش کر رہا ہے۔ جو قومیت پرست مسلمان اس مسلک کو غلط سمجھتے ہیں، وہ خدارا قرآن وسنت سے اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل پیش کریں۔'' ❷

۵۔ ''ایک صاحب فرماتے ہیں کہ...... ''طلوع اسلام کا مسلک، جمہور کا مسلک ہے لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں کہ جمہور کا مسلک ہمیشہ حق وعدل کا مسلک ہو، اس لئے طلوع اسلام کا مسلک غلط ہے۔'' ...... لیکن ان کے ہم مشرب دوسرے صاحب فرماتے ہیں:...... ''طلوع اسلام کا مسلک جمہور کا مسلک نہیں ہے، اور چونکہ صحیح مسلک جمہور کا ہوتا ہے، اس لئے طلوع اسلام کا مسلک غلط ہے۔'' ...... حالانکہ طلوع اسلام کا مسلک، صرف کتاب وسنت کا مسلک ہے۔'' ❸

۶۔ ''آیئے ہم بتائیں کہ حصولِ آزادی کے متعلق کتاب وسنت کی رو سے مسلمانوں کا مسلک کیا ہوسکتا ہے۔ یہ وہ مسلک ہے جس کے ہم مدعی ہیں اور علیٰ وجہ البصیرت مدعی ہیں۔'' ❹

اور بعض اوقات، سنت کی بجائے 'اُسوۂ رسول' کی ترکیب بھی استعمال کی جاتی تھی اور اسے بعد از قرآن دوسرا ماخذ شریعت مانا جاتا تھا:

۷۔ ''اپنے ماحول کو مدنظر رکھ کر قرآن اور اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں جو مسائل اُنہوں نے مستنبط کئے تھے، آج کے ماحول کے مطابق ویسے ہی دساتیر وقوانین آج بھی مرتب کئے جاسکتے ہیں، جن کا سرچشمہ وہی اُصول دین ہوں، وہی شمع ہدایت ان کے لئے تھا، وہی آج ہمارے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ اس میں پھر ان کی

---

❶ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، ص ۶۲۔
❷ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۳۸ء، ص ۲۹۔
❸ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۳۸ء، ص ۳۴۔
❹ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۳۸ء، ص ۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنکیر کیسی اور تنقیص کیا؟" ❶

منافقانہ اظہارِ حق

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ طلوعِ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں، اگرچہ قرآن کے ساتھ، سنتِ رسول ﷺ اور اُسوۂ نبی ﷺ کا نام لیا جا رہا تھا۔ مگر یہ اظہارِ حق مبنی براخلاص ہونے کی بجائے منافقت پر مبنی تھا، کیونکہ ۱۹۳۸ء سے قبل (لیکن ۱۹۲۸ء کے بعد) بھی وہ قلبی اور ذہنی طور پر، سنتِ نبویہ سے اپنا تعلق کاٹ چکے تھے، اور تنہا کتاب اللہ ہی کی حجیت اور قرآن ہی کی سندیت کے قائل ہو چکے تھے، لیکن مسلمانوں کے معاشرہ میں ہردل عزیزی (Popularity) پالینے کے لئے وہ مجبور تھے کہ قرآن کے ساتھ سنت کا بھی نام لیتے رہیں۔ ٭ چنانچہ باوجودیکہ اُس دور میں وہ سنت رسول ﷺ سے اپنا اعتقادی رشتہ منقطع کر چکے تھے، لیکن وہ اپنے قلم اور زبان سے مصلحتاً اُن ہی نظریات و اعتقادات کا اظہار کرنے پر مجبور تھے جو ملتِ اسلامیہ میں مقبول و مسلم تھے، حتیٰ کہ ۱۹۳۵ء ہی کا یہ واقعہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ اعظم گڑھ (بھارت) سے سید سلیمان ندویؒ کی زیرِ سرپرستی شائع ہونے والے مجلّہ 'معارف' کے مارچ اور اپریل کے شماروں میں پرویز صاحب نے منکرین حدیث کی تردید و ابطال میں حدیثِ نبوی کی دینی حیثیت کا پُرزور اثبات کیا تھا۔ یہ بالکل وہی تکنیک تھی جو دعوائے نبوت سے قبل، مرزا غلام احمد قادیانی نے اختیار کی تھی۔ بقول طلوعِ اسلام:

> "مرزا غلام احمد ایک مناظر کی حیثیت سے قوم کے سامنے آئے اور بہت مقبول ہو گئے۔ انہی موضوعات پر اُنہوں نے اپنی کتاب 'براہین احمدیہ' شائع کی، جسے مسلمانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگوں نے بھی اس کی تعریف کی۔" ❷

---

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۴۰ء، ص ۲۴۔

٭ اس امر کے ثبوت کے لیے کہ اُن دنوں پرویز صاحب اعتقاداً نہیں، بلکہ مصلحتاً منافقت کا لبادہ اوڑھ کر سنت کا نام لیا کرتے تھے، دیکھئے میری کتاب: "جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینہ میں"۔

❷ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۳۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل اسی طرح جناب غلام احمد پرویز بھی، منکرین حدیث کے خلاف، حامئ حدیث اور مدافعِ سنت کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ اُن دِنوں ماہنامہ 'نگار' اور اس کے مقالہ نگار حضرات، وہی کچھ کہہ رہے تھے، جو بعد میں خود پرویز صاحب کا تکیہ کلام بنا رہا۔ لیکن اُس دور میں وہ 'نگار' میں شائع ہونے والی تحریروں کے خلاف خود مقالات و مضامین لکھا کرتے تھے، جو مختلف مجلّات میں اشاعت پذیر ہوتے تھے، حالانکہ اُس وقت بھی وہ ذہناً سنتِ نبویہؐ سے منحرف اور حدیثِ رسول ﷺ کے خلاف تھے لیکن بہرحال مسلمانوں میں اپنی مقبولیت پیدا کرنے کے لئے اور ان کی نگاہوں میں حامئ حدیث اور معتقدِ سنت قرار پانے کے لئے مجبور تھے کہ منکرین حدیث کی تردید پر کمربستہ رہیں۔ اُن کا یہ رویہ طلوعِ اسلام کے اجراء تک ہی نہیں، بلکہ خود طلوعِ اسلام میں بھی ایک مدت تک برقرار رہا ہے، اور مسلکِ انکارِ حدیث کا دم بھرنے سے ایک عرصہ قبل تک، وہ معتقدِ سنت اور حامئ حدیث بن کر اسی طرح مسلمانوں میں اپنی مقبولیت میں اضافہ کرتے رہے جس طرح مرزا غلام احمد، انکارِ ختمِ نبوت کا عقیدہ اپنانے سے قبل ختمِ نبوت کے عقیدہ کو پیش کرتے ہوئے مقبولِ عام بنے رہے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباساتِ سبعہ سے، جو مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت کے متعلق پرویز صاحب کے دل میں خواہ کچھ بھی تھا مگر ان کا قلم اُس وقت بھی قرآن و سنت ہی کا قائل، حامی اور مؤید تھا۔ پھر جوں جوں طلوعِ اسلام کا حلقۂ قارئین بڑھتا چلا گیا اور جوں جوں وہ قومیت پرست طبقہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اس طبقہ کی پُرزور حمایت کرتے چلے گئے، جو مسلم نیشنلزم کا علمبردار تھا اور یوں ان کی ہردل عزیزی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور پھر پرویز صاحب قرآن کے ساتھ سنت کا بالالتزام نام لیتے لیتے 'پاپولر' بنتے گئے تو اس کے بعد آہستہ آہستہ اُنہوں نے اپنا نقاب اُلٹنا شروع کیا اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب وہ کھل کر مسلکِ انکارِ حدیث کا پرچار کرنے لگے، بالکل اسی طرح جس طرح ان کے پیشرو ہم نام ایک عرصہ تک اپنی خدمتِ اسلام کے ذریعہ اہل اسلام کے قلوب میں، اپنے لئے نرم گوشہ پیدا کرنے کے لئے ختمِ نبوت کے عقیدے کا راگ الاپتے رہے اور پھر یکا یک اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبنی برحق عقیدہ کو پس پشت ڈال کر خود دعوائے نبوت پر اُتر آئے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ غلام احمد قادیانی کے معاملہ میں، عقیدۂ ختمِ نبوت کے اقرار اور انکار کے درمیان کوئی ایسا 'عبوری دور' نہیں ہے جس میں اُنہوں نے کسی لمبے چوڑے تدریجی عمل کو اختیار کرتے ہوئے ایک عقیدہ کی جگہ دوسرے عقیدہ کو اپنایا ہو، مگر پرویز صاحب نے ایسا کرنے میں تدریج کو اختیار کیا، جس میں ایک ایسا 'عبوری دور' بھی گزرا ہے، جو طالب علمانہ انداز میں حدیث وسنت کے متعلق، شکوک وشبہات کے اظہار کا دور تھا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 'ترجمان القرآن' کے ذریعہ ایسے جملہ اوہام وشبہات کا کافی وشافی اور اطمینان بخش ازالہ کر چکے تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

> ''سب سے پہلے مسٹر پرویز نے بعض احادیث کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات پیش کئے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن میں ان شبہات کا پوری طرح ازالہ کر دیا گیا۔ لیکن پرویز صاحب کے یہ شبہات ایک جویائے حق اور مخلص قلب کی کھٹک نہ تھی جو افہام وتفہیم کے بعد دور ہو جاتی۔ ان کے یہ شکوک ایک برخود غلط قلب کے شکوک تھے جو رفتہ رفتہ شاخ در شاخ اور پختہ ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کو سنتِ رسول ﷺ سے عناد پیدا ہو گیا۔'' ❶

'طلوعِ اسلام' اُفقِ پاکستان پر

قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعد کے طلوعِ اسلام میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ متحدہ ہندوستان میں یہ مجلّہ اور پرویز صاحب اپنے ضمیر کے خلاف لڑتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کے جن افکار ونظریات کی حمایت بلکہ مدافعت کیا کرتے تھے، اب وہی نظریات مصلحت کی دیمک کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اب وہ ملتِ اسلامیہ میں مقبول ہر اُصول اور مسئلے کی تردید پر اُتر آئے اور اپنے قلب وذہن میں مکتوم ومستور افکار وتصورات کو ایک ایک کرکے، تدریج کے ساتھ اعلانیہ بیان کرنے لگے، اور ایسا کرتے ہوئے، پرویز صاحب کے لب ولہجہ میں بھی تبدیلی واقع ہوتی

---

❶ قرآن کی معنوی تحریف، ص ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلی گئی۔ طلوعِ اسلام کے، تب کے اور اب کے نظریات میں واضح فرق و تفاوت، بلکہ تغیر وتبدل، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر تضاد و تناقض کی واضح مثالوں میں سے، چند ایک کا تذکرہ میری کتاب ''جناب غلام احمد پرویز: اپنے الفاظ کے آئینہ میں'' میں تفصیلاً پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ حجابِ نسواں، گانے اور گویے کی شرعی حیثیت، مصوری اور تمثال سازی میں اسلامی موقف، ملکیتِ زمین کی بابت شرعی حکم، ذاتی و شخصی ملکیت درنگاہِ اسلام، ضبطِ تولید میں اسلام کا نقطہ نظر، خلیفۃ اللہ اور خلافتِ الٰہیہ ازروئے قرآن، وقتِ موت کا تعین و تقرر، انسانی فطرت، اسلام بطورِ دین و مذہب وغیرہ، جملہ اُمور میں پرویز صاحب نے وہ موقف اختیار کیا جو متحدہ ہندوستان میں بیان کردہ اُن کے موقف کے بالکل متضاد اور برعکس تھا۔ لیکن ان کا سب سے بڑا اختلاف بلکہ تضاد و تناقض اس اسلام کے بارے میں ظاہر ہوا جس کی خاطر لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

پاکستان میں ابتدائی دورِ طلوعِ اسلام

پاکستان بنتے ہی پرویز صاحب نے اس اسلام کے بارے میں جس کے نفاذ کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، پراگندہ خیالی اور ژولیدہ فکری پیدا کرنے کی ٹھان لی۔ متحدہ ہندوستان میں تو وہ قرآن و سنت کا نام لیا کرتے تھے، لیکن پاکستان میں آ کر، اب اُنہوں نے کتاب بلا پیغمبرؐ اور قرآن بلا محمدؐ کا نرالا مسلک اپنایا۔ قرآن و حدیث یا کتاب و سنت کی بجائے صرف قرآن یا کتاب اللہ ہی کو ماخذ اسلام قرار دیا۔ اس سے قبل متحدہ ہندوستان میں جب وہ قرآن کا نام لیا کرتے تھے تو ان کا تصورِ قرآن، سنت سے منقطع نہ تھا۔ لیکن اب تنہا قرآن، بغیر سنتِ نبویہؐ کے، ان کا تکیہ کلام بن چکا تھا۔ چنانچہ طلوعِ اسلام نے ان تمام اُمور میں جن میں وہ مصلحت و منافقت کے تحت، اُمتِ مسلمہ کے افکار و نظریات کی ہمنوائی کیا کرتا تھا، اب قطعی متضاد اور مخالف روش اختیار کر لی، اور تنہا قرآن کی آڑ میں ایک بالکل نیا نظامِ معاشرت اور نظامِ مملکت وضع کرنے پر تُل گیا۔

اس نئے ضابطہ حیات اور لائحہ عمل کی بنیاد چونکہ قرآن و سنت کی بجائے، صرف قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دی گئی تھی (اور وہ بھی محض نام کی حد تک، ورنہ اصلاً تو بنیاد، تہذیبِ مغرب ہی تھی) اس لئے اس کا ہر جزو اُس اسلام کے خلاف تھا جو قرآن وسنت پر مبنی تھا۔ اس طرح علماءِ کرام اور پرویز صاحب کے درمیان سب سے بڑا اختلاف خود تصورِ اسلام ہی میں واقع ہو گیا، جس کا اصلی اور بنیادی سبب سنتِ نبویہ ﷺ کی حجیت وسندیت کے بارے میں فریقین کا باہمی اختلاف تھا۔ علماءِ سلف وخلف تو ہمیشہ ہی سے قرآن کے بعد (بلکہ قرآن کے ساتھ) حجیتِ سنت کے قائل رہے ہیں، لیکن پرویز صاحب (یا طلوعِ اسلام) قیامِ پاکستان سے قبل اگرچہ قرآن وسنت کو سرچشمہ اسلام مانتے ہوئے مسائلِ حیات کے حل کے قائل تھے، لیکن پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے ہی، وہ مسلکِ انکارِ سنت کے پشتیبان بن گئے اور سنتِ نبویہ ﷺ کے متعلق طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلانے میں وہ گولڈزیہر، شاخت اور دیگر مستشرقین پر بھی بازی لے گئے۔ مخالفتِ حدیث اور اشارۂ شکوک وشبہات، پاکستان میں طلوعِ اسلام اور پرویز صاحب کا مستقل شیوہ بن گیا۔ مفہومِ حدیث، متن حدیث، تدوینِ حدیث، الغرض، ہر پہلو سے اسے نشانہ بنایا جانے لگا، جملہ علماءِ اُمت اور پرویز صاحب کے درمیان بنیادی اختلاف دراصل یہی حجیتِ حدیث اور سندیتِ سنتِ رسول ﷺ ہی کا مسئلہ تھا۔ جس کے بطن سے ایک اور بڑا اختلاف یہ پیدا ہوا کہ قرآن کی تفسیر (سنتِ رسول ﷺ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے) کس چیز سے کی جائے؟ اپنی خواہشاتِ نفس سے؟ تہذیبِ مغرب کے افکار واقدار سے؟ کتبِ لغات کی مدد سے؟ یا عربوں کے ادبِ جاہلی کی روشنی میں؟ اگرچہ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے گی، لیکن اس کی اصل حقیقت بس یہی ہے کہ ذلك قولهم بأفواههم!

'دو اسلام'

انکارِ حدیث اور حجیتِ سنت کی بنا پر، پرویز صاحب اور علماءِ کرام کے مابین، نظامِ حیات کے تصورات میں انتہائی بعد اور مغایرت پیدا ہوئی۔ پرویز صاحب نے قرآن کے نام پر جو نظامِ حیات پیش کیا، اس کا معاشی نقشہ ہو بہو اور من وعن اشتراکیت سے ماخوذ ہے اور جو نظام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرت قرآن میں سے کشید کیا، اس کے جملہ اجزاء، مغربی معاشرت میں پہلے ہی سے موجود
، مثلاً مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب و نقاب، مرد وزن کی مطلق اور کامل مساوات،
تین کو درونِ خانہ فرائض کی بجائے بیرونِ خانہ مردانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعددِ ازواج
معیوب قرار دینا، عورتوں کو خانگی مستقر سے اُکھاڑ کر، اُنہیں مردانہ کارگاہوں میں لا کھڑا
نا، خانگی زندگی میں اس کے فطری وظائف سے منحرف کر کے قاضی و جج بلکہ سربراہانِ
ت تک کے مناصب پر براجمان کرنا وغیرہ۔ یہ سب وہ اجزائے معاشرت ہیں جنہیں
چہ پرویز صاحب نے قرآن مجید سے کشید کر ڈالنے میں بڑی زحمت اُٹھائی ہے، لیکن
یبِ مغرب کے علمبردار بغیر کسی قرآن کے اُنہیں پہلے ہی اپنائے ہوئے ہیں۔ دراصل یہی
یز صاحب کی مغرب کے مقابلہ میں انتہائی ذہنی غلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس کے برعکس جملہ علمائے کرام قرآن و سنت کی بنیاد پر جو نقشۂ زندگی پیش کرتے ہیں،
نہ صرف یہ کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے، بلکہ اُس 'نظامِ ربوبیت' کے بھی
لاف ہے جسے پرویز صاحب نے اشتراکیت پر قرآنی ٹھپہ لگا کر پیش کیا ہے۔ رہا معاشرتی
نظام، تو اس کے جملہ اجزاء، قرآن و سنت کی روشنی میں، مغربی معاشرت کے تمام اجزاء و
عناصر کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں۔

لیکن پرویز صاحب، مغربی تمدن و ثقافت سے ماخوذ معاشرتی ڈھانچے کو جب
اشتراکیت سے اخذ کیے ہوئے معاشی نظام کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں تو اُسے 'قرآنی
نظامِ حیات' کا نام دیتے ہیں، اور علمائے امت کے قرآن و سنت پر مبنی نظامِ حیات کی یہ کہہ کر
مخالفت کرتے ہیں، کہ یہ 'عجمی اسلام' ہے۔ رہا 'خالص عربی اسلام' تو اس کے اجزائے
معاشرت، اقوامِ مغرب ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا معاشی نظام بغیر کسی قرآنی یا آسمانی
ہدایت کے حضرت کارل مارکس اور اس کے خلیفہ خاص حضرت انجلز ہی سمجھ سکے ہیں اور اب
اس 'خالص عربی اسلام' کی عملی شکل روس، چین اور دیگر ممالک میں نظر آتی ہے۔

فریقین میں اصل اختلاف دونوں کے نظام ہائے حیات کا تھا، لیکن پرویز صاحب نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیبِ جدید سے اخذ کردہ معاشی نظام اور اس کے معاشرتی اجزاء کو ملا کر 'قرآنی نظام' قرار دیا اور جملہ علمائے کرام پر الزام عائد کیا کہ وہ 'قرآنی نظام' کے مخالف ہیں اور اس کے ساتھ ہی بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ علماء کا قرآن و سنت پر مبنی نظامِ زندگی، 'خلافِ قرآن' اور 'عجمی اسلام' ہے، اور یوں پرویز صاحب اس کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکانے پر کمر بستہ ہو گئے۔

زعمائے مسلم لیگ کی جان کو دو گونہ عذاب

زعمائے مسلم لیگ نے متحدہ ہندوستان میں علیحدہ وطن کے لئے اسلام کا نعرہ لگایا تھا۔ یہ نعرہ محض ایک سیاسی حربہ تھا یا فی الواقع مبنی بر اخلاص مقصد تھا؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد پاکستانی عوام اور علماءِ کرام نے حکمرانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ اسلام کو نافذ کریں۔ حکمرانوں کا حال یہ تھا کہ وہ مغربی افکار و نظریات کا دودھ پی پی کر پلے تھے، ان کے گھروں میں دنیا جہاں کے سامانِ عیش و عشرت موجود تھے لیکن جائے نماز تک نہ ملتا تھا۔ رہن سہن، بود و باش، طرزِ زندگی، لباس اور چال ڈھال سب مغربی رنگ میں مصبوغ تھے۔ نہ وہ اسلام کا مطالعہ رکھتے تھے اور نہ ہی عملی زندگی میں اسلام کے اثرات دکھائی دیتے تھے، اس لئے نہ وہ اسلام کو جانتے تھے اور نہ وہ اسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ نیت رکھتے تھے، لیکن عوام الناس، علماءِ کرام اور دینی جماعتوں کی طرف سے مطالبہ نفاذِ اسلام کے لئے عائد کئے جانے والے دباؤ پر حکمران زچ ہو کر پیچ و تاب کھا رہے تھے اور اربابِ اقتدار کے لئے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ بن چکا تھا کہ نہ ہی اُگلے بنے اور نہ ہی نگلے بنے؛ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن! وہ قولاً یہ اعلان کر نہیں سکتے تھے کہ ''ہم اسلام کو نافذ نہیں کریں گے۔'' اور عملاً ایسا کرنے میں وہ مخلص ہوتے بھی تو اسلام سے ناواقفیت کے باعث ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے!!

غلام احمد پرویز کی خدمتِ سرکار

ایسے کٹھن وقت میں جناب غلام احمد پرویز صاحب حکمرانوں کے کام آئے اور اُنہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اسلامی نظام میں، جس کے نفاذ کے لئے علماء اور عوام دباؤ ڈال رہے تھے، کیڑے ڈالنا شروع کر دیے، اور سرے سے اسلامی نظام اور اس کے تصور ہی کو ناقابل عمل قرار دینا شروع کر دیا اور اس قسم کا پراپیگنڈہ کرتے ہوئے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ...... ''بھلا اس تہذیب و تمدن کے روشن دور میں چور کو قطع ید کی سزا دی جائے گی؟ زانی محصن کو رجم اور کنوارے زنا کاروں کو ضربِ تازیانہ کا نشانہ بنایا جائے گا؟ جنگی قیدیوں کو بعد از تقسیم، غلام اور ان کی عورتوں کو کنیزیں بنا کر رکھا جائے گا؟ پھر یہاں کئی فرقے موجود ہیں، کس فرقے کی فقہ (بلکہ اسلام) کو نافذ کیا جائے گا؟ کیا باقی فرقے، کسی ایک فرقے کی فقہ کے نفاذ کو گوارا کر لیں گے؟ جو علما، نماز کی اختلافی جزئیات کو ختم کر کے، کوئی متفق علیہ شکلِ نماز طے نہیں کر سکے، وہ بھلا متفقہ دستور و آئین کی تشکیل میں کامیاب ہو جائیں گے؟ تب بھلا اسلامی نظام میں فیصلے کا آخری اختیار کیا علماء کے ہاتھ میں نہیں آ جائے گا؟ اگر ایسا ہوا تو کیا یہ مذہبی پیشوائیت (Priesthood) نہیں ہو گی؟ پھر بھلا یہ اسلامی نظام، کیا آج کے 'ترقی یافتہ' اور 'روشن دور' میں چل بھی سکے گا؟ کیا علماء کا یہ اسلام، آج کے انتہائی 'ارتقا یافتہ دور' میں عقل و فکر کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے؟ ...... یہ اور اس طرح کے گوناگوں سوالات چھیڑ چھیڑ کر، اُنہیں مختلف اسالیب و پیرائیوں میں، دُہرا دُہرا کر پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) نے ایک طرف لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف حکمرانوں میں سے ہر ایک اونگھتے ہوئے کو ٹھیلنے کا بہانہ مل گیا اور چونکہ یہ اسلامی نظام قرآن و سنت پر مبنی تھا، اس لئے سنت کے بارے میں بھی، ژولیدہ فکری پیدا کرنے کے لئے 'مفکرِ قرآن' مصروفِ ''جہاد'' ہو گئے۔ سنتِ نبویہ ﷺ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے طلوعِ اسلام میں ایک ارتیابی مہم اور تشکیکی تحریک چلائی گئی۔ جس طرح اسلامی نظام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے مختلف اسالیب اور متنوع انداز اختیار کیے گئے، بالکل اسی طرح سنتِ رسول کے بارے میں بھی، اُسلوب و انداز بدل بدل کر اور طرح طرح کے سوالات کو چھیڑ چھیڑ کر، دماغوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ایسا کرتے ہوئے ایک طرف تو علماءِ کرام کا اِستخفاف اُڑایا جاتا کہ یہ لوگ علم سے کورے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصیرت سے عاری، قرآن سے نابلد، دلائل سے محروم اور تقاضائے وقت سے بے خبر ہیں جو طلوعِ اسلام کے سوالات اور دلائل کا جواب تک نہیں دے سکتے اور دوسری طرف خود مظلوم بن کر اپنے قارئین کو خود پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) یہ تاثر دیتے رہے ہے کہ علماءِ کرام اور دینی جماعتوں کے زعماء ان کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈے، باطل الزامات اور افترا پردازیوں کے ذریعہ اُن پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور پھر عوام الناس سے یہ اخلاقی اپیلیں کی جاتیں کہ وہ علماءِ کرام اور دینی جماعتوں کو اس غیر اخلاقی طرزِ عمل سے باز رکھنے کی کوشش کریں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ اور اس قسم کی تھیں وہ دلچسپیاں اور سرگرمیاں، جن میں طلوعِ اسلام پاکستان کے ابتدائی دور میں مگن اور منہمک تھا۔

طلوعِ اسلام کی چہار گونہ سرگرمیاں

طلوعِ اسلام، ہفتہ وار ہو یا ماہانہ، پرویز صاحب کے دروسِ قرآن ہوں یا کنونشن کے خطابات، ان سب میں جن اُمور کو سب سے بڑھ کر اہمیت دی جاتی تھی اور جن پر لسان وقلم اور دل و دماغ کی ساری قوتیں اور قابلیتیں صرف کی جاتی تھیں وہ مندرجہ ذیل چار اُمور ہیں:

۱۔ علماءِ اُمت کے خلاف نفرت کی مہم کو بھرپور انداز میں جاری رکھنا۔

۲۔ جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودیؒ کے خلاف خاص طور پر یلغاری مہم کو برقرار رکھنا۔

۳۔ انکارِ سنت کے لئے ارتیابی مہم اور تشکیکی تحریک کو پوری قوت سے چلائے رکھنا۔

۴۔ اصحابِ اقتدار سے استمتاعی تعلقات قائم رکھنا، مگر اُنہیں چھپائے رکھنا۔

یہ طلوعِ اسلام کی پالیسی کے چار مستقل اجزا ہیں، اور پرویز صاحب کی ساری سرگرمیاں انہی چار پہلوؤں پر محیط رہی ہیں۔ یہاں ہم صرف اس پالیسی کے جزو اوّل تک ہی اپنی گذارشات کو محدود رکھیں گے۔ باقی نکات پر طلوع اسلام کی دلچسپیوں کی تفصیل کسی اور فرصت پر اُٹھا رکھتے ہیں۔

علماء کے خلاف نفرت کی مہم

چونکہ علماءِ کرام پرویز صاحب کے پیش کردہ اُس قرآنی نظامِ حیات کے منکر ہیں، جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے معاشرتی اجزاء، مغرب کے فاسد تمدن سے اور معاشی نظام، پورے کا پورا اشتراکیت سے ماخوذ ہے، اس لئے وہ علماء کے خلاف انتہائی تحقیر آمیز اور معاندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں، تمام دنیا وجہان کی سمیٹی ہوئی برائیوں کو لفظ 'ملاّ' یا 'مولوی' میں سمو کر اسے علماء سے منسوب کرتے رہنا 'مفکرِ قرآن' کا مستقل شیوہ رہا ہے۔ پھر 'ملاّ' یا 'مولوی' کا یہ لفظ کسی خاص عالمِ دین کے لئے مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر وہ عالم مُلاّ یا 'مولوی' تھا جو قرآن وسنت پر مبنی نظامِ حیات کا قائل تھا اور اس نظامِ زندگی کا منکر تھا جسے 'مفکر قرآن' صاحب نے مغربی معاشرت کے اجزاء کو اشتراکی نظامِ معیشت کے ساتھ پیوندکاری کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک مغربی معاشرت کے اجزاء اور اشتراکیت کا یہ ملغوبہ تو 'قرآنی نظامِ حیات' تھا، مگر علماءِ کرام کا قرآن وسنت پر مبنی نظام محض ایک 'عجمی اسلام' تھا جو 'عجمی سازش' کا نتیجہ تھا۔ الغرض پرویز صاحب نے علماءِ کرام کے خلاف جو نفرت انگیز مہم اپنے انتہائی معاندانہ جوش وخروش کے ساتھ جاری وساری رکھی، اس کا ہلکا سا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ علماء کے خلاف اقتباسات کو پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا لیکن جب اقتباسات نقل کئے جارہے تھے تو اس وقت ارتجالاً ہلکا پھلکا اور مختصر سا تنقیدی تبصرہ بھی نوکِ قلم پر آ گیا۔

۱۔ ''حقیقت یہ ہے کہ 'مولوی' نہ کسی شخص کا خطاب ہے اور نہ کسی زمانہ سے مختص۔ یہ ایک ذہنیت ہے۔ پرانا مولوی جو کہے گا اور کرے گا، ماڈرن مولوی اس سے بہتر مظاہرہ نہیں کرسکتا اور وہی کچھ کہے گا، البتہ اس کے ہاں انگریزی کے بعض الفاظ کا استعمال ہوگا۔'' ❶

اس عبارت میں 'ماڈرن مولوی' سے مراد سید مودودیؒ ہیں، اس ضمن میں تفصیلی بحث ان شاءاللہ کبھی آئندہ ہوگی۔

۲۔ ''اہل مذہب کا دوسرا طبقہ وہ ہے جس کے نمائندے ہمارے 'علماء کرام' یا

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۵۰ء، ص ۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولوی صاحبان ہیں۔ مقصد زیرِ نظر کے لئے ان کی حیثیت وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ کے مخاطب اہل کتاب کی تھی۔ ان کا مذہب اسی قسم کا ہے جس قسم کا مذہب عہدِ نبی اکرم ﷺ یا آج کل کے اہل کتاب کا ہے۔'' ❶

ذرا اس ڈاکہ زنی اور 'چوری' کو ملاحظہ فرمایئے کہ پرویز صاحب خود تو اہل کتاب سے ایک فرزند یہودیت کارل مارکس سے پورا اشتراکی نظامِ معیشت لیتے ہیں اور بقیہ اہل کتاب سے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی فاسد تمدن اور فاجر معاشرت کے اقدار و اطوار کو قبول کرتے ہیں اور دورِ حاضر کے اس 'دین الٰہی' کو 'قرآنی نظام' قرار دیتے ہیں اور اس پر مزید 'سینہ زوری' یہ کہ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ''ان (علما) کا مذہب اسی قسم کا ہے، جس قسم کا مذہب عہد نبی اکرم ﷺ یا آج کل کے اہل کتاب کا ہے۔''

۳۔ ''اربابِ مذہب کے علاوہ اربابِ اقتدار کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ یہاں 'قرآنی معاشرہ' نہ بننے پائے۔ اس لئے کہ ان کی تمام مفاد پرستیاں خوابِ پریشاں بن کر رہ جاتی ہیں، قرآن جس طرح مذہبی پیشوائیت کا منکر ہے اسی طرح انسانی استبداد اور سرمایہ پرستی کو بھی جڑ سے اُکھاڑتا ہے۔ یہ ہے وہ چومکھیا لڑائی، جو طلوعِ اسلام کو یہاں لڑنی پڑ رہی ہے۔ مُلّا کے پاس نہ علم ہے نہ بصیرت، نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین۔'' ❷

پرویز صاحب کے چونکہ جملہ اربابِ اقتدار سے زندگی بھر اچھے تعلقات رہے ہیں، اس لئے اُن سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ ان لوگوں کی واقعی یہی خواہش ہوتی ہے کہ یہاں قرآنی معاشرہ نہ بننے پائے، لیکن 'مفکرِ قرآن' ہیں کہ ان کے لسان وقلم کا پورا زور اور دل و دماغ کی ساری قابلیتیں صرف 'مُلّا' ہی کے خلاف استعمال ہوتی ہیں۔ اربابِ اقتدار اُن کی چشم پوشی کے صدقے صاف بچ نکلتے ہیں، بلکہ احیاناً، وہ قابل تعریف بھی قرار پاتے ہیں، بالخصوص جبکہ

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، ص ۷۔

❷ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۵ء، ص ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ علماء کی مخالفت پر اتر آئیں، اس وقت یہ فاسق و فاجر حکمران بھی پرویز صاحب کی حمد و ستائش کے مستحق بن جاتے ہیں۔

۴۔ ''مولوی صاحبان کی طرف سے ہر اس تحریک کی مخالفت ہوگی جو مسلمانوں کو قرآن کی طرف دعوت دے، اس بنا پر ان کی طرف سے طلوعِ اسلام کی مخالفت بھی ضروری تھی۔ یہ حضرات طلوعِ اسلام کے پیش کردہ قرآنی دلائل کا جواب تو دے نہیں سکتے، اس لئے اُنہوں نے اس کے خلاف وہی حربہ پیش کیا ہے جسے یہ اپنے مخالفین کے لئے شروع سے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ اُنہوں نے مشہور کردیا کہ طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے۔'' ❶

یہاں 'مفکرِ قرآن' کی ذہنی خیانت اور خوے الزام بازی کو ملاحظہ فرمایئے کہ ''علماءِ کرام اُن کے قرآن کی مخالفت کرتے ہیں۔'' حالانکہ وہ قرآن کے نہیں بلکہ قرآن کے نام کی آڑ میں پیش کئے جانے والے اُس نظام کے مخالف ہیں جسے پرویز صاحب نے مغربی معاشرت کے طور طریقوں کو، اس اشتراکی نظامِ معیشت کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے جس پر اُنہوں نے قرآنی ٹھپہ لگا دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ 'مخالفتِ قرآن' اور چیز ہے اور 'منسوب الی القرآن تصور کی مخالفت' شے دیگر ہے۔ لیکن 'مفکرِ قرآن' صاحب ہمیشہ خلطِ مبحث سے کام لے کر قرآن کے نام پر گھڑے ہوئے اپنے ہر تصور کو بجائے خود 'قرآنی تصور' قرار دیا کرتے تھے۔ اور جن علماءِ کرام کی طرف سے ان کے اس خودساختہ تصور کی مخالفت ہوا کرتی تھی، اُنہیں وہ براہِ راست 'قرآن کا مخالف' کہا کرتے تھے۔

۵۔ ''سانپ اور مولوی: ٹائمز آف انڈیا میں ایک خبر چھپی ہے کہ جب گاندھی جی کے آشرم میں بہت سے چوہے پیدا ہوگئے، جو ان کے کاغذوں کو خراب کرتے تھے تو اُنہوں نے پونہ کے ایک ڈاکٹر سے ایسے سانپ منگائے جو چوہوں کو کھا جاتے ہیں لیکن انسانوں کے لئے بالکل بے ضرر تھے کیونکہ ان میں زہر نہیں

❶ طلوعِ اسلام، ۱۲ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا (چنانچہ اس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کے پاس اب بھی اس قسم کے کئی سانپ موجود ہیں)۔ اس سے ہمیں نیاز فتح پوری کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ اُنہوں نے ایک دفعہ لکھا کہ جس طرح سانپوں کی کئی قسمیں ہیں، اسی طرح مولویوں کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ سانپوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو زہریلے نہیں ہوتے لیکن مولویوں میں ایسی کوئی قسم نہیں پائی جاتی۔

فطرت کی یہ ستم ظریفی ہے کہ اس قسم کے بے ضرر (بلکہ مفید) سانپ تو ہندوستان میں رہ گئے اور مولوی صاحبان پاکستان میں آ گئے تاکہ یہاں کسی کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہو سکے۔ کیا یہ تقسیم بھی کہیں 'ریڈ کلف' صاحب ہی کی نظرِ عنایت کا نتیجہ نہیں۔'' ❶

جی نہیں! صرف مولوی صاحبان ہی نہیں بلکہ وہ مسٹر بھی یہاں آ گئے جو متحدہ ہندوستان میں ایک طرف انگریزوں کے قائم کردہ طاغوتی نظام کی مشینری کا کل پرزہ بن کر ماہانہ راتب وصول کیا کرتے تھے اور کانگرس کے رکن رکین مسٹر پٹیل کی ماتحتی میں کلرکی کا منصب پا کر اس کی تابعداری میں کتے کی ضرب المثل وفاداری سے بھی بڑھ کر وفاداری کا نذرانہ پیش کیا کرتے تھے اور دوسری طرف عین اُسی وقت جبکہ ہندو اور انگریز کے مشترکہ نظامِ طاغوت میں محض ماہانہ مشاہرہ کے عوض یہ وفادارانہ خدمات انجام دی جا رہی تھیں، اُس مسٹر نے جعلی 'مسلمان' بنتے ہوئے قلمی ناموں کی نقاب اوڑھ کر 'معارف ہائے قرآن' کے دریا بہانے کی مشق بہم پہنچائی۔ ع

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق

ایسے مسٹر آخر کیوں یہاں آئے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ جس طاغوتی نظام کی نمک خواری کے عوض متحدہ ہندوستان میں وہ تنخواہ پایا کرتے تھے، قرآن کا نام لے کر اُسی طاغوتی

---

❶ طلوعِ اسلام، ۱۹ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام کو پیش کریں اور جن علماءِ کرام سے، اس دجل و فریب کی پردہ دری عمل میں آئے، اُنہیں 'مخالفِ قرآن' قرار دیا جائے۔ اور یوں اس حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں جس کے فساق و فجار کارپردازوں کی نشوونما اور پرورش و تربیت مغربی نظریات کا دودھ پی پی کر ہوئی ہے۔ لیکن پھر اپنی اس حرکت پر پردہ ڈالتے ہوئے اُلٹا پراپیگنڈہ یہ کیا جائے کہ ''مذہبی پیشوائیت کا اربابِ اقتدار کے ساتھ ہمیشہ سانجھا پن اور گٹھ جوڑ رہا ہے۔''

اس طرزِ عمل سے ایک طرف اربابِ اقتدار بھی پرویز صاحب سے خوش رہتے ہیں اور دوسری طرف علماء کی مخالفت کے باعث عالم کفر بھی اُن سے شاداں و فرحاں رہتا ہے اور اُنہیں اس قسم کی تعریفی اسناد سے نوازتا ہے کہ......

''پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال اسلامی ریفارمر ہیں۔'' ❶

٦۔ ''ہم اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن کو مروّجہ ترجموں (بلکہ تفسیروں) کے ساتھ پڑھ لینے سے قرآن سمجھ میں نہیں آ سکتا، اگر اس طرح قرآن سمجھ میں آ سکتا ہوتا تو ہمارے 'علماءِ کرام' سے بڑھ کر قرآن سمجھنے والا اور کون ہوسکتا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں اور جس چیز کو وہ قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں، اس میں قرآن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔'' ❷

جی ہاں! قرآن بھلا ترجموں اور تفسیروں سے کب سمجھ میں آ سکتا ہے؟ پھر بھلا قرآن کو سمجھنے کے لئے 'قرآن' کی ضرورت بھی کیا ہوسکتی ہے؟ قرآن کو صحیح معنوں میں، اُن لوگوں نے سمجھا ہے جو قرآن کو ماننا تو رہا ایک طرف، جانتے تک نہیں ہیں۔ اگر آپ بھی قرآن سمجھنا چاہتے ہیں تو 'ترجموں اور تفسیروں' کو گلدستہ طاقِ نسیان بنا کر...... بلکہ خود قرآن کو بھی بالائے طاق رکھ کر...... دانشورانِ مغرب کی قدم بوسی کیجئے۔ آخر چارلس ڈارون نے جو نظریۂ ارتقا پیش کیا ہے، وہ 'قرآنی نظریہ' ہی تو ہے، جسے اُس نے بغیر کسی قرآن کے پیش کیا ہے اور پھر ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب کو بڑی جانگسل مشقتوں اور عرق ریزیوں کے ساتھ نظریۂ ارتقا

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔
❷ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۵۶ء، ص ٦۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اس چوہے کو جبل قرآن سے کھود کر نکالنا پڑا اور پھر اشتراکیت کا یہ معاشی نظام جسے کارل مارکس جیسے سکہ بند یہودی نے بغیر کسی قرآن کے پیش کیا ہے، ''قرآن ہی کا تو معاشی نظام'' ہے جسے پرویز صاحب نے اپنے ''دل کی پوشیدہ بیتابیوں'' اور اپنے ''دیدۂ تر کی بے خوابیوں'' کے ساتھ 'نظامِ ربوبیت' کا نقاب اوڑھا کر پیش کیا ہے اور پھر مغربی معاشرت کا پورا نقشہ (جس کے اہم اجزاء: مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب و نقاب، مرد و زن کی مطلق اور کامل مساوات بلکہ اب اس سے بھی آگے بڑھ کر نظریۂ افضلیتِ اُناث، تعددِ ازواج کی مخالفت وغیرہ ہیں۔ یہ سب کچھ) اہل مغرب نے بغیر کسی قرآن ہی کے تو پایا ہے۔ جسے بعد میں ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب کو اپنی ''خلوت و انجمن کے گداز'' اور اپنے ''نالہ نیم شب کے نیاز'' کے ساتھ قرآنی اسناد فراہم کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔

بس! اب آنکھیں بند کرتے ہوئے مغرب کی تقلید کرتے جایئے، یہی 'اتباع قرآن' ہے۔ یہی 'تمسک بالکتاب' ہے، یہی 'روشن خیالی' ہے، اور یہی 'عقل و فکر کے تقاضوں سے ہم آہنگ' روش ہے۔ مولوی حضرات کا پیچھا چھوڑیے ورنہ تمہیں اُن 'اَغلال و اِصر' کا بھاری بوجھ اُٹھانا پڑے گا جو قرآن و سنت پر مبنی 'عجمی اسلام' کا لازمہ ہیں۔

> ۷۔ ''مُلّا کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام ایک جامد (Static) اور متصلب (Rigid) مذہب ہے جس میں ارتقا (Evolution) کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو کچھ اس وقت شریعت کے نام پر رائج ہے اور جس کا علمبردار خود مُلّا کا طبقہ ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں دی جا سکتی۔'' ❶

علماءِ کرام کا یہ نظریہ ہے یا نہیں؟ فی الحال اسے نظر انداز کیجئے اور یہ دیکھئے کہ مغرب کے ان غلام فطرت 'دانشوروں' کا نظریہ کیا ہے؟ یہ لوگ جب اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، تو ارتقا کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں لیکن عملاً ان کا رویہ ارتقا (Evolution) کا نہیں، بلکہ اختراع (Innovation) کا رویہ ہوتا ہے۔ نام 'تصریف آیات' کا لیا جاتا ہے، لیکن عمل

❶ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۵۶ء، ص ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'تحریفِ آیات' کا ہوتا ہے۔ زبانی جمع وخرچ کی حد تک ذکر 'تفسیر قرآن' کا کیا جاتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں 'تغییر قرآن' کا دم بھرا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام اور قرآن کسی ٹھوس حقیقت کا نام نہیں ہے، بلکہ کسی شیٔ سیال کا نام ہے، جسے اگر جگ میں ڈالا جائے تو جگ کا روپ دھار لے، گلاس میں ڈالا جائے تو گلاس کی شکل اختیار کر لے، لوٹے میں ڈالا جائے تو لوٹا بن جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ہر بدلتی ہوئی شکل، پہلی شکل کا ارتقا نہیں ہے، بلکہ ازسرنو شکلِ غیر کا اختراع ہے۔ لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے، ہر بدلتی ہوئی شکل پر 'ارتقا' کا لفظ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ پرویز صاحب، آدم کے خلیفۃ اللہ ہونے کے قائل، اور اُن کی خلافت و نیابتِ الٰہی پر امنا و صدقنا کہا کرتے تھے، لیکن بعد میں اس حقیقت کے انکار پر اُتر آئے، ظاہر ہے کہ 'خلافت و نیابتِ الٰہیہ' کے اقرار کے بعد انکار کی روش 'ارتقا' (Evolution) نہیں، بلکہ متضاد اختراع (Contradictory Innovation) ہے لیکن طلوع اسلام اسے پرویز صاحب کی فکر کا ایک 'ارتقائی مرحلہ' قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے:

"اس مقالہ کی اشاعت سے ہمارے پیش نظر یہ دکھانا بھی مطلوب ہے کہ ایک مفکر کی فکر کن ارتقائی منازل میں سے گزرتی ہے۔" [1]

جس طرح پرویز صاحب کی متضاد اور متناقض تعبیرات قرآن کو یہ لوگ 'ارتقا' کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، بالکل اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم سے نچوڑی گئی متضاد تعبیرات کو 'ارتقاء' کا خوشنما نام دیتے ہیں حالانکہ ان کی بعد والی تعبیر، پہلی تعبیر کی 'ارتقاء یافتہ شکل' نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک نئی تعبیر کی 'اختراع شدہ صورت' ہوتی ہے۔

ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب اپنی 'اختراعی تعبیراتِ قرآن' کو 'ارتقائی تعبیرات' قرار دیتے ہیں، خواہ جہالت کا مظاہرہ کریں یا علمی خیانت کا، بہرحال یہ ایک معیوب حرکت ہے۔ علماءِ کرام 'ارتقاء' اور 'اختراع' کے مفہوم سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں کہ ان دونوں الفاظ کو مترادف المفہوم اور متماثل المعنی قرار دیں، اور نہ وہ بددیانت ہی ہیں کہ عملاً 'اختراع' کا

---

[1] ملاحظہ فرمائیے، طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویہ اپنائیں لیکن قولاً اسے 'ارتقا' باور کروائیں۔ وہ اسلام کو جامد اور متصلب نہیں سمجھتے (جیسا کہ پرویز صاحب نے ان پر الزام تراشی کی ہے) بلکہ اُصولِ اجتہاد کی روشنی میں اسلام کے ہر دور میں قابل عمل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ اسلام کو ضرور جامد اور متصلب سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کو ('ارتقا' کے نام پر) اپنی اختراعات کا نشانہ بناتے ہیں، اور اُلٹا ''چور، کوتوال کو ڈانٹے'' کے مصداق علماء پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ

''مُلّا کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام، ایک جامد اور متصلب مذہب ہے۔''

۸۔ ''اصل یہ ہے کہ ہمارا قدامت پسند طبقہ، جو کچھ مذہب کے نام سے پیش کرتا ہے، اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترے اور عقل و فکر کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔'' [1]

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا 'علم' اور کون سی 'بصیرت' ہے جس کی 'کسوٹی' پر علماءِ کرام کے پیش کردہ اسلام کو پرکھا جا رہا ہے؟ اور جس 'عقل و فکر' کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دُھن، دل ودماغ اور حواس ومشاعر پر چھائی ہوئی ہے، وہ کن سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہے۔

ایک 'علم و بصیرت' وہ ہے جو ایمان باللہ، اعتقاد بالرسالت اور یقین بالآخرت کا نتیجہ ہے اور جس کے رسوخ کا ذریعہ قال اللہ وقال الرسول کا گہرا مطالعہ ہے۔ یہ ایمان اور یہ مطالعہ، حیات و کائنات کے متعلق منفرد تصور پیدا کرتا ہے اور انسان کے قلب و ذہن کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالتا ہے، جس کے نتیجہ میں بندۂ مومن کے ردّ و قبول کا جداگانہ معیار قائم ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کو ایک مخصوص زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

دوسرا 'علم و بصیرت' وہ ہے، جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کا نتیجہ ہے۔ انسان کی 'عقل و فکر' جحد باللہ، انکارِ رسالت اور کفر بالآخرت کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا معیارِ اَخذ و ترک وہ ہوتا ہے جو کفر نے پیش کیا ہے۔ اس کے جانچ پرکھ کے پیمانے، ان پیمانوں سے مختلف ہوتے ہیں جو اسلامی معتقدات کے پیدا کردہ ہیں۔

---

[1] طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۶۰ء، ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرویز صاحب کا المیہ یہ ہے کہ وہ نام تو قرآن کا لیتے ہیں لیکن کام غیر قرآن کا کرتے ہیں۔ الفاظ تو قرآن ہی کے بولتے ہیں لیکن مفاہیم مستشرقین سے لیتے ہیں۔ آنکھیں تو اپنی ہی استعمال کرتے ہیں، لیکن زاویۂ نگاہ دشمنانِ اسلام سے لیتے ہیں۔ کان تو سننے کے لئے وہ اپنے ہی برتتے ہیں لیکن جو کچھ سنتے ہیں وہ اللہ و رسول کی نہیں بلکہ کارل مارکس، چارلس ڈارون اور برگسان وغیرہ کی سنتے ہیں، 'عقل وفکر' سے کام تو لیتے ہیں، مگر اُس عقل وفکر سے نہیں جو قرآن وسنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے، بلکہ اُس سے جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کے نتیجہ میں تشکیل پا چکی ہے۔ زبان تو وہ اپنی ہی استعمال کرتے ہیں، لیکن بولی، غیروں کی بولتے ہیں، بقول شاعر ؎

ان ہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں ، زبان میری ہے، بات ان کی!
ان ہی کی محفل سنوارتا ہوں ، چراغ میرا ہے، رات اُن کی!

'مفکرِ قرآن صاحب علماء کے پیش کردہ اسلام کو قرآن و سنت کے فراہم کردہ 'علم وبصیرت' کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے (قرآن کا نام لے کر) اُس 'علم وبصیرت' کی روشنی میں دیکھتے ہیں جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں علماء کا پیش کردہ اسلام تو ''عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرنے والا'' دکھائی نہیں دیتا، لیکن خود ان کا اپنا اسلام، جسے اُنہوں نے مغربی معاشرت کے اقدار و اطوار کو اشتراکی معیشت کے ساتھ منتھی کرکے پیش کیا ہے، اُنہیں عین ''عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرنے والا نظر'' آتا ہے ؎

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

۹۔ ''جب خلفاے راشدین کے جانشینوں نے سیاسی معاملات تو اپنی ملوکیت کی گرفت میں لئے اور مذہبی اُمور کو پیشوائیت کے سپرد کردیا، بظاہر یہ دو الگ الگ کیمپ دکھائی دیتے تھے لیکن ان کے مابین ایک ملی بھگت اور 'شریفانہ معاہدہ' کم وبیش ہر دور میں قائم رہا۔ مسلمان حکمران ان مذہبی پیشواؤں کے لئے مالی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
وظائف کا انتظام کرتے اور اس کے بدلے میں مذہبی پیشوائیت ان حکمرانوں کو

'امام المسلمین' اور 'ظل اللہ' کے مقدس خطابات سے یاد کرتی۔" ❶

حقیقت یہ ہے کہ سچ کی تو کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے جس سے آگے سچا آدمی تجاوز نہیں کر سکتا، لیکن جھوٹ کی کوئی حد ہی نہیں جہاں کوئی کاذب جا کر رک جائے۔ وہ جس قدر چاہے اپنی داستانِ زُور کو پھیلاتا چلا جائے، کوئی پوچھنے والا نہیں!

الف: 'مفکرِ قرآن' نے یہاں جو کچھ فرمایا ہے، وہ سرتاپا جھوٹ ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت نے اپنے سیاسی اقتدار کی مضبوطی اور استحکام کے لئے جب قرآن وسنت کی راہ سے گریز کیا اور ان کی سیاسی مصلحتیں دینی نصب العین پر حاوی ہوگئیں تو اربابِ اقتدار دین کی خدمت کیا کرتے بلکہ الٹا وہ خدامِ دین علماء وائمہ کی مساعیٔ دین میں روڑے اٹکانے لگے اور علماءِ کرام اور ائمہ عظام نے جو کچھ بھی اشاعتِ اسلام اور خدمتِ دین کے لئے کیا، وہ نہ صرف یہ کہ حکومتی وظائف سے بے نیاز ہوکر کیا، بلکہ اہل اقتدار کی سفاکیوں، ستم شعاریوں، جفا کاریوں اور خوں آشامیوں کے علی الرغم کیا۔ میں اگر تاریخ اسلام سے ایسے واقعات کو پیش کروں تو پرویز صاحب کے اندھے مقلدین 'مفکرِ قرآن' کا یہ رٹا رٹایا جملہ بول کر ان واقعات کو رد کردیں گے کہ...... "دین میں سند، نہ تاریخ کے مشمولات ہیں اور نہ مسلمانوں کے متواتر ومتوارث عقائد ومسالک، سند ہے خدا کی کتاب" ......اور خدا کی کتاب کے سند ہونے کا معنی، منکرین حدیث کے نزدیک وہ خیال ہے جسے 'مفکرِ قرآن' صاحب قرآن کے گلے منڈھ دیں۔ اس لئے میں مجبور ہوں کہ کتبِ تاریخ سے مواد پیش کرنے کی بجائے طلوعِ اسلام کے لٹریچر ہی سے، چند واقعات پیش کردوں جن سے 'مفکرِ قرآن' کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے:

پہلا اقتباس: سب سے پہلے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے اور خود سوچئے کہ محدثین ومتکلمین اور علماء وفقہاء اربابِ اقتدار سے مالی وظائف قبول کرتے ہوئے، ملوکیت کے پشتیبان بنتے رہے ہیں؟ یا خالص اور صحیح اسلام پیش کرنے کے لئے تحریکیں چلاتے رہے ہیں،

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۶ء، ص ۴۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ کسی ایک عصر و مصر تک محدود معاملہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی تاریخ کا دائمی اور مستقل معاملہ ہے:

''مسلمانوں کی تاریخ میں افراط و تفریط کے خلاف خالص اور صحیح اسلام پیش کرنے کے لئے ہر دور میں قلندرانہ تحریکات چلتی رہی ہیں۔ محدثین و متکلمین کی آویزش، اور ازاں بعد، متکلمین کی باہمی سر پھٹول، مامون الرشید عباسی کے دور میں فتنۂ خلق قرآن اور اس طوفان میں امام احمد بن حنبل کا محیر العقول عزم و ثبات، اس کے بعد منطق و علم کلام کے غیر اسلامی اثرات کو کالعدم ٹھہرانے کے لئے علامہ ابن تیمیہ کی مبارک تحریک، نجد میں وہابی تحریک کا آغاز، افریقہ میں مہدی سوڈانی اور شیخ سنوسی کی سرگرمیاں، ہندوستان میں حضرت مجدد الفِ ثانی کا غیر اسلامی تصورات کے خلاف مسلسل و پیہم جہاد، اور حضرت علامہ سید جمال الدین افغانی کی تحریکِ اتحادِ عالم اسلام (Pan-Islamism) وغیرہ اس دعویٰ کا زندہ ثبوت ہیں کہ ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کے اندر ایک ذہنی انقلاب کی رو تیز گام رہی ہے۔'' ❶

دوسرا اقتباس: اب دوسرے اقتباس میں یہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ ائمہ و علما (جنہیں پرویز صاحب بڑی حقارت و نفرت کے ساتھ ملّا ازم، مذہبی پیشوائیت اور تھیا کریسی کے لیبل کے تحت مرتے دم تک مطعون کرتے رہے ہیں، اُنہوں نے) حکومتی استبداد کے سامنے سر جھکا کر ان سے وظائف حاصل کرتے ہوئے انہیں 'امام المسلمین' اور 'ظل اللہ' کہا تھا یا ان کے زیرِ عتاب رہ کر فریضہ حق گوئی ادا کیا تھا۔ ان دینی پیشواؤں میں سے امام احمد بن حنبل کا کردار ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

''مامون الرشید کے عہد میں حالات نے پلٹا کھایا اور وہ خود اور اس کے درباری، قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہو گئے، اب محدثین پر کفر کے فتوے لگنے شروع

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۴۷ء، ص ۱۹۔ ۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے اور وہ جرمِ ارتداد کی سزا میں قتل ہونے لگے، اکثر علماء نے مجبوراً قرآن کو مخلوق کہہ کر اپنی جانیں بچائیں۔ لیکن بہت سے اپنے عقیدے پر قائم رہ کر سخت ترین اذیتیں جھیلتے اور موت کے گھاٹ اُترتے رہے۔ انہی میں امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت بھی تھی۔ امام صاحب کو جس طرح قید و بند کے عذاب میں مبتلا رکھا گیا، اس کے تصور سے روح کانپ اُٹھتی ہے، اُنہیں دربار میں بلا کر کوڑوں سے پٹوایا جاتا تھا اور جب وہ بے ہوش ہو جاتے تو پھر قید خانے میں بھجوا دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک دن، دو دن نہیں بلکہ پورے اڑھائی سال تک جاری رہا۔ معتصم ان سب لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے لیکن امام صاحب کے قتل کی جرأت اس نے نہیں کی کیونکہ ان کے ساتھ عوام کی عقیدت بہت گہری تھی۔'' [1]

تیسرا اقتباس: تیسرے اقتباس میں قاضی عزالدین بن عبدالسلام کا ایک ایسا واقعہ مذکور ہے جس میں انہوں نے ایک ایسے کام کا عزم کیا جو اَعیانِ سلطنت کے لئے باعث غضب اور موجب انتقام تھا اور قاضی صاحب تن تنہا اور نہتے ہاتھوں، ننگی تلواروں کے مقابلہ کیلئے نکل آئے:

''نائب السلطنت نے غضب ناک ہو کر کہا کہ ہم روئے زمین کے ملوک ہیں۔ قاضی کی کیا مجال کہ وہ ہمارے سامنے دم مار سکے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن مار دوں گا۔ یہ کہہ کر اپنے اعوان و انصار کی ایک جماعت لے کر چلا۔ سب کے سب غصے میں بھرے ہوئے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ جب ان کے گھر کے پاس پہنچے تو شور سن کر ان کا لڑکا باہر [illegible] کیفیت دیکھ کر سہما ہوا اندر گیا اور باپ کو مطلع کیا [illegible] بولے۔ ''تیرے باپ کا یہ رتبہ کہاں کہ راہِ حق میں اس کا خون بہایا جائے'' یہ

[1] طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، ص ۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

نائب السلطنت کی نگاہ جب ان کے اوپر پڑی تو جلالِ حق سے کانپنے لگا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور رو کر بولا "یا مولانا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" فرمایا: "تم لوگوں کو فروخت کروں گا۔" بولا کہ "قیمت کون لے گا؟" جواب دیا کہ "میں، اور اس کو بیت المال میں داخل کروں گا۔" چنانچہ یہی کیا اور سربازار ان سب کو فروخت کرا دیا۔ قاضی عزالدین اربابِ حال میں سے تھے اور ان کا لقب سلطان العلماء تھا۔" ❶

چوتھا اقتباس: اور اب یہ بھی دیکھئے کہ راگ رنگ اور گیت سنگیت کے رسیا حکمرانوں کے سامنے قاضی شرف الدین بن عین الدولہ پرستارِ ملوکیت کا کردار ادا کرتے ہیں یا پرستارِ حق کا؟

"اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی شرف الدین بن عین الدولہ کا ہے جو مصر میں قاضی تھے۔ ان کی عدالت میں ملک کامل، سلطان مصر کسی مقدمہ میں شہادت میں طلب ہوا۔ وہ چونکہ روزانہ ایک مغنیہ کا گانا سنا کرتا تھا، اس وجہ سے قاضی موصوف نے اس کی شہادت لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے قاضی کی شان میں سخت کلمہ استعمال کیا، قاضی نے کہا کہ یہ عدالت کی توہین ہے اور اسی وقت اپنی برطرفی کا اعلان کر کے مسند سے اُٹھ کر چلے آئے۔ سلطان نے مجبوراً جا کر معافی چاہی اور ان کو راضی کیا، کیونکہ اس کو اپنی بدنامی اور نامقبولیت کا خطرہ ہوا۔" ❷

طلوعِ اسلام کے لٹریچر میں ایسے بیسیوں واقعات مذکور ہیں، خوفِ طوالت کی بنا پر ان چار اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کی روشنی میں خود دیکھ لیجیے کہ 'مفکرِ قرآن' کے اس بیان میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے کہ "دینی پیشواؤں اور حکمرانوں' کے مابین ایک ملی

---

❶ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۳۸ء، ص ۶۶۔ ❷ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۳۸ء، ص ۶۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھگت اور 'شریفانہ معاہدہ' کم وبیش ہر دور میں قائم رہا ہے۔ مسلمان حکمران ان مذہبی پیشواؤں کے لئے مالی وظائف کا انتظام کرتے اور اس کے بدلے میں مذہبی پیشوائیت ان حکمرانوں کو 'امام المسلمین' اور 'ظل اللہ' کے القاب سے یاد کرتی۔''

ب: لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علماءِ حق اور ائمہ ہدایت نے نہ صرف یہ کہ اربابِ اقتدار سے ایسا کوئی 'شریفانہ معاہدہ' اور 'ملی بھگت' نہیں کی، بلکہ ان کے مالی وظائف سے بے نیاز ہوکر، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔ اور ان کے زیرِ عتاب اور زیرِ زنجیر وسلاسل رہ کر خدمتِ دین بجا لاتے رہے، کجا یہ کہ وہ انہیں ظل اللہ وغیرہ خطابات سے نوازتے۔ یہ 'مفکرِ قرآن' کے جھوٹ کا بھی ایک رخ ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے جو 'مفکرِ قرآن' کے کذب و زُور کا بھی رخِ ثانی ہے۔

معتزلہ اور منکرین حدیث

ہماری تاریخ میں معتزلہ نامی ایک ایسا گروہ گزرا ہے جس کے قارورے کے ساتھ موجودہ منکرین حدیث کا قارورہ ملتا ہے۔ نظریہ وفکر کے اعتبار سے، ماضی کے معتزلہ اور حال کے منکرین حدیث باہمدگر **تشابهت قلوبهم** کے رشتہ میں منسلک ہیں۔

☆ جس طرح یہ لوگ وحی اور کتاب اللہ کا نام لے کر عقل کو بالاتر حیثیت دیتے ہوئے، فکر اغیار کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوکر قرآن کا تیا پانچہ کر ڈالتے ہیں، اسی طرح معتزلہ کے ''قرآنی دانشور'' بھی غیروں کی فکری اسیری میں مبتلا ہوکر غلبۂ عقل کے نعرہ کے ساتھ قرآن کو نشانہ بنایا کرتے تھے، جیسا کہ 'عقل کا غلبہ' کے زیرِ عنوان خود طلوعِ اسلام یہ کہتا ہے:

> ''وہ عقل کے تسلط کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ عقل خود حسن و قبح کی معرفت حاصل کرسکتی ہے، خواہ شریعت نے کسی بات کے حسن و قبح کو بیان کیا یا بیان نہ کیا ہو۔'' [1]

---

[1] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۶۰ء، ص ۷۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ جس طرح یہ لوگ انکارِ حجیتِ حدیث کے باوجود خود کو منکرینِ حدیث کہنا یا کہلوانا پسند نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں، اُسی طرح وہ لوگ بھی اعتقاداً مسلمانوں سے الگ راہ اختیار کرنے کے باوجود بھی خود کو معتزلہ کہنا یا کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے:

"یاد رہے کہ یہ لوگ خود اپنے آپ کو خوارج یا معتزلہ نہیں کہتے تھے، اپنے آپ کو خالص مسلمان سمجھتے تھے۔" ❶

☆ جس طرح آج کے منکرین حدیث صرف قرآن ہی کی سندیت کے قائل ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی تنہا قرآن ہی کی حجیت کے قائل تھے۔

"وہ ہر دینی معاملے میں قرآن مجید کو سند قرار دیتے تھے۔" ❷

☆ جس طرح آج کے منکرین حدیث، مغربی معاشرت کے اجزا و عناصر کو اور اشتراکیت کے نظامِ معیشت کو قرآن میں زبردستی گھسیڑنے پر جتے ہوئے ہیں، اسی طرح کل کے معتزلہ بھی یونانی فلسفہ کا پھانہ اسلامی عقائد میں ٹھونکنے پر تلے ہوئے تھے:

"یونانی فلسفہ کو اپنا کر اُنہوں نے اسلامی عقائد میں اسے جس خوبی سے سمویا اور علم کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی، وہ اس کی زندہ شہادت ہے۔" ❸

☆ ان وجوہِ مشابہت کی بنا پر آج کے منکرینِ حدیث معتزلہ کی انتہائی تعریف و تحسین کرتے ہیں اور ان کے زوال پر یوں نوحہ کناں ہیں:

"ہمارے متقدمین میں معتزلہ اہل علم کا وہ گروہ تھا جن کی نگاہ صحیح اسلام پر تھی اور وہ قرآنِ مجید پر عقل و بصیرت کی رو سے غور کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو ہماری مذہبی پیشوائیت کس طرح جینے دیتی۔ نتیجہ یہ کہ نہ صرف ان اربابِ فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا گیا، بلکہ ان کے علمی کارناموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔" ❹

---

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۳ء، ص ۵۵۔

❷ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۷۸ء، ص ۴۸۔

❸ طلوعِ اسلام، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۔

❹ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۶۷ء، ص ۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ معترضہ: ...... قبل اس کے کہ اس بحث میں پیش قدمی ہو، قارئین کرام سے یہ درخواست ہے کہ 'مفکرِ قرآن'، 'مدرسِ فرقان' اور 'مفسرِ کتاب' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کے اس جھوٹ کو خاص طور پر نگاہ میں رکھیں کہ ...... ''مذہبی پیشوائیت نے معتزلہ کو جینے نہیں دیا، اور خود ان کا اور ان کے علمی کارناموں کا خاتمہ کر ڈالا۔'' آگے چل کر طلوعِ اسلام ہی کی عبارت سے اس جھوٹ کا جھوٹ ہونا واضح ہو رہا ہے، نیز یہ بھی کہ معتزلہ کو کسی 'مذہبی پیشوائیت' نے نہیں، بلکہ خود ان کی اپنی کرتوتوں نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا۔

اس جملہ معترضہ کے بعد، اب یہ دیکھئے کہ فتنۂ اعتزال کو ماضی میں عروج کیسے ہوا؟ اس طرح کہ فتنۂ اعتزال کے علمبرداروں میں سے دو 'دانشوروں' احمد بن ابی دؤاد اور ثمامہ نے کسی نہ کسی طرح اربابِ اقتدار تک رسائی پالی اور اُنہیں اپنا ہم خیال بنا لیا، جس کے نتیجہ میں اس فتنہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی۔ حکومتی اثر و رسوخ اور ذرائع و وسائل سے اس کا حلقۂ اثر پھیلتا چلا گیا، انتظامیہ اور عدلیہ کے اعلیٰ مناصب کے دروازے معتزلہ پر چوپٹ کھول دیے گئے اور جو لوگ اس مسلک کے خلاف تھے، ان سے حکومتِ وقت بڑے جابرانہ اور ظالمانہ انداز سے نپٹتی اور اُنہیں قید و بند سے لے کر، دار و رسن کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار طلوعِ اسلام بھی نہیں کر سکا:

> ''احمد بن ابی دؤاد اور ثمامہ کی کوششوں سے مامون الرشید نے باقاعدہ طور پر اس مسلک کو قبول کر لیا اور مسلکِ اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا۔ اس سے وقتی طور پر مسلک اعتزال کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ الناس علیٰ دین ملوکہم کے مطابق، ہر طرف مسلکِ اعتزال کا چرچا ہونے لگا۔ ان کا مسلک چونکہ عقل و بصیرت پر مبنی تھا، اس لئے وہ خود بھی لوگوں کو اپیل کرتا تھا، اس کے ساتھ ہی سرکاری مشینری بھی اس کی تائید میں حرکت کرنے لگی تو وہ پورے عالم اسلام پر چھا گیا۔ عدالتوں میں فیصلے اسی مسلک کے مطابق ہونے لگے، جو لوگ اس مسلک کے خلاف زبان ہلاتے تھے، ان سے حکومتِ وقت کی طرف سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقاعدہ باز پرس کی جاتی تھی اور سزائیں دی جاتی تھیں۔'' ❶

کم ظرف لوگوں کو اقتدار کا سہارا مل جائے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، چنانچہ معتزلہ کو جو اقتدار کی پشت پناہی حاصل ہوئی، تو اُنہوں نے ٹھیک وہی حرکت کی جسے 'مفکر قرآن' صاحب بہتانا 'مذہبی پیشوائیت' اور 'ملاازم' کی خودساختہ اصطلاحات کے تحت علماءِ کرام کی طرف منسوب کرنے کے عادی رہے ہیں، یعنی فتویٰ بازی:

''خلق قرآن کا مسئلہ معتزلہ کو جعد بن درہم ہی سے وراثت ملا، پہلے معتزلہ اس نظریہ کے قائل نہیں تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قرآن کے مخلوق ہونے پر متفق ہوگئے اور جو شخص قرآن کو غیر مخلوق کہتا تھا اس پر کفر اور فسق کے فتوے لگاتے تھے۔ معتزلہ میں احمد بن ابی دؤاد پہلا معتزلی ہے جس نے قرآن کو غیر مخلوق کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا۔'' ❷

اس کے بعد معتزلہ کی 'مذہبی پیشوائیت' اور 'تھیا کریسی' نے اگلا قدم اُٹھایا۔ وہ کیا تھا؟ ملاحظہ فرمایئے:

''اُنہوں نے کہا کہ خلیفہ اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے عقیدہ کو جو توحید کے خلاف ہے، قوت سے مٹائے۔'' ❸

پھر کیا ہوا؟ ......طلوعِ اسلام ہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''اس عقیدہ کی پُشت پر چونکہ حکومتِ وقت بھی تھی، اس لئے لوگوں کو صرف کفر و شرک کے فتوؤں ہی سے مرعوب نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان فتوؤں کے بعد لوگوں کو طرح طرح کی سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔'' ❹

وہ علما جو اپنے عقائد پر ثابت قدم رہے، اور جن میں امام احمد بن حنبل سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اُنہیں لله في الله یہ صعوبتیں برداشت کرنے کے نتیجہ میں، اللہ تعالیٰ نے ایسی

---

❶ طلوعِ اسلام، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۔
❷ طلوعِ اسلام، ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔
❸ طلوعِ اسلام، ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔
❹ طلوعِ اسلام، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر و منزلت سے نوازا کہ معتزلہ، سرکاری سرپرستی کے باوجود اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں بھی اس اعزاز و اکرام سے محروم رہے۔

یہ ہے تصویر کا دوسرا رُخ کہ اربابِ اقتدار سے ملی بھگت اور 'شریفانہ معاہدہ' کرنے اور سرکاری مناصب پانے والے، دراصل وہ 'اربابِ فکر و نظر' اور 'صاحبانِ عقل و بصیرت' تھے جو 'یونانی فلسفہ کو اسلامی عقائد میں سمو ڈالنے' کی کوششوں میں جُتے رہے تھے۔ اور جو آج کے منکرین حدیث کے فکری آباء و اجداد تھے نہ کہ وہ علماء و فقہا اور محدثین و مجتہدین جو پابند سلاسل رہ کر، قید و بند کی اذیتیں جھیلتے ہوئے اور ضربِ تازیانہ کا نشانہ بنتے ہوئے، حکومتی مناصب اور سرکاری وظائف سے بے نیاز ہوکر، خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام پر کمربستہ رہے اور یہی کذبِ پرویز کی تصویر کا دوسرا رخ ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ 'مفکر قرآن' تنکیسِ واقعات، تقلیبِ اُمور اور مسخِ حقائق میں کس قدر جھوٹ اور دیدہ دلیری سے کام لیا کرتے تھے۔ وہ ائمہ اور علماء جو سیاسی فرمانرواؤں سے الگ رہے، ان پر یہ الزام عائد کیا کہ ان کی ہمیشہ اربابِ اقتدار سے ملی بھگت رہی ہے اور جو فی الواقع اقتدار کی چھتری تلے بیٹھ کر، علماء و ائمہ پر کفر و شرک سے فتوے لگا کر اربابِ اقتدار کو ان کے خاتمہ پر اکساتے رہے وہ 'اہل عقل و بصیرت' اور 'اصحابِ فکر و نظر' قرار پائے ؏

جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے!

سبب زوال معتزلہ: ...... سرکاری سرپرستی میں شجر اسلام پر پھیلنے والی اس اکاس بیل کا خاتمہ کیسے ہوا؟ پرویز صاحب حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ بے پَر کی اڑاتے ہیں کہ......

''ان اصحابِ فکر و نظر کا خاتمہ مذہبی پیشوائیت نے کیا۔'' حالانکہ ان کے زوال بلکہ خاتمہ کا سبب، خود ان کی یہ حرکت تھی کہ وہ آفتابِ اقتدار کے پجاری بنے، اربابِ اقتدار کی کاسہ لیسی کی، سرکاری مناصب پر براجمان ہوکر اپنے کفر و شرک کے فتوؤں کے ذریعہ خون کی ندیاں بہائیں، مخالفین کو قید و بند کی صعوبتوں میں پھانسا اور اہل علم اور ائمہ عظام کو کوڑوں سے پٹوایا جس کے نتیجہ میں عوام ان سے متنفر ہوئے اور ان علماء و ائمہ کی عقیدت و محبت اَضعافاً مضاعفۃ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو کر لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو گئی۔ ایک طرف معتزلہ کی دنیائے دنی کی ہوس تھی، اور دوسری طرف اہل علم کی مسلکِ حق پر اذیتوں اور صعوبتوں کے باوجود ثابت قدمی اور اخلاص کی دولت تھی۔ معتزلہ کی ان حرکات سے نفرتِ عامہ اور مسلم فقہاء و علما کا مصائب پر اعلیٰ درجے کا صبر و ثبات، یہ تھا معتزلہ کے زوال و انحطاط کا اصل سبب جس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ یہ سببِ اصلی بھی کسی تاریخی کتاب سے پیش کرنے کی بجائے طلوعِ اسلام ہی سے پیش کرنا مناسب ہے:

"احمد بن ابی دؤاد اور ثمامہ نے یہ بڑی سیاسی غلطی کی کہ مسلکِ اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں دے دیا۔ مامون الرشید، معتصم باللہ اور واثق باللہ نے مسلک اعتزال کو قبول کر کے جبر و اکراہ سے اس مسلک کو عوام میں پھیلانے کی کوششیں شروع کر دیں، اس کے لئے تشدد اور سختیاں شروع ہوئیں تو جس نے بھی اس تشدد کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا ثبوت دیا وہ عوام میں ہیرو بن گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر عباسی خلفا مسلکِ اعتزال کو قبول نہ کرتے تو اعتزال کے مسلک پر ان کا یہ بڑا ہی احسان ہوتا یا اگر اُنہوں نے اس مسلک کو قبول کر لیا تھا تو اسے بنوکِ شمشیر عوام سے منوانے کی کوشش نہ کرتے تو معتزلہ اس تباہی سے یقیناً محفوظ رہتے جس سے اُنہیں آگے چل کر دوچار ہونا پڑا۔ معتزلہ نے اپنی اس سیاسی غلطی کو بروقت محسوس نہ کیا۔ یہ محدثین و فقہاء کے خلاف کفر و شرک کا فتویٰ دیتے تھے اور برسرِ اقتدار طبقہ ان علما و مشائخ کو دار و رسن کی مشقتوں میں مبتلا کر کے عوام میں ان کو ہیرو بنا دینے پر اپنی تمام کوششیں صرف کر رہا تھا۔" [1]

لیکن کیا آج کے معتزلہ اور تحریکِ طلوعِ اسلام نے اپنے پیشرو معتزلہ سے کوئی سبق سیکھا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ جہاں اخلاص نہ ہو، دنیائے دنی کی محبت ہو اور کسی تحریک کا بانی اور لیڈر خود نظامِ طاغوت کی سرکاری مشینری کے کل پرزہ کی حیثیت سے روٹی کا غلام بن رہا ہو اور

[1] طلوعِ اسلام، ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مخالفین پر منکرین قرآن اور منافق ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہو اور ہر صاحبِ اقتدار سے اچھے مراسم ہر دور میں قائم رکھتا ہو اور اپنے مخالفین کے خلاف حکومت کو مشورے دے رہا ہو اور ماضی کے معتزلہ کے نقش قدم پر چل کر غیر اسلامی تصورات کو قرآن میں سمو ڈالنے کی کوشش میں جُتا ہو اور اپنے کنونشنوں میں وزراء کو اور اربابِ اقتدار کو کرسیٔ صدارت پر بٹھاتا ہو، اور اشتراکی ممالک کے سفیروں سے ملاقات کا حریص ہو، وہ 'مفکرِ قرآن' اگر یہ کچھ نہ کرے تو آخر اور کیا کرے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۵

مولانا مودودیؒ کے خلاف

پرویز صاحب کا انتہائی معاندانہ اور زہریلا پراپیگنڈہ ☆

فتنہ انکار حدیث کی مسند ضلالت، جس آخری پیشوا کے حصہ میں آئی، وہ پاکستان میں، چوہدری غلام احمد پرویز تھے۔ وہ قلمکاری کی بہترین خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی شخصیت کا یہ پہلو بڑا تابناک ہے کہ وہ نثر نگاری میں ایک منفرد اندازِ نگارش رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں میں ادب کی چاشنی، نغمہ وشعر کی حلاوت، الفاظ کی نفاست اور عبارت کی سلاست، متاثر کن حد تک پائی جاتی ہے۔ اس پہلو سے وہ ایک منفرد شخصیت تھے، لیکن ان کی انفرادیت کا ایک پہلو اور بھی ہے، جو اکثر و بیشتر نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے، اور وہ یہ کہ میدانِ علم وقلم میں وارد ہوتے وقت، وہ صدقِ مقال اور رزقِ حلال کی خوبیوں سے تہی دست تھے، چنانچہ جب وہ جادۂ علم ونگارش پر گامزن ہوئے، تو ان کی زبان، ان کے دل کی رفیق نہ تھی، جو جھوٹ ہی کی ایک صورت تھی، اور وہ محض روٹی کی خاطر ایک ایسی حکومت کی چاکری کر رہے تھے جو قرآن کی نگاہ میں باطل حکومت تھی۔ اس اجمال کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اطاعتِ نبی ﷺ کا ''بت''

پرویز صاحب اپنے آپ کو بڑے فخر وانبساط کے ساتھ ''نومسلم'' کہا کرتے تھے:

''اسلام کی حقیقتوں پر میرا ایمان تقلیدی نہیں۔ تقلیدی ایمان کو تو میں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ میرا یہ ایمان، ذاتی تحقیق، علم وبصیرت، اور دلائل و براہین پر مبنی ہے، اور اس جہت سے میں، اپنے آپ کو نومسلم کہا کرتا ہوں۔'' [1]

☆ غیر مطبوعہ مقالہ

[1] شاہکارِ رسالت، گذرگاہِ خیال، صفحہ ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے تقلیدی ایمان کو کب خیر باد کہا؟ اور وہ کب نومسلم ہوئے؟ مندرجہ ذیل اقتباس، اسی سوال پر یوں روشنی ڈالتا ہے:

''میری زندگی کا پہلا تہائی حصہ، اندھی تقلید کا تھا۔ اس زمانے میں، میں بھی اسی قسم کی باتیں محض تقلیداً کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد، میری زندگی کا تنقیدی دور آیا جس میں اندھی عقیدت کا تراشیدہ، ایک ایک بت پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ یہ لا کا دور تھا جس میں ہر اس عقیدے کی نفی ہوتی چلی گئی جسے بلا سوچے سمجھے اختیار کر رکھا تھا، اور اس کے بعد میری زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا، جس میں، میں نے جس عقیدہ کو بھی مانا، علی وجہ البصیرت مانا۔ اس طرح یوں کہیے کہ میں، قرآنِ عظیم کی صداقتوں پر از سرِ نو ایمان لایا۔'' [1]

۱۹۰۳ء میں متولد ہونے والے پرویز صاحب، ۱۹۷۳ء میں (جبکہ وہ اپنی زندگی کے ان ادوار ثلاثہ کا ذکر کر رہے تھے) ستر برس کے تھے۔ ان کی عمر کا پہلا تہائی حصہ (جو ۲۳ یا ۲۴ سال پر محیط ہے) اندھی تقلید میں گزرا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء کے بعد وہ ''اندھے مقلد'' نہ رہے تھے۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ تقلید اعمٰی کے دور سے خروج کے بعد، وہ ''اندھی عقیدت کے تراشیدہ'' کتنے ''بتوں کو پاش پاش کر'' چکے تھے، اور ان عقائد کی تعداد کتنی تھی، جنھیں وہ ''بلا سوچے سمجھے اختیار کر'' چکے تھے۔ اور جن کی لا کے دور میں ''نفی ہوتی چلی گئی'' لیکن ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ ان ''پاش پاش ہونے والے بتوں'' میں، ایک بت ''اطاعت رسول'' بھی ہے، جسے منکرین حدیث ''شخصیت پرستی'' کا نام دیتے ہیں۔ مولانا مودودی نے، ڈاکٹر عبدالودود سے قلمی مناظرہ کے دوران، قرآنی دلائل سے، قرآن کے علاوہ وحی کا اثبات کرتے ہوئے، اور پھر قرآن ہی کی رو سے اطاعت رسول کو جب لازم قرار دیا، تو ساتھ ہی، مولانا نے، ڈاکٹر صاحب سے یہ فرمایا کہ ...... ''اس کے بعد، آگے کسی بحث کا سلسلہ چلنے سے پہلے، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ، حق کے آگے جھکنے کے لیے تیار بھی ہیں

---

[1] طلوع اسلام. نومبر ۱۹۷۳ء، صفحہ ۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا نہیں'' ...... اس پر ڈاکٹر صاحب کا جواب یہ تھا کہ ...... ''ایک سچے مسلمان کی طرح، میں ہر وقت، حق کے آگے جھکنے کے لیے تیار ہوں، لیکن جہاں حق موجود ہی نہ ہو، بلکہ کسی بت کے آگے جھکنا مقصود ہو، تو کم از کم میں ایسا نہیں کرسکتا، کیونکہ شخصیت پرستی میرا مسلک نہیں'' ......

اس پر مولانا مودودی نے جو ایمان افروز جواب دیا، اسے ملاحظہ فرمائیں:

''سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سا ''بت'' ہے جس کے آگے جھکنے کے لیے آپ سے کہا گیا تھا؟ اور کس ''شخصیت پرستی'' کی آپ کو دعوت دی گئی تھی؟ میں نے صریح قرآنی آیات سے یہ ثابت کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حاکم، شارع، قاضی اور معلم و راہنما ہیں، اور اللہ ہی کے حکم کی بناء پر آپؐ کی اطاعت اور آپ کا اتباع ایک مومن پر واجب ہے، اسی حق کے مقابلہ میں جھکنے کے لیے میں نے آپ سے عرض کیا تھا۔ اس پر آپ کا مذکورہ بالا ارشاد یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید محمد ﷺ کی اطاعت اور پیروی ہی وہ ''بت'' ہے جس کے آگے جھکنے سے آپ کو انکار ہے، اور یہی وہ ''شخصیت پرستی'' ہے جس سے آپ گریزاں ہیں۔ اگر میرا یہ شبہ صحیح ہے تو میں عرض کروں گا کہ دراصل آپ شخصیت پرستی سے نہیں، خدا پرستی سے انکار کر رہے ہیں۔ اور ایک بہت بڑا بت آپ کے اپنے نفس میں چھپا ہوا ہے جس کے آگے آپ سجدہ ریز ہیں۔ جہاں سرِ اطاعت خم کرنے کا خدا نے حکم دیا ہو، وہاں جھک جانا بت کے آگے جھکنا نہیں، خدا کے آگے جھکنا ہے، اور یہ شخصیت پرستی نہیں، بلکہ خدا پرستی ہے۔ البتہ جو شخص اس سے انکار کرتا ہے، وہ دراصل حکم خدا کے آگے جھکنے کی بجائے، اپنے بت نفس کے آگے جھکتا ہے۔'' ❶

الغرض لا کے دور میں ''پاش پاش ہونے والے بتوں'' میں سے ایک ''بت'' اطاعت رسول کا بھی تھا، کیونکہ اس کے بعد، پرویز صاحب ''قرآنِ عظیم کی صداقتوں پر از سرِ نو ایمان

---

❶ سنت کی آئینی حیثیت، صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لائے'' تھے۔

یہ امر کہ ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء تک وہ '' سنت نبویہ کی بت پرستی'' اور اطاعت رسول کی '' شخصیت پرستی'' چھوڑ چکے تھے اور فقط قرآن ہی کی سندیت کے دعوے دار ہو کر فرقۂ اہل قرآن سے وابستہ ہو چکے تھے، یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ صرف اور صرف قرآن کی بنیاد پر انسائیکلو پیڈیا لکھنے کا جو منصوبہ پرویز صاحب کے پیشِ نظر تھا، اس کی پہلی کڑی...... معارف القرآن، جلد اول...... کا آغاز ۱۹۲۸ء میں ہوا تھا۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

'' جناب پرویز صاحب نے سلسلہ معارف القرآن کی ابتداء، ۱۹۲۸ء میں کی۔ پہلی جلد کا عنوان تھا '' اللہ''، جو بعد میں '' من ویزداں'' کے نام سے شائع ہوئی۔'' ❶

اس کتاب کو '' خالص'' قرآن کی بنیاد پر تصنیف کیا جا رہا تھا، (کیونکہ '' حجیت سنت نبویہ'' کا بت پاش پاش ہو چکا تھا)، وہ خود لکھتے ہیں:

'' معارف القرآن میں وہی کچھ لکھا گیا ہے، جو میں نے خالص قرآنِ کریم سے سمجھا ہے، کہ یہی اصول، اس کتاب کا نقطۂ ماسکہ ہے۔'' ❷

اب ظاہر ہے کہ اگر اس تصنیف میں، قرآن کے ساتھ ساتھ، سنت نبویہ کو بھی اساس بنایا جاتا، تو '' خالص'' قرآن سے تمسک کا وہ اصول '' پاش پاش ہو جاتا، جو اس کتاب کا نقطہ ماسکہ ہے۔'' اس لیے پرویز صاحب کی '' قرآنی بصیرت'' نے یہ فیصلہ کیا کہ سنت نبویہ کے اصول کو '' نقطۂ ماسکہ کے اصول'' پر قربان کر دینا چاہیے۔

مزید براں، اس حقیقت پر (کہ ۱۹۲۸ء تک وہ سنت نبویہ سے کٹ کر، محض قرآن ہی کی حجیت پر قائم ہونے کے دعویدار بن چکے تھے،) اُن کا یہ اقتباس بھی شاہد ہے:

'' مہ سال کے شمار سے، میں ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو اپنی عمرِ رواں کے پچھتّر (۷۵) سال پورے کر رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں تھا جس کا خصوصیت کے ساتھ

---

❶ طلوع اسلام: اپریل ۱۹۵۸ء، صفحہ ۴۔ ❷ معارف القرآن، جلد ۱، تعارف، صفحہ ۵۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلوعِ اسلام کے صفحات پر ذکر کیا جاتا۔ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی موجودہ قرآنی فکر اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں پچاس سال پورے کر رہا ہوں۔ عام اصطلاح میں، اسے گولڈن جوبلی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔" ❶

اس سے یہ قطعی واضح ہے کہ ۱۹۷۸ء سے پچاس سال قبل، یعنی ۱۹۲۸ء میں وہ سنت نبویہ سے دامن کش ہو کر صرف قرآن ہی کی حجیت اور سندیت کے دعویدار ہو چکے تھے۔ اور فرقۂ اہل قرآن سے وابستہ ہو کر "قرآنی ذہن" بن چکے تھے۔

خلافِ ضمیر، اظہارِ خیال

الغرض، اوپر کی بحث سے یہ بات، آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۹۲۸ء تک، وہ فتنۂ انکارِ حدیث کا شکار ہو کر، "حجیت سنت نبویہ" کے اُس "بت کو پاش پاش کر چکے تھے، جسے انھوں نے اپنی اندھی عقیدت کے دور میں، بلا سوچے سمجھے اختیار کر رکھا تھا" لیکن اپنے ضمیر کے خلاف، اپنے مقالات و مضامین میں، وہ، مصلحتاً، قرآن کریم کے ساتھ، سنت رسول ﷺ اور اسوۂ نبی ﷺ کا ذکر کرنے پر مجبور تھے۔ اس سلسلہ میں مَیں، اپنے گذشتہ باب میں، طلوعِ اسلام کے سالِ اوّلین (۱۹۳۸ء) کے چھ ایسے ہی اقتباسات پیش کر چکا ہوں۔ یہاں میں ۱۹۳۹ء کے طلوعِ اسلام سے، چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں، جس میں مصلحتاً قرآن کے ساتھ، سنت نبویہ کا بھی ذکر ہے۔

(۱) ...... جب تک مسلمان، اپنے مذہب کے پابند ہیں، ان کے باہمی معاملات کا تصفیہ، ازروئے کتاب و سنت صرف مسلمانوں کی جماعت، ان کی اپنی مجلس شوریٰ، اور اس مرکز کا امیر، مرکز ملت ہی کر سکتا ہے۔ ❷

(۲) ...... جناب رازی، مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں کس حسن و خوبی سے حل کرتے ہیں۔ ❸

---

❶ طلوعِ اسلام: جولائی ۱۹۷۸ء، صفحہ ۶۔

❷ طلوعِ اسلام: جنوری ۱۹۳۹ء، صفحہ ۳۹۔

❸ طلوعِ اسلام: جنوری ۱۹۳۹ء، صفحہ ۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) ...... اس مسئلہ (قومیت) کے متعلق مولانا (مودودی) صاحب کا مسلک وہی ہے، جس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے، اور جس کی اشاعت کی سعادت طلوعِ اسلام کو بھی حاصل ہے۔ ❶

(۴) ...... پرچہ (طلوعِ اسلام) کے مقاصد کے متعلق، اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا مسلک، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نورِ بصیرت کو عام کرنا، یعنی مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ سے متعلق، ہر مسئلہ کا حل، کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہوگا۔ ❷

(۵) ...... ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اور ان جیسے دوسرے سوشلسٹ حضرات کی واقفیت کے لیے سوشلسٹ مفکرین کے اقوال و کتب کے حوالوں سے بتائیں کہ سوشلزم کیا ہے، اور اس کے بعد، ان حضرات کے لیے جو یہ معلوم کرنے کی تمنا رکھتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک، اس نظامِ زندگی کی کیا قدر و قیمت ہے، یہ عرض کریں کہ کتاب و سنت کا اس باب میں کیا فیصلہ ہے وما توفیقی الا باللہ العظیم۔ ❸

(۶) ...... جس طرح اشتراکیت کے تعارف میں ان ہی اصولوں کو معتبر سمجھا گیا ہے جو مدعیان تحریک کے نزدیک مستند ہیں اور ان کے ماوراء فروعات یا قیاسات کو اہمیت نہیں دی، اسی طرح اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے وقت، صرف قرآنِ کریم کی نصوصِ صریحہ اور سنت نبوی کی حکمت بالغہ ہی کو سامنے رکھا جائے گا۔ ❹

(۷، ۸) ...... ادارۂ طلوعِ اسلام کے شائع کردہ پمفلٹوں کا سیٹ طلب فرمایئے اور ملاحظہ فرمایئے کہ ان میں حالات حاضرہ کے اہم مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں کس حسن و خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ ❺

(۹) ...... مسلم لیگ ابھی بمشکل چند قدم چل سکی ہے کہ اس کے اندر بھی ان

---

❶ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۳۹ء، صفحہ ۸۴۔
❷ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۳۹ء، صفحہ ۹۴۔
❸ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۳۹ء، صفحہ ۳۴۔
❹ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۳۹ء، صفحہ ۵۷۔
❺ طلوعِ اسلام، ستمبر + اکتوبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۲۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطرات کے آثار شروع ہو گئے ہیں جو بڑی بڑی منظّم جماعتوں کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ چونکہ ہماری سیاست کا ماخذ، کتاب و سنت کی بجائے، دساتیرِ افرنگ ہیں، اس لیے ان کی دیکھا دیکھی لیگ میں بھی دائیں اور بائیں بازو کا شاخسانہ چھڑتا نظر آ رہا ہے۔ ❶

(۱۰) ...... قومیت پرست علماء کے پورے گروہ کو ہم چیلنج دیتے ہیں کہ کتاب و سنت و آثار سے کوئی ایک سند ایسی پیش کریں جس کی رو سے اسلام، اپنے متبعین کے لیے اس قسم کے نظامِ حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرنے کا نام آزادی قرار دیتا ہو۔ ❷

(۱۱) ...... یہ نظام جیسا کہ کتاب و سنت و آثار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، نہ تو خالصۃً جمہوریت ہے، نہ آمریت، بلکہ ان کو سمویا ہوا سا ہے، یعنی اس کی خوبیاں اس نظام میں موجود ہیں، اور ان کی برائیوں سے یہ منزہ ہے، صحیح جمہوریت اور آزادی کے لیے مساوات اور اخوت مقدم ہے اور مساوات اور اخوت اسلام کی روح ہے۔ ❸

مشتے نمونہ از خروارے، یہ چند اقتباسات ہیں، جن میں قرآن کے ساتھ سنت رسول کو بھی، قوانینِ اسلام اور احکام دین کا ماخذ قرار دیا گیا ہے، اور یہ اقتباسات بھی، طلوع اسلام کے بالکل ابتدائی شماروں سے لیے گئے ہیں۔ ان سب حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سنت کے متعلق پرویز صاحب کے دل میں خواہ کچھ بھی ہو، مگر ان کا قلم، اس وقت بھی، قرآن و سنت کا قائل، حامی اور مؤید تھا، لیکن پھر جوں جوں طلوع اسلام کا حلقۂ قارئین بڑھتا چلا گیا، اور پرویز صاحب قرآن کے ساتھ، سنت کا بالالتزام نام لیتے لیتے "پاپولر" بنتے چلے گئے، تو پھر آہستہ آہستہ انھوں نے اپنا نقاب الٹنا شروع کیا، اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب بلی مکمل طور

---

❶ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۷۷۔
❷ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۵۴۔
❸ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر تھیلے سے باہر آ گئی اور پرویز صاحب کھل کر مسلک انکارِ حدیث کا دم بھرنے لگے، بالکل اسی طرح جس طرح مرزا غلام احمد، ایک عرصہ تک، اپنی خدمتِ اسلام کے ذریعہ، اہل اسلام کے قلوب میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کرنے کے لیے، عقیدۂ ختم نبوت کا راگ الاپتے رہے اور پھر یکایک اس عقیدہ کو پس پشت ڈال کر، خود دعوائے نبوت پر اُتر آئے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ غلام احمد قادیانی کے معاملہ میں، عقیدۂ ختم نبوت کے اقرار و انکار کے درمیان، کوئی ایسا ''عبوری دور'' نہیں ہے، جس میں انھوں نے کسی لمبے چوڑے تدریجی عمل کو اختیار کرتے ہوئے، ایک عقیدہ کی جگہ دوسرے عقیدہ کو اپنایا ہو، مگر پرویز صاحب نے ایسا کرنے میں تدریج کو اختیار کیا جس میں ایک ایسا ''عبوری دور'' بھی گزرا ہے جو طالبعلمانہ انداز میں، حدیث و سنت کے بعض پہلوؤں پر شکوک و شبہات کے اظہار کا دور تھا، اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اپنے رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے ذریعہ کافی شافی اور اطمینان بخش ازالہ کر چکے تھے، جیسا کہ ڈاکٹر مفکر احمد صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

> ''سب سے پہلے مسٹر پرویز نے بعض احادیث کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات پیش کیے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن میں ان شبہات کا پوری طرح ازالہ کر دیا گیا، لیکن پرویز صاحب کے یہ شبہات، ایک جویائے حق اور مخلص قلب کی کھٹک نہ تھی جو افہام و تفہیم کے بعد دُور ہو جاتی۔ ان کے یہ شکوک، ایک برخود غلط قلب کے شکوک تھے، جو رفتہ رفتہ شاخ در شاخ اور پختہ ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کو سنت رسول سے عناد پیدا ہو گیا۔'' ❶

بہر حال، پرویز صاحب، اپنے شکوک و شبہات کے اس سلسلہ کو طول دیتے ہوئے، تدریجاً انکار سنت کی منزل کی طرف بڑھتے چلے گئے، یہ ''عبوری دور'' اور اس سے قبل کا وہ زمانہ، جس میں پرویز صاحب، اعتقاد بر حدیث ہی نہیں، بلکہ دفاع سنت کا بھی فریضہ ادا کرتے رہے ہیں، دراصل، ان کا وہ عہدِ زندگی ہے جس میں ان کی زبان، دل کی رفیق نہیں

❶ قرآن کی معنوی تحریف، صفحہ ۸۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی تھی اور یہی خلافِ ضمیر، ان کا اظہارِ خیال، ان کے صدقِ مقال کی خوبی سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔

نظامِ طاغوت کی چاکری

کون نہیں جانتا کہ پرویز صاحب، برطانیہ کی حکومتِ باطلہ میں، اور ایک ہندو سربراہ مسٹر پٹیل کی طاغوتی شخصیت کی ماتحتی میں، محض روٹی کا غلام بنتے ہوئے، ایک ایسی انتظامی مشینری کا کل پرزہ بنے رہے ہیں، جس کے ایک ایک پرزہ کی انفرادی حرکت اور پوری مشینری کی مجموعی حرکت، اُس نصب العین کے خلاف تھی، جسے وہ خود، قرآن کا نصب العین قرار دیا کرتے تھے، اُن کا یہ طرزِ عمل، اس بات کی دلیل ہے کہ رزقِ حلال کے بارے میں، اُن کی دینی حس بالکل مردہ ہو چکی تھی، اور ان کے معارف القرآن میں کوئی ایسا قرآنی نکتہ نہیں، جو نظامِ باطل کی چاکری پر، کسی درجہ میں بھی، کوئی خفیف ترین کھٹک ہی ان کے دل میں پیدا کر پاتا۔

مزاجِ پرویز کا ایک خاص پہلو

بعض انسانوں میں یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ وہ محبت یا نفرت کے ہر دو جذبات سے، مغلوب ہو کر، افراط و تفریط کی انتہائی حدوں کو پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کسی کی عقیدت و محبت میں، حمایت پر اُتر آتے، تو حد اعتدال سے متجاوز ہو گئے۔ نفرت و عداوت میں شدت پیدا ہوئی تو دوسری انتہا کو لڑھک گئے، کسی سے خوش ہوئے، تو اسے آسمان پر چڑھا دیا۔ بگڑ بیٹھے تو اُسی کو تحت الثریٰ میں پھینک دیا۔ اگر ایک طرف، انھیں، کسی بخیل و کنجوس فرد کو حاتم طائی پر، اور کسی ڈرپوک و بزدل شخص کو رستم و اسفندریار پر فضیلت دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا، تو دوسری طرف کسی سے رنج پہنچ جائے، تو اس کی پاکیزہ زندگی پر دھبہ لگانے میں، اس کی عزت پر خاک ڈالنے میں اور اس کے حسب نسب پر طعن کرنے میں بھی ذرا شرم محسوس نہیں ہوتی۔ اپنی ممدوح شخصیت میں، انھیں، وہ خوبیاں نظر آتی ہیں، جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا، لیکن اپنی مبغوض ہستی کے واضح کمالات و فضائل بھی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب، ایک ایسے ہی غیر متوازن، افراط و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفریط کا شکار، جذباتی انسان تھے۔ انھیں اگر ایک طرف، قائداعظم کی ذات میں، یہ فرضی اور خودساختہ خوبیاں دکھائی دیتی تھیں کہ انھوں نے ''اسلام کی روح کو سمجھنے کے لیے، پوری عرق ریزی سے کام لیا تھا'' (دیکھیے: طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۶۹ء، صفحہ ۴۲)، اور وہ ''قرآنِ حکیم کے حقائق پر غائرنگہی'' کا وصف رکھتے تھے، (طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۳)، اور یہ کہ ''قرآنی حقائق اور اصول و اقدار، ان کے قلب کی گہرائیوں میں اُترے ہوئے تھے۔'' (طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۸۲ء، صفحہ ۲۰)، اور یہ کہ طلوعِ اسلام نے ''قرآنی بصیرت کے نہج سے ہر ایک کو قائداعظم سے متر پایا تھا۔'' (طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۸۳ء، صفحہ ۶۴)، تو دوسری طرف، مولانا مودودیؒ کے واضح کمالات، نمایاں اوصاف، شاندار خوبیاں اور علمی فضائل، پرویز صاحب کی نگاہ سے قطعی طور پر اوجھل تھے۔ انھیں، مولانا مودودیؒ کی ذات میں، صرف عیوب و نقائص ہی نظر آیا کرتے تھے، جنھیں وہ خوب اچھالا کرتے تھے، چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) یہ بھی ٹھیک ہے کہ ہم مودودی صاحب کو، نہ دین کا عالم مانتے ہیں، نہ کوئی مفکر۔ ❶

(۲) یہ صاحب، قرآنی حقائق و تصورات کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔ ❷

(۳) پاکستان میں مُلّائیت کے منظّم ادارے کے سرخیل، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ ❸

(۴) مودودی صاحب کے پاس کوئی نئی چیز پیش کرنے کو نہیں ہوتی، اس لیے کہ نہ انھیں جدّتِ فکر نصیب ہے، نہ ندرتِ نگاہ۔ ان کے پاس وہی فرسودہ مال ہوتا ہے، جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ ❹

(۵) مودودی صاحب، سرمایہ داری نظام کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ ❺

---

❶ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۵۳ء، صفحہ ۶۔
❷ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۱۔
❸ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۵۔
❹ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۴ء، صفحہ ۵۲۔
❺ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ع

یہی دل سوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشیں برسوں

یہی مولانا مودودیؒ، جنھیں، آج پرویز صاحب، ''نہ دین کا عالم مانتے ہیں، اور نہ مفکر'' اور جن کے بارے میں، آج ''مفکرِ قرآن'' کا یہ فتویٰ ہے کہ ''یہ صاحب، قرآنی حقائق و تصورات کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔'' ایک زمانہ میں، ان کی ممدوح و محبوب ہستی تھے اور جب تک، پرویز صاحب، ان سے بگڑ نہیں بیٹھے تھے، وہ خود، مولانا مودودیؒ اور ان کے مجلّہ ترجمان القرآن کے متعلق لکھا کرتے تھے۔

''ترجمان القرآن، ایک ماہانہ مجلّہ ہے، جو چھ سال سے مسلسل اسلام کی صحیح ترجمانی اور قرآنِ حکیم کی حکیمانہ دعوت کی نشر و تبلیغ کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی فکری اور اسلامی صلاحیتوں کا علم ہے، ان کے لیے بس یہ کہنا ہی کافی ہے کہ آپ ہی ترجمان القرآن کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مولانا موصوف کو، اس زمانہ میں اسلام کی صحیح خدمت اور ملت کی تجدید کے لیے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے، اور وہ شرحِ صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین دیا ہے، جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح ادراک کر کے قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے، ترجمان القرآن کا موضوع، قرآنِ حکیم ہے، ایک طرف وہ قرآنِ حکیم کی روشنی سے تاریک دلوں کو منور کر رہا ہے، اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کر کے مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔ قرآنِ کریم کو منشاءِ الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اصولوں پر اس کی نشر و اشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور ان کو عقلِ سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا، ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل، قرآنِ کریم سے پیش کرنا وغیرہ، وہ خصوصیات ہیں، جو بحمد للہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالہ ترجمان القرآن کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج کل سیاست کے نام پر مسلمانوں میں جو گمراہی پھیلائی جارہی ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اس سے غافل نہیں ہیں، اور کتاب و سنت کی روشنی میں، مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی فرمارہے ہیں، اس رسالہ کا مطالعہ، ہر خیال کے مسلمانوں کے لیے ازبس ضروری ہے، خصوصاً ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کے لیے، جو فلسفۂ جدیدہ، سائنس اور مغربی حکماء کی دانش فروشیوں سے مرعوب ہوچکے ہیں، اور جنھوں نے مذہب کو عقل و دانش اور ترقی کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور اساتذہ کو اس رسالہ کا مطالعہ سب سے پہلے کرنا چاہیے۔ بلحاظ نصب العین اور مسلک، ترجمان القرآن اور طلوعِ اسلام کو ایک ہی اصل کی دو شاخیں سمجھیے۔'' ❶

مَا ابعد الیوم من الامس...... پرویز صاحب کے آج اور کل میں کس قدر بونِ بعید اور تفاوتِ شدید ہے، کل تک وہ، جس شخص کو تفقہ فی الدین، اسلامی بصیرت، شرحِ صدر، اسلام کی صحیح ترجمانی اور اس کی صحیح خدمت کرنے، قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرنے اور نورِ قرآن سے تاریک دلوں کو منور کرنے پر، خراجِ تحسین پیش کررہے تھے، آج وہ، اسی شخص کے متعلق یہ فتویٰ داغتے ہیں کہ...... ''یہ صاحب، قرآنی حقائق وتصورات کی ابجد تک سے لابلد ہیں''...... کل تک، جس شخص کو، پرویز صاحب کے نزدیک، ''اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خدمت اور ملت کی تجدید کے لیے بہرۂ وافر عطا فرمایا'' تھا، آج وہی شخص، ان کی نگاہ میں، اسلام کو مسخ کرنے کی سازش کا بانی ہے۔

''پاکستان کا خطۂ زمین، اس عظیم مقصد کی تجربہ گاہ بننے کے لیے حاصل کیا گیا تھا، لیکن اسے ہماری سوختہ بختی کہیئے کہ یہاں بھی اس قسم کی سازش کارفرما ہوگئی، جس قسم کی سازشوں نے اسلام کے تابندہ چہرے کو مسخ اور حضور کی سیرتِ تابدار کو (معاذ اللّٰہ) داغدار کیا تھا، اس سازش کے بانی ہیں، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔'' ❷

❶ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، صفحہ ۷۳۔ ❷ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کل تک متحدہ ہندوستان میں، جو شخص ''قرآنِ حکیم کی حکیمانہ دعوت کی نشر و تبلیغ کر رہا'' تھا، آج، وہی شخص، ''مفکر قرآن'' کے نزدیک، ان لوگوں میں شامل ہے، جنھیں قرآنِ مجید سے چڑ ہے۔

''قرآن کے تو نام سے ان حضرات کو چڑ ہے، کیونکہ اس سے ان کا رچا رچایا سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن کے نام سے کس قدر چڑ ہے، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے ......'' ❶

کل تک، جو شخص، فتنہ ہائے باطل کے ابواب کو ''عقل سلیم کی حجت سے بند کر رہا تھا'' اور ''ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر رہا'' تھا، آج، اُس کے متعلق یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

''ان کا واحد مشن نفرت پھیلانا ہے۔'' ❷

کل تک، جو شخص، ''اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے بھی مرعوب نہ'' ہوتا تھا، آج، اس کے متعلق، طلوعِ اسلام، انتہائی گھٹیا درجے کی شیخی بگھارتے ہوئے یہ کہتا ہے:

''اصل یہ ہے کہ اس جماعت کے بانی، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، پرویز صاحب سے بڑے خائف ہیں۔'' ❸

مولانا مودودیؒ کے بارے میں ''مفکر قرآن'' (یا طلوعِ اسلام) کے کل کے اور آج کے متضاد بیانات، اور پھر ان میں پائے جانے والے، لب و لہجہ کو دیکھ کر، ہر شخص، پرویز صاحب کی جذباتی اور غیر متوازن شخصیت کا اندازہ کر سکتا ہے، اور پھر حقد و حسد، کینہ و عناد اور مخالفت و عداوت اس پر مستزاد ہے۔ اس وقت بے ساختہ میرے سامنے، یہودی مزاج و ذہنیت کو مبرہن کرنے والا واقعہ آ رہا ہے، جس میں ایک یہودی، حضرت عبداللہ بن سلام، خدمت نبوی میں، اسلام قبول کرتے ہی، یہ عرض کرتے ہیں:

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۳۔ ❷ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۶۔
❸ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۶۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”یہود ایک افتراء پرداز قوم ہیں، اور میں عالم ابن عالم اور رئیس ابن رئیس ہوں۔ آپ ان کو بلا کر، میری نسبت دریافت کیجیے، لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجیے گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی، اور پوچھا کہ عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا: کبھی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام، مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے، اور یہودیوں سے کہا: ”ذرا خدا سے ڈرو، تمھیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب سچا ہے، اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم آمادہ نہیں ہوتے۔“ یہود کو خلافِ توقع جو خفت نصیب ہوئی، اُس نے انھیں مشتعل کردیا۔ انھوں نے غصہ میں کہا: ”تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو، اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا۔“ [1]

پرویز صاحب نے، ماشاء اللہ، طابق النعل بالنعل، یہودیوں کی پیروی کرتے ہوئے، تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ کی واضح تصویر پیش کی ہے۔

تحقیرِ معروف اور تحسینِ منکر کا رویۂ پرویز

نفرت و عداوت کا جذبہ ہو، یا عقیدت و محبت کا۔ اگر للہ فی اللہ نہ ہو تو وہ حد اعتدال سے متجاوز ہو کر، انسان کے دین و اخلاق کے لیے فتنہ بن جاتا ہے۔ ان جذبات کی شدت، جب افراط و تفریط کی حدوں تک پہنچ جاتی ہے، تو حقائق و واقعات کو معکوس کر ڈالتی ہے، ایسی صورت میں، فردِ مبغوض کے فضائل بھی رذائل بن کر دکھائی دیتے ہیں، اور محبوب ہستی کے مثالب بھی، مناقب قرار پاتے ہیں۔ جب کسی شخص کو ایسی حالت میں پایا جائے کہ خوبیوں کی تحقیر اور منکرات کی تحسین کر رہا ہو، تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ حق سے کنارہ کش ہو کر، بے جا عداوت یا مذموم محبت کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔

[1] سیر الصحابہ، جلد ۵، سیر انصار، جلد دوم، صفحہ ۲۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک زمانہ تھا، جب پرویز صاحب، مولانا مودودیؒ کی مدحت سرائی اور قدر افزائی میں وہ کچھ کہا کرتے تھے، جو طلوعِ اسلام جولائی ۱۹۳۸ء، صفحہ ۷۳ کے حوالے سے اوپر مذکور ہو چکا ہے، لیکن پھر، ان کا سیّد مودودیؒ سے اختلاف ہوگیا (کیوں؟ فی الحال، اسے نظر انداز کیجئے) رفتہ رفتہ یہی اختلاف، اختلافِ محض کی حد سے گزر کر، شدید مخالفت، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر، نفرت و عداوت اور بغض و کینہ میں ڈھل گیا۔ یہاں تک کہ مولانا مودودیؒ کا اسلوبِ حیات، اور ان کا حلیہ و خدوخال بھی تحقیر و تشنیع کا مستحق قرار پائے، چنانچہ ایک مقام پر، وہ مولانا مودودیؒ کی ڈاڑھی پر، اور عالم دین ہونے کی حیثیت سے، ان کے منصبِ قیادت پر، یوں زبان طعن دراز کرتے ہیں:

"جب ان کے دل میں مذہبی قیادت کی ہوس نے انگڑائی لی، تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ڈاڑھی بڑھالی اور سر پر پٹے رکھ لیے، اور ایک اسلامی جماعت کے امیر بن گئے۔" ❶

لیکن دوسری طرف، قائداعظم کے سر سے پاؤں تک انگریزی لباس میں ملبوس واقعہ کو، یوں تحسین آمیز الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ گویا یہ ان کے "استحکامِ کردار" کی دلیل ہے۔ انگریزی ٹوپ کو اتار دینا، اور اچکن کے ساتھ شلوار قمیص کو زیب تن کرنا، کوئی "منافقت کا کام" ہے، اور مسلمانوں میں مروج آدابِ اسلامی اور طرز بود و باش کو اختیار کرنا، گویا "ضعفِ کردار" کی علامت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، یہ اقتباس جس میں، ان کے جلوس کی قیادت کا حال، ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"جب یہ جلوس، اس مقام پر پہنچا، جہاں سے راستہ نیچے اترتا تھا، تو مسٹر جناح انگریزی لباس میں ملبوس تھے۔ اور ان کا سفید رنگ کا بڑا سا ٹوپ ان کے زانوؤں پر سامنے دھرا رکھا تھا۔ اس زمانے میں، انگریزوں سے دشمنی کی بناء پر "ٹوپ" کو خاص طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور کانگرسی لیڈروں نے

---

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے (بلکہ پورے کے پورے انگریزی لباس کو) ترک کر کے "کھدر کی گاندھی کیپ" پہننا شروع کر دی تھی، اس مقام پر بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ اوپر بازار کے مسلمان، اپنے قومی راہنما کو پہلی بار دیکھیں گے، یقیناً وہ متوقع ہوں گے کہ یہ راہنما "اسلامی لباس" میں ملبوس ہوگا...... "اسلامی لباس" سے اُس زمانے میں مراد تھی شیروانی، شلوار اور ترکی ٹوپی ...... وہ جب اُنھیں اس لباس میں دیکھیں گے تو ان پر اس کا کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا۔ لیکن اُس وقت، اس سلسلہ میں ہو کیا سکتا تھا؟ بعض لوگوں نے کہا اور کچھ نہیں، تو جناح صاحب سے کہا جائے، کم از کم اپنے "ٹوپ" کو نیچے پاؤں میں رکھ لیں تا کہ وہ نمایاں طور پر دکھائی نہ دے، اس تجویز کو لے کر، ایک صاحب، جنھیں جناح صاحب سے شرف نیاز حاصل تھا، آگے بڑھے اور ان سے کان ہی میں کچھ کہا۔ جناح صاحب نے اسے سنا اور برافروختہ ہو کر (لیکن اس طرح سرگوشیانہ انداز سے) کہا کہ "کیا تم مجھے مہاتما گاندھی بنا دینا چاہتے ہو؟ ویسے ممکن تھا کہ میں اس "ٹوپ" کو نیچے بھی رکھ دیتا، لیکن اب ایسا کرنا منافقت ہوگی، جس کی کم از کم مجھ سے توقع نہ رکھو" یہ کہا اور اس "ٹوپ" کو زانوؤں سے اُٹھا کر، سر پر رکھ لیا۔" [1]

فی الحال، اس بات کو نظر انداز کیجیے کہ یہ واقعہ، خود پرویز صاحب ہی کے معیارِ درایت پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ زیبِ داستاں کے لیے اس میں کیا کچھ رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ صرف اس بات پر غور فرمائیے کہ آیا ملکی دستور کے مطابق لباس پہن لینا، اور غیر مسلموں سے تشبّہ اختیار نہ کرنا، واقعی "منافقت" ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر بعد میں، انھوں نے یہ "منافقت" کیوں اختیار کی؟ کیونکہ آج تک سرکاری دفاتر میں قائداعظم کی اس "اسلامی لباس" میں ملبوس تصاویر موجود ہیں، جس کو اقتباسِ بالا میں (Inverted Commas) میں رکھ کر، نشانۂ طنز بنایا گیا ہے، اور اس کے برعکس، مولانا مودودیؒ کی ڈاڑھی اور علمی فضیلت کو عیب قرار دیا

---

[1] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے۔

ڈاڑھی اور بُغضِ پرویز

ڈاڑھی، جسے ہم مسلمان، سنت رسول سمجھتے ہیں، پرویز صاحب کے نزدیک انتہائی معیوب بلکہ مبغوض چیز تھی۔ انھیں ڈاڑھی سے اس قدر چڑ اور ضد تھی کہ جہاں کہیں، انھوں نے علماء کرام کو کسی مجلس میں اکٹھے بیٹھا دیکھا، تو اُن کے لیے یہی بات سوہانِ روح بن جاتی تھی کہ ان ''ملاؤں'' میں ایک بھی بے ریش نہیں ہے۔ اور پھر ڈاڑھی کے خلاف، ان کی نفرت و عداوت اور بغض و کینہ، اس فتویٰ کا روپ دھار لیتے کہ یہی ''ملاازم'' ہے۔

> ''خود ان اکتیس علماء کی فہرست اُٹھا کر دیکھیے، جنھوں نے کراچی میں اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا تھا، اور جو آج کل، دستور سے متعلق بحث کے لیے، پھر کراچی میں جمع ہوئے ہیں .... اس فہرست میں کسی ایک ڈاڑھی منڈے کا بھی نام نہیں ہے۔ یہ ہے پریسٹ ہڈ۔'' [1]

گویا اگر اس مجلس میں، ایک بھی ''ڈاڑھی منڈا'' شامل ہو جاتا، تو پھر یہ ''احتفال العلماء'' ''پریسٹ ہڈ'' نہ ہوتا۔ اس کے پریسٹ ہڈ ہونے کی علت اور دلیل بس یہی ہے کہ ''اس فہرست میں ایک بھی ڈاڑھی منڈا نہیں ہے۔''

مولانا مودودیؒ کی مخالفتِ پرویز کی وجہ

آیئے! اب یہ دیکھیں کہ آخر پرویز صاحب، مولانا مودودیؒ کی اس قدر شدید مخالفت، بلکہ عناد و عداوت پر کیوں تل گئے؟ خود پرویز صاحب نے اس کی جو وجوہ بیان کی ہیں، ان کا جائزہ لینا طویل فرصت اور مبسوط تصنیف کا مقتضی ہے، لیکن یہاں اختصار و ایجاز کے ساتھ صرف ایک دو وجوہ بیان کرنا ہی کافی ہے۔

پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ پرویز صاحب، ۱۹۲۸ء سے قبل ہی، اہل قرآن کے عقیدۂ انکارِ حدیث کو قبول کر چکے تھے، لیکن مصلحتاً نہ صرف یہ کہ اس کا برملا اظہار نہیں کر رہے تھے،

---

[1] طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ الٹا حجیتِ حدیث کے حق میں مضامین و مقالات بھی لکھا کرتے تھے تاکہ مسلم معاشرہ میں انھیں قبولیت عامہ میسر ہوسکے۔ زبان و قلم کے ذریعہ مسلکِ حجیتِ حدیث کا اقرار، لیکن دل و دماغ میں مسلکِ انکارِ حدیث کو مکتوم و مخفی رکھنے کی یہ کیفیت، ایک عرصہ تک طلوعِ اسلام میں بھی برقرار رہی ہے۔ تاہم، کبھی کبھی، وہ بڑے معصومانہ انداز میں طالب علم اور جویائے حقیقت کا روپ دھار کر، حدیث و سنت کے بارے میں، علماءِ کرام کو خطوط لکھا کرتے تھے، جن میں وہ اپنے شکوک و شبہات کے ازالہ کے خواہش مند ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودیؒ سے بھی ان کی مراسلت ہوئی اور انھوں نے بڑی سنجیدگی اور متانت و معقولیت کے ساتھ، اطمینان بخش جوابات دیئے، لیکن چونکہ ان شکوک و شبہات کے پس پردہ طلبِ حق کی کوئی مخلصانہ خواہش نہ تھی۔ اس لیے مولانا مودودیؒ کا ہر جواب، انھیں گراں گزرتا اور ضیقِ قلب کا ذریعہ بنتا رہا، اور نتیجتاً دونوں کے درمیان قلبی فاصلے بڑھتے رہے۔ خود مولانا محترم نے، اپنے ایک مکتوب میں، اس حقیقت کی یوں نقاب کشائی کی ہے:

> ''واحدی صاحب نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ غلام احمد پرویز صاحب کبھی میرے رفیق رہے ہیں، حالانکہ میری ان سے کبھی رفاقت نہیں رہی۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب تک پرویز صاحب کا مسلکِ انکارِ حدیث، پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آیا تھا، اس وقت تک ان کے مضامین، رسالہ معارف کی طرح، ترجمان القرآن میں بھی شائع ہوتے رہے، لیکن جب وہ کھلے کھلے منکر حدیث ہوگئے، تو یہ تعلقات بھی ختم ہوگئے، پھر نہ معارف میں ان کا کبھی کوئی مضمون آیا، اور نہ ترجمان القرآن میں اور چوں کہ میں نے شدت کے ساتھ، ان کے انکارِ حدیث کی مخالفت کی، اس لیے وہ میری مخالفت میں شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔'' ❶

مولانا مودودیؒ کے خلاف، مخالفتِ پرویز کی دوسری وجہ، تصورِ اسلام کا وہ فرق تھا، جو ان

---

❶ مکاتیب سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، جلد دوم، صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں شخصیتوں میں پایا جاتا تھا (اور ہے)، پرویز صاحب نے، اسلام کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ مغربی معاشرت کے جملہ اجزا، وعناصر کے ساتھ، اشتراکی نظام معیشت کی پیوند کاری کا نتیجہ ہے، اور مودودی صاحب، اسی اسلام کو پیش کرتے ہیں، جو قرآن وسنت پر مبنی ہے، اور وہ مغربی معاشرت کے جملہ اجزاء اور اُس ''نظامِ ربوبیت'' کی نفی کرتا ہے، جسے ''مفکرِ قرآن'' صاحب نے، اشتراکیت کے ہاں سے، قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا ہے۔ مودودیؒ صاحب جس قدر نظامِ سرمایہ داری کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں، اسی قدر وہ اُس اشتراکیت کو بھی خلافِ اسلام قرار دیتے ہیں، جس پر پرویز صاحب نے قرآنی ٹھپہ لگا کر، اسے مشرف بالاسلام کرتے ہوئے ''نظامِ ربوبیت'' کا نام دے رکھا ہے، پرویز صاحب، مولانا مودودیؒ کے قرآن وسنت پر مبنی اسلام کو ''عجمی اسلام'' کہتے ہیں، اور خود اپنے اُس اسلام کو، جس کے معاشرتی طور طریقے، تہذیب مغرب سے، اور معاشی نظام، اشتراکیت سے لے کر، آمیزہ بنایا گیا ہے، اسے ''قرآنی نظام'' قرار دیتے ہیں۔ یہ دوسری وجہ ہے جو پرویز صاحب کو، ہمہ وقت مخالفتِ مودودیؒ پر اکسائے رکھتی تھی۔

''طلوعِ اسلام''، افقِ پاکستان پر

متحدہ ہندوستان میں، جس طلوعِ اسلام کی اشاعت، مئی ۱۹۳۸ء سے جون ۱۹۴۲ء تک برقرار رہ کر، جولائی ۱۹۴۲ء سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک تعطل کا شکار رہی، وہ پاکستان میں جنوری ۱۹۴۸ء سے دوبارہ اشاعت پذیر ہوا، اور نہ صرف وفاتِ پرویز تک بلکہ اب تک جاری وساری ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل، اس کا اجراء وآغاز دہلی سے ہوا تھا، جبکہ نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کے وجود کوش ہونے کے بعد، اس کا مصدر ومخرج کراچی قرار پایا۔ ۱۹۵۵ء میں اسے ماہ نامہ مجلّہ سے ہفت روزہ طلوعِ اسلام میں بدل دیا گیا۔ اس ہفت روزہ رسالے کا پہلا شمارہ ۵ فروری ۱۹۵۵ء کو شائع ہوا، اور آخری شمارہ، ۷ جنوری ۱۹۵۶ء کا پرچہ تھا، جو اسلم جیراجپوری کی وفات پر، بطورِ خصوصی شمارہ کے شائع ہوا تھا، اس کے بعد فروری ۱۹۵۶ء میں، اس نے پسپائی اختیار کی اور اس کی حیثیت بطورِ ماہ نامہ پھر بحال ہوگئی۔ لیکن اپریل مئی ۱۹۵۸ء سے، کراچی سے نقل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکانی کے بعد، یہ لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا، اور آج تک لاہور ہی سے، اس کی اشاعت کا سلسلہ برقرار ہے۔ اگرچہ، پرویز صاحب فروری ۱۹۸۵ء میں فوت ہو گئے تھے، مگر اس کی اشاعت میں کبھی انقطاع واقع نہ ہوا، پرویز صاحب کے بعد، اس کے فکر سے وابستہ احباب، اب تک اس کی اشاعت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں۔

طلوعِ اسلام کے بدلتے ہوئے نظریات

پاکستان کے قیام سے پہلے اور بعد کے طلوعِ اسلام میں نمایاں فرق تھا، متحدہ ہندوستان میں، یہ مجلّہ (اور پرویز صاحب) جن افکار و نظریات کی، اپنے ضمیر کے خلاف، حمایت بلکہ مدافعت کیا کرتے تھے، اب وہی نظریات، مصلحت کی دیمک کا شکار ہو گئے۔ اب وہ، ملت اسلامیہ میں مقبول ہر اصول اور مسئلے کی تردید و ابطال پر اُتر آئے، اور اپنے قلب و دماغ میں مکتوم و مستور افکار و تخیلات کو ایک ایک کر کے تدریج کے ساتھ اعلانیہ ظاہر کرنے لگے، اور ایسا کرتے ہوئے پرویز صاحب کے لب ولہجہ میں سختی اور غلظت، تلخی اور تندی، سنگینی اور درشتی، شدت اور تعنف کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ان بدلتے ہوئے افکار و نظریات کے باعث (یا پھر مصلحت و منافقت کا لبادہ اتار پھینکنے کے باعث) پاکستان میں جو موقف اختیار کیا گیا، اُس کی وجہ سے، طلوعِ اسلام اور کتب پرویز، تضادات و تناقضات کا وسیع و عریض صحرا ہے۔ آج کچھ، کل کچھ، یہاں کچھ وہاں کچھ، کبھی کچھ کبھی کچھ، حجاب نسواں، گیت سنگیت، مصوری اور تمثال سازی، ملکیت مال و اراضی، ضبط تولید، خلیفۃ اللہ اور خلافتِ الٰہیہ، انسانی فطرت، وقتِ موت کا تعین و تقرر، دین و مذہب کے معنی و مفہوم، سنت رسول ﷺ کی حیثیت بطورِ ماخذ قانون، الغرض ان تمام امور میں، اور ان جیسے بے شمار دیگر امور میں، وہ کون سا امر ہے جس میں واضح تضاد و تناقض کا رویہ اختیار نہیں کیا گیا، ☆ اور لطف یہ ہے کہ یہ تمام متناقض رویئے "قرآن ہی کی روشنی" میں اپنائے گئے ہیں۔ اس سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو قرآن (معاذ

☆ پرویز صاحب کے تضادات و تناقضات کی بہت سی مثالیں، تفصیل کے ساتھ، میری کتاب "جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینہ میں" میں موجود ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ) خود متناقض اور متضاد تعلیم پیش کرتا ہے، اور وہ بھی اس حد تک کہ جو چیز، قبل از قیام پاکستان، عین اسلام تھی، بعد از تقسیم برصغیر، وہی چیز کفر وشرک قرار پا گئی، یا پھر، قرآنِ کریم کے واحد سند اور حجت ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے، اس کی سندیت اور حجیت کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ پرویز صاحب کے بقول:

"قرآن کو حجت اور سند ماننے والے کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ آج کچھ کہہ دے اور کل کچھ اور..........." ❶

امر واقعہ یہ ہے کہ پرویز صاحب معتقد تو ان افکار ونظریات کے ہیں جو تہذیب مغرب نے پیش کیے ہیں۔ ان کا یقین محکم تو ان اصول و اقدار پر ہے جو فرنگی معاشرت اور یورپی سماج کی اساس ہیں۔ وہ ایمان تو اس نظامِ معیشت پر رکھتے ہیں، جسے اشتراکیت کہا جاتا ہے، لیکن وہ قرآن کی ورق گردانی، صرف اس لیے کیا کرتے تھے کہ اپنے محبوب و مستعار افکار ونظریات اور اصول و اقدار کی حمایت میں، قرآن سے "تائیدی دلائل" فراہم کر پائیں، اور جب کوئی شخص اپنے دل و دماغ میں، پہلے سے کچھ معتقدات کو راسخ کرلے، اور پھر ان کی تائید حاصل کرنے کے لیے، قرآن کی طرف راجع ہوتا ہے، تو ایسی بلی کو چھیچھڑوں کے خواب آ ہی جایا کرتے ہیں۔ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"جب کوئی قرآن کو مسخ کرنے پر اتر آئے، تو اسے اس سے کون سی مصلحت کی سند نہیں مل سکتی؟" ❷

اور یوں پرویز صاحب کو اپنے ہر مزعومہ کی "سند" قرآن سے ملتی رہی، پھر جنھوں نے ان کی اس "قرآنی سند" سے انکار کیا، انھیں پرویز صاحب نے قرآنِ کریم ہی کا منکر اور مخالف قرار دیا۔

"میں بلا تشبیہ اور بلا تمثیل عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ یہ لوگ میری مخالفت

---

❶ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۶۰۔

❷ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۷۹ء، صفحہ ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرتے، کتاب اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔'' ❶

حالانکہ مخالفتِ پرویز کرنے والے لوگ، واقعتاً، قرآن کے مخالف نہیں بلکہ صرف، اس مفہوم کے مخالف ہیں جسے پرویز صاحب نے منسوب الی القرآن کر رکھا ہے، وہ اپنی ذاتی تعبیراتِ قرآنیہ کو ''قرآنی حقائق'' اور ''قرآنی دعاوی'' قرار دے کر، پیش کیا کرتے تھے، اور نہ ماننے والوں پر، بزعم خویش، ''اِتمام حجت'' کیا کرتے تھے۔

''ہمارا مقصد صرف قرآنی حقائق پیش کرنا ہے، اس سے اگر کسی کے مروجہ عقیدہ یا کسی کے کسی دعویٰ پر زد پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی، کیونکہ اس باب میں مدعی قرآن ہے، ہم نہیں۔ ہمارا فریضہ، قرآن کے دعاوی کو پیش کرنا ہے، اور بس۔'' ❷

امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے گلے منڈھے جانے والے تصور کی مخالفت، کسی صورت بھی قرآن کی مخالفت قرار نہیں پا سکتی۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ تو واقعی، منزہ عن الخطا ہیں، لیکن انسان کی قرآنی تعبیر، اپنے اندر خطا ونسیان کا احتمال رکھتی ہے، جیسا کہ خود پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''میں اپنی قرآنی بصیرت کو کبھی وحی الٰہی قرار نہیں دیتا، اس لیے اس میں سہو وخطا دونوں کا امکان ہے، بناء بریں، میں اس پر اصرار نہیں کرتا، کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ حرف آخر ہے، اور وحی الٰہی کی طرح منزہ عن الخطا۔'' ❸

یہ ہاتھی کے صرف دکھانے کے دانت ہیں، کھانے کے نہیں۔ قولاً تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ''میری قرآنی تعبیر، انسانی تعبیر ہونے کے باعث، اپنے اندر سہو ونسیان کے دونوں امکانات رکھتی ہے، اور یہ تعبیر حرفِ آخر نہیں۔'' لیکن عملاً وہ اپنی تعبیر کو قرآنی حقیقت اور خدائی حکم کا درجہ دیتے ہیں، اور اسے نہ ماننے والوں پر، وہ ''منکر قرآن'' ہونے کا فتویٰ رسید کرتے

---

❶ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۸ء، صفحہ ۵۲۔ ❷ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۸۵ء، صفحہ ۳۱۔

❸ نظام ربوبیت، صفحہ ۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ چنانچہ، جب ان کے ایسے ہی ''قرآنی حقائق'' اور ''خدائی احکام'' کے انکار کا جرم، مولانا مودودیؒ سے صادر ہوا تو پرویز صاحب نے انھیں، اپنی تعبیر کا منکر قرار دینے کی بجائے، کھلے لفظوں میں ''منکرِ قرآن'' قرار دیا۔

''طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ یتیم پوتا، اپنے دادا کی وراثت سے محروم نہیں ہوسکتا، اس کے جواب میں منکرینِ قرآن کی طرف سے جو جواب شائع ہوا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیے:......'' ❶

اب ظاہر ہے کہ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ، قرآن میں صراحت نص کے ساتھ کہیں مذکور نہیں ہے۔ یہ دراصل، پرویز صاحب کی استنباطی موشگافیاں ہیں، جنھیں، انھوں نے ''قرآنی دلائل'' کا نام دے کر بطورِ ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کی مخالفت میں، جن ''منکرینِ قرآن'' کی طرف سے جواب شائع کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے مراد، مولانا مودودیؒ ہیں۔ کیونکہ اقتباس بالا میں، جس جواب کی اشاعت کا ذکر ہے، وہ مولانا مودودیؒ ہی کا جواب (بصورتِ اقتباس) ہے۔

دو دلچسپ تضادات

الغرض، بات ہو رہی تھی، تضاداتِ پرویز کی۔ اُن کے پاکستان سے پہلے اور بعد کے مؤقف کو دیکھا جائے، تو اس قدر تضادات و تناقضات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ انھیں احاطۂ تحریر میں لانا از حد مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ ؎

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

لیکن ان تضادات میں سے، مولانا مودودیؒ اور قائداعظم کی شخصیتوں کے بارے میں تضادات، بڑے ہی دلچسپ ہیں۔

(۱) .... متحدہ ہندوستان میں، پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) کے نزدیک، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ایک ایسی شخصیت تھے ''جنھیں، خدا تعالیٰ نے، اس زمانہ میں، اسلام

---

❶ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صحیح خدمت اور ملت کی تجدید کے لیے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے، اور وہ شرح صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین دیا ہے، جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح ادراک کر کے، قرآن کریم کی روشنی میں، ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔'' نیز'' قرآنِ کریم کو منشاءِ الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اصولوں پر اس کی نشر و اشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا، اور ان کو عقلِ سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا، ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا، اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل، قرآنِ کریم سے پیش کرنا وغیرہ، وہ خصوصیات ہیں، جو بحمدللہ رسالہ ترجمان القرآن کو'' مولانا مودودیؒ کی وجہ سے حاصل ہیں .... لیکن ...... پاکستان بننے کے بعد، پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) کے جب چودہ طبق روشن ہوئے، تو وہ، مولانا مودودیؒ کے متعلق، یہ ڈھنڈورا پیٹنے پر تل گئے کہ'' یہ صاحب، قرآنی حقائق و تصورات کی ابجد تک سے ناواقف ہیں''، اور یہ کہ'' ہم مودودی صاحب کو نہ دین کا عالم سمجھتے ہیں، نہ کوئی مفکر۔'' یہ ہے پرویز صاحب کی بلندیوں اور پستیوں کا شاہکار۔

(۲) .... لیکن اس کے بالکل برعکس، قیامِ پاکستان کے بعد، قائداعظم کی شخصیت کے بارے میں، پرویز صاحب نے، خود بھی یہ پراپیگنڈہ کیا اور دوسروں سے بھی کرایا کہ قائداعظم نے، '' فقہی موشگافیوں سے ناواقف ہو کر بھی روحِ دین کو سمجھنے میں، پوری عرق ریزی سے کام لیا تھا'' اور یہ کہ پرویز صاحب کے نزدیک، '' قرآنِ حکیم پر قائداعظم کی غائر نگہی'' ایک مسلمہ حقیقت تھی، اور یہ کہ '' قرآنی حقائق اور اس کے اصول و اقدار'' قائداعظم کے '' قلب کی گہرائیوں میں اترے ہوئے تھے'' نیز یہ کہ طلوعِ اسلام نے، '' قرآنی بصیرت کے نہج سے، ہر ایک کو،'' قائداعظم'' سے کمتر پایا۔'' ...... حالانکہ ......

پاکستان بننے سے قبل، قائداعظمؒ ہی کے متعلق، پرویز صاحب، کا یہ اعلان تھا کہ '' ہمیں اعتراف ہے کہ مسٹر جناح کا ہر قول، قرآنی نظریہ کی سند نہیں ہو سکتا، اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے خود بھی کبھی اس امر کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اسلامیات کے ماہر اور کتاب و سنت کے عالم ہیں۔'' ❶

لیکن پاکستان بننے کے بعد، پرویز صاحب، گواہِ چست بن کر، اُس '' قائداعظم'' کے حق میں، عالمِ دین اور ماہرِ قرآن ہونے کا غلغلہ بلند کرتے رہے۔ جو خود مدعیٔ سست ہونے کی حیثیت سے '' اسلامیات کے ماہر اور کتاب و سنت کے عالم'' ہونے کی نفی و تردید کیا کرتے تھے۔

یہ '' مفکر قرآن'' جناب پرویز صاحب کی مولانا مودودی سے بے جا عناد و عداوت اور قائداعظم سے مذموم عقیدت و ارادت مندی کی واضح مثال ہے۔

زہریلا پراپیگنڈہ، سیّد مودودیؒ کے خلاف

پرویز صاحب نے (۱) انکارِ حدیث کی بنیاد پر، اور (۲) پھر مغربی تہذیب سے معاشرتی اقدار و اطوار کو، اشتراکیت کے معاشی نظام کے ساتھ ملا کر، جو'' قرآنی نظامِ حیات'' اور '' انقلابی اسلام''، قرآن کا نام لے کر پیش کیا، چونکہ وہ قدم قدم پر، قرآن و سنت پر مبنی اس اسلام کے ساتھ ٹکراتا تھا، جو مولانا مودودی (اور جملہ علماءِ کرام) پیش کرتے تھے، اور دونوں کے نظامِ حکومت اور ریاستی دستور میں بھی بونِ بعید تھا، اس لیے، پرویز صاحب اور مولانا مودودیؒ میں قلبی فاصلے اور فکری بعد بڑھتا چلا گیا۔ پرویز صاحب نے، خود اپنے تصور کو، (جو تہذیب مغرب اور اشتراکیت پر مبنی تھا) '' قرآنی حکومت'' کا نام دیا، اور مولانا مودودیؒ کے قرآن و سنت پر مبنی تصور کو'' عجمی اسلام'' قرار دیتے ہوئے، مولانا مودودیؒ کے خلاف، یہ انتہائی شدید پراپیگنڈہ شروع کیا کہ وہ '' قرآنی حکومت'' اور'' قرآنی نظامِ حیات'' کے خلاف ہیں۔ اس سوقیانہ اور گھٹیا پراپیگنڈے کا سلسلہ، پرویز صاحب نے عمر بھر جاری رکھا، اگر معاندانہ پراپیگنڈہ پر مبنی طلوعِ اسلام کے اقتباسات یہاں نقل کیے جائیں۔ تو یہ مقالہ، بہت طول پکڑ جائے گا، اس لیے، مشارٌ الیہ اقتباسات میں جو کچھ کہا ہے، وہ مع حوالہ جات، بطورِ

---

❶ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمونہ مشتے از خروارے، درج ذیل ہے:

(۱) یکے از منکرین قرآن...... (اکتوبر ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵۸)

(۲) پاکستان میں ملائیت کے ادارے کے سرخیل...... (فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۵)

(۳) نہ ہی عالم ہیں، اور نہ کوئی مفکر...... (جون ۱۹۵۳ء، صفحہ ۶)

(۴) جدت فکر سے عاری اور ندرتِ نگاہ سے محروم...... (مارچ ۱۹۵۴ء، صفحہ ۵۲)

(۵) مکیاولی سیاست پر عامل، جھوٹ، فریب، دغا بازی کو فخریہ بیان کرنے والا (جولائی ۱۹۵۸ء، صفحہ ۵)

(۶) دین کو آلہ کار بنانے والا...... (نومبر ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۵)

(۷) اسلامی نظام اور اقامت دین کا مقدس نقاب اوڑھ کر، افرادِ ملت کے دماغوں کو زہر آلود کرنے والا، اور فتنہ انگیزی کا زہر پھیلانے والا، اپنی مفاد پرستیوں کے لیے اسلام کے مقدس نام کو استعمال کرنے والا طالع آزما...... (جنوری ۱۹۶۱ء صفحہ ۴۴، ۳۵)

(۸) سرمایہ داری کا سب سے بڑا حامی...... (اگست ستمبر ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۱۶)

(۹) جھوٹ بولنے اور اصول شکنی کو واجب قرار دینے والا...... (جنوری ۱۹۶۸ء، صفحہ ۶)

(۱۰) اپنی ہر تضاد گوئی کو مطابق شریعت قرار دینے والا...... (اگست ۱۹۶۸ء، صفحہ ۴۹)

(۱۱) مودودیؒ، جرأت اور دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتا ہے...... (فروری ۱۹۶۹ء، صفحہ ۴۰)

(۱۲) مقام مودودی، وہی ہے، جو ایک ''مذہبی آمر'' کا ہوتا ہے...... (فروری ۱۹۷۰ء، صفحہ ۴۲)

(۱۳) اُنھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے خاص بغض تھا...... (جون ۱۹۷۰ء، صفحہ ۶۱)

(۱۴) اُن کا مزاج، یہ تھا کہ پہلے مسلک بنانا، پھر تائید ڈھونڈنا...... (جولائی ۱۹۷۰ء، صفحہ ۷)

(۱۵) نہ خوفِ خدا، نہ شرمِ رسول...... (فروری ۱۹۷۱ء، صفحہ ۷۸)

(۱۶) اُن کے پاکستان میں آنے کے دو مقاصد (۱) پاکستان کو کمزور کرنا، (۲) لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنا۔...... (جولائی ۱۹۷۳ء، صفحہ ۲۵)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۷) انھیں، امت محمدیہ سے شدید بغض وعداوت تھی۔ ...... (دسمبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۳۹)

(۱۸) وہ، دین کو تفریح سمجھنے والے تھے ...... (ستمبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۵)

(۱۹) اُن کی مکیاولی سیاست کا مدار، منافقت پر ہے۔ ...... (اکتوبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۲)

(۲۰) مودودی کا واحد مشن نفرت پھیلانا ہے۔ ...... (جنوری ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۴)

(۲۱) سیرتِ رسولؐ کو داغ دار کرنے کی سازش کے بانی ...... (مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۶)

(۲۲) قرآن سے کھلا ہوا بغض وعنادِ مودودی ...... (اپریل ۱۹۷۷ء، صفحہ ۲۷)

(۲۳) قرآن کے نام سے چڑ ...... (جنوری ۱۹۸۳ء، صفحہ ۳۲)

(۲۴) ہوسِ اقتدار میں، پاکستان کو جہنم میں دھکیلنے والا ...... (اکتوبر ۱۹۸۵ء، صفحہ ۲۶، ماخوذ از جنوری ۱۹۶۴ء، صفحہ ۲۸)

یہ دیگ کے چند چاول ہیں، پوری دیگ نہیں ہے۔ ان چند چاولوں ہی سے، پوری دیگ کے پکوان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ''خدمت قرآن'' کے اس ''جہادِ اکبر'' کے لیے، پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام نے، جو اسلحہ استعمال کیے ہیں، وہ ذاتی پرخاش، آتش حسد، نارِ کینہ وعناد، گندگیاں اچھالنے کی فنکاری، تذلیل وتحقیر، استہزاء وتضحیک، کذب بیانی اور اتہام تراشی، سب وشتم اور دشنام طرازی، اور اقتدارِ وقت کو، اکسا کر جبر وتشدد پر آمادہ کرنے کی کاوشوں جیسے ''قرآنی حربے'' اور پرویزی حیلے ہیں۔ ان ہی ہتھکنڈوں سے، پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام، اپنے ذوقِ دشنام طرازی کی تسکین کرتے رہے ہیں۔ لیکن ایسے حربوں سے تسکین کیا ہوتی، بلکہ دشنام طرازی کا ہر جرعہ، سب وشتم کی پیاس میں مزید اضافہ کر ڈالتا رہا۔ یوں انھیں، وہ مرض لاحق ہوگیا جسے ''مُلّا خولیا'' کا ہی نام دیا جاسکتا ہے۔ اس مرض کی تہہ میں، جو علّت کارفرما ہے، وہ یا تو وہ احساسِ کمتری ہے، جو مودودیؒ صاحب کے مقابلہ میں، منکرین حدیث کے تحت الشعور میں جاگزیں ہے، یا پھر کتاب وسنت میں درک وبصیرت اور فہم وفراست کے فقدان کا ردّعمل ہے، جس کے ساتھ، تہذیب مغرب کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی بھی پائی جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک طرف، مولانا مودودیؒ کے خلاف، یہ گھٹیا، سوقیانہ، زہریلا اور کینہ وعناد سے مملو، اس پراپیگنڈہ کو دیکھئے اور دوسری طرف، منکرین حدیث کے "مفکر قرآن" چوہدری غلام احمد پرویز کے اس اقتباس کو دیکھئے، جس میں وہ اپنے اندھے مقلدین کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ

"میں اتنی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی تنقیدات میں متقدمین یا متاخرین میں سے کسی کے خلاف کبھی بدتمیزی سے کام نہیں لیا۔ ہمیشہ تہذیب اور شرافت کے دامن کو تھامے رکھا ہے۔" ❶

اتنی نہ بڑھا، پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

اگر پرویز صاحب کا، مولانا مودودیؒ کے خلاف، یہ لب و لہجہ اور "کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی" یہ زبان، "بدتمیزی" نہیں۔ اور "تہذیب" اور "شرافت" ہی ہے، تو پھر "تمیزداری" "تہذیب" اور "شرافت" کے متعلق نہ صرف یہ کہ اُن کے "قرآنی اخلاق" کا معیار واضح ہو جاتا ہے، بلکہ یہ بھی پیشگی اندازہ ہو جاتا ہے، کہ پاکستان میں، جب "قرآنی نظام" نفاذ پذیر ہوگا، تو یہ زبان، وطن عزیز کی "سرکاری زبان" قرار پائے گی۔

مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی

"مفکر قرآن" جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کو، علماءِ کرام سے بالعموم اور سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بالخصوص، جو کینہ وعناد تھا، اس کی بناء پر وہ یہ کہا کرتے تھے کہ

"پاکستان میں ملائیت کے ادارے کے منظّم سرخیل، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔" ❷

اب ظاہر ہے کہ جب مولانا مودودیؒ، ملائیت کے سرخیل ٹھہرے، تو ان کا، اور ان کی جماعت کا حکومت سے گٹھ جوڑ لازم قرار پایا، کیونکہ پرویز صاحب کے خود تراشیدہ فلسفوں میں سے ایک فلسفہ یہ بھی ہے، کہ

---

❶ طلوع اسلام، اگست ۱۹۷۳ء، صفحہ ۳۶۔ ❷ طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"""ارباب شریعت" سے، اس طبقے کا (یعنی برسراقتدار طبقے کا) ساجھا ہے، اور اس کی وجہ سے یہ حضرات بھی، اس ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ تشکیل پاکستان سے پہلے وہ ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔" ❶

مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کا نام لیے بغیر، ایک مقام پر یہ کہا گیا ہے:

"وہ لوگ، جنھوں نے تحریک پاکستان کی اس قدر مخالفت کی تھی، یہاں سب سے زیادہ معتبر بنے ہوئے ہیں، اور سرمایہ داری اور تھیا کریسی، جن سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس مملکت کا وجود عمل میں آیا تھا، اور جن کا ہمیشہ آپس میں گٹھ جوڑ ہوتا ہے، مملکت پر مسلط ہو رہی ہے۔" ❷

"مفکرِ قرآن" صاحب کا کذب بانی میں کون مقابلہ کر سکتا ہے، ہر وہ شخص، جو وطن عزیز کی تاریخ سے واقف ہے، یہ جانتا ہے، کہ سیّد مودودیؒ اور جماعت اسلامی کا کسی بھی حکومت سے ساجھا پن اور گٹھ جوڑ کا ہونا، تو ایک طرف، اُن کے تو ہر حکومت سے اختلاف رہے ہیں، کسی حکومت کے ساتھ بھی، ان کے خوشگوار مراسم کبھی نہیں رہے۔ یہ بات، ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا ثبوت، کسی اور ماخذ سے پیش کرنے کی بجائے، طلوعِ اسلام ہی کی فائل سے پیش کرنا، مناسب ہے۔

"قیام پاکستان سے لے کر، اس وقت تک، ملک میں جو حکومت بھی قائم ہوتی ہے، اس جماعت نے شور مچا دیا ہے کہ اقتدار، ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو فاسق و فاجر ہیں، مغرب زدہ ہیں، خدا و رسول ﷺ سے بیگانہ ہیں، شریعت سے ناشنا ہیں، کلبوں میں جاتے ہیں، جم خانوں میں رنگ رلیاں مناتے ہیں۔" ❸

جماعتِ اسلامی کی شہرت کا راز کیا ہے؟ یہ کیوں ہر دل عزیز ہے؟ طلوعِ اسلام لکھتا ہے:

"اس کی ہر دلعزیزی کا راز صرف یہ ہے کہ حکومت کو برابر گالیاں دیتی رہتی ہے،

---

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۱ ❷ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۶۹ء، صفحہ ۹۔

❸ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"......موجودہ حکومت ہی کو نہیں پہلے دن سے ہر اس حکومت کو، جس نے ان کی کوئی بات نہیں مانی ...... اگر یہ آج حکومت کو گالیاں دینا بند کر دے، تو اس کی ساری شہرت ختم ہو جائے، شہرت کیا، اس کا وجود ہی باقی نہ رہے۔" ❶

ان اقتباسات سے بہرحال، یہ بات تو واضح ہے کہ جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر (مولانا مودودیؒ صاحب) کی ہر حکومت سے ٹھنی رہی ہے، اب اگر ایسا ہی ہے (اور یقیناً ایسا ہی ہے) تو پھر جماعت، ملائیت کی ہرگز علمبردار نہیں ہے۔ اور اس پر ایسا الزام عائد کرنا، صریح جھوٹ اور بہتان تراشی ہے، لیکن اگر واقعی، حکومت اور جماعت کے درمیان گٹھ جوڑ رہا ہے، تو یہ بات غلط ہے کہ ہر حکومت کے خلاف وہ شور و غوغا مچاتی ہے، اور کسی بھی حکومت سے اس کی اب تک بنی نہیں ہے، اور پرویز صاحب کا، ملوکیت کے ساتھ ملائیت کے گٹھ جوڑ کا فلسفہ، قطعی بے اصل اور کذبِ محض قرار پاتا ہے۔

اور اگر، حکومت کے ساتھ، ملائیت کے گٹھ جوڑ کو، ایک اور پہلو سے دیکھا جائے، تو دو اور دو چار کی طرح کی، پرویز صاحب ہی "ملائیت" کے علمبردار قرار پاتے ہیں، کیونکہ ان کے ہر حکومت کے ساتھ، بڑے ہی خوشگوار تعلقات رہے ہیں، جس کا اعتراف، خود پرویز صاحب کے منہ سے نکل گیا ہے۔

"قیامِ پاکستان کے بعد، ہمارے جو راہنما برسرِ اقتدار آتے رہے ہیں، قریب قریب ہر ایک کے ساتھ میری راہ و رسم تھی۔" ❷

اربابِ اقتدار سے، اُن کے ان اچھے مراسم کی وجہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ پرویز صاحب، قرآن کے جعلی پرمٹ پر، مغربی معاشرت اور اشتراکیت کو درآمد کر کے، اسے "قرآنی نظامِ حیات" کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ زمانے کو قرآن کے مطابق بدلنے کی بجائے، قرآن کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدل ڈالنے کی سعی و کوشش، ہمیشہ اور ہر جگہ، ان لوگوں

❶ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۶۷ء، صفحہ ۷۲۔

❷ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۷۸ء، صفحہ ۵۶، طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۸۵ء، صفحہ ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا وطیرہ رہی ہے جو اغیار کی فکری غلامی اور ذہنی اسیری میں مبتلا رہے ہیں۔ پاکستان میں یہی کردار، غلام احمد پرویز نے اپنائے رکھا ہے۔ اور ہمارے حکمرانوں کو، جن کی تربیت اور نشوونما ہی مغربی افکار ونظریات کا دودھ پی پی کر ہوئی ہے، انھیں یہ بات ہمیشہ پسند رہی ہے کہ وقت کی گردشوں کا ساتھ بھی دیں، اور سندِ قرآن بھی، اُن کے ہاتھ میں رہے، اس وجہ سے اربابِ اقتدار سے ہمیشہ ان کی بنی رہی ہے۔

> ''پرویز صاحب کے قائداعظم سے لے کر، ان تمام حضرات تک سے، جو وقتاً فوقتاً صاحب اقتدار رہے، اچھے مراسم تھے، لیکن انھوں نے ان میں سے، کسی سے بھی کوئی مفاد حاصل نہیں کیا، نہ کوئی منصب مانگا، نہ کوئی اعزاز طلب کیا، نہ کوئی فیکٹری الاٹ کرائی، نہ جاگیر حاصل کی۔'' ❶

فی الحال، اس بات کو نظر انداز کیجیے کہ انھوں نے اربابِ اقتدار سے کوئی مفاد حاصل کیا یا نہیں۔ یہاں صرف یہ دیکھئے کہ مولانا مودودیؒ پر ''ملائیت کے ادارے کا سرخیل'' ہونے کا لیبل لگا کر، حکومت کے ساتھ، ان کے گٹھ جوڑ اور ساز باز کا شاخسانہ صرف اس لیے تراشا گیا ہے کہ پرویز صاحب کی اپنی ''ملائیت'' چھپی رہے۔ عیار، چالاک، مکار اور فریب کار لوگ، اپنی حقیقی خامیوں کو چھپانے کے لیے دوسروں کے فرضی عیبوں کو اچھالتے رہتے ہیں، اس نفسیاتی حقیقت کی وضاحت کے لیے، طلوعِ اسلام ہی کا اقتباس بطورِ آئینہ پیش خدمت ہے تاکہ وہ خود

> ''اپنی روش کا نفسیاتی تجزیہ کرکے دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا نفس دوسروں کی تنقیص میں اس لیے مصروف ہے کہ اپنی سہل انگاری ڈھکی رہے اور اسے چھپانے کے لیے اس نے بلند نصب العین کو آڑ بنا رکھا ہو، فریب نفس سے اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔'' ❷

اب رہی یہ بات کہ ''مفکرِ قرآن'' نے اربابِ اقتدار سے، اپنی ''قرآنی خدمات'' کا

---

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۳۔ ❷ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۴۰ء، صفحہ ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی مفاد حاصل نہیں کیا، تو ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ مان لے کہ انھوں نے (Materially) مادی طور پر فائدہ نہ اُٹھایا ہو، مگر اسے جان لینا چاہیے کہ مفاد صرف وہی نہیں ہوتا، جو عہدہ، منصب، فیکٹری یا جاگیر کی صورت میں حاصل کیا جائے، اس مفاد کی متنوع شکلیں ہیں، جیسا کہ خود پرویز صاحب نے لکھا ہے:

''واضح رہے کہ دنیا میں معاوضہ صرف روپے کی شکل ہی میں نہیں ہوا کرتا۔ ذرا علم و فضل کی مسندوں، زہد و تقویٰ کے آستانوں اور رہبرانِ ملت کی بارگاہوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالو، اور دیکھو کہ کس قدر متنوع شکلیں ہیں جن میں اپنی بے لوث خدمات کا معاوضہ طلب کیا جاتا ہے۔ نذرانہ نہیں تو مخدومیت اور اطاعت اور اطاعت بھی اکثر اوقات پرستش کی حد تک، کبر نفس کے تقاضوں کی تکمیل، اَنَـــا الْمَوْجُوْدُ وَلَا غَیْرِي کے بلند آہنگ دعاوی، تنقید کی حد سے ماورائیت اور کم از کم نام کی جھوٹی شہرت، اور ان تمام داعیات و اقتضاءات کے باوجود، بلامزد و معاوضہ دعوائے خدمت، کتنا بڑا فریب ہے، جو اپنے آپ کو اور دوسروں کو دیا جاتا ہے۔'' ❶

اگر کوئی شخص، پاکستانی صحافی کے روپ میں ''مفکر قرآن'' بھی بن بیٹھا ہو، تو جھوٹے الزامات کے ذریعہ اپنے مخالفین کو رسوا و بدنام کرنا، اربابِ اقتدار سے اپنے ذاتی تعلقات کو اپنے حریفوں کے خلاف استعمال کرنا، ملکی سیاست میں پس پردہ رہ کر، اپنی پسندیدہ تبدیلیاں لانا، اپنی صحافت کے آرگن کو ان گوشوں تک وسیع کرنا، جن تک رسائی اربابِ اقتدار سے راہ و رسم کے بغیر ممکن نہیں، یہ سب کچھ کیا ہے؟ اربابِ اقتدار سے ''تعلقات'' کی ''برکات'' اور ''خالص قرآنی خدماتِ جلیلہ'' کا بدلہ وصلہ ہی تو ہیں۔ تفصیل پھر کبھی!!

❀❀❀❀

❶ جوئے نور، صفحہ ۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ٦

'مفکرِ قرآن' بمقابلہ 'مصورِ پاکستان'

ہر جعل ساز کو یہ علم ہے کہ اس کے کھوٹے سکے صرف اُسی وقت قابلِ قبول ہوں گے، جب اُنہیں اصلی اور کھرے سکوں کے رُوپ میں پیش کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر ابلیس، اپنے فساد کو اِصلاح کے لباس میں، اور ہر شیطان اپنے جھوٹ کو سچ کے بھیس میں پیش کرنے پر مجبور ہے اور اِس کے ساتھ ہی یہ ابالیس وشیاطین یہ پراپیگنڈا بھی شروع کر دیتے ہیں کہ افکار ونظریات کے یہ سکے فلاں فلاں قابلِ احترام بزرگوں کے ہاں مقبول ومسلّم رہے ہیں۔

یہودیوں نے اپنے دورِ ماضی میں جب کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال کر سحر و ساحری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تو اس کفریہ علم کے کھوٹے سکوں کو عوام الناس میں مقبول بنانے کے لئے یہ ڈھنڈورا پیٹنا بھی ضروری سمجھا کہ یہ تو وہ برگزیدہ علم ہے جو حضرت سلیمانؑ کے پاس بھی تھا، بلکہ ان کی بے مثال حکومت اِسی 'شاندار علم' کے باعث قائم تھی اور پھر قرآن کو یہ کہہ کر یہودیوں کی تردید کرنا پڑی:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾

(البقرۃ: ۱۰۲)

''اور سلیمان نے ارتکابِ کفر نہیں کیا، لیکن شیطانوں نے یہ کفر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔''

اہل کتاب نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے بعد جب دین اسلام کی جگہ 'یہودیت' اور 'عیسائیت' کو اپنا لیا اور اسلام کے حوالے سے خود کو مسلمان کہنے اور کہلوانے کی بجائے جب 'یہودی' اور 'عیسائی' کہنے اور کہلوانے لگ گئے تو اپنے مذہب کے ان کھوٹے سکوں کو لوگوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھیلانے کے لئے یہ منادی کرنا بھی شروع کردی کہ ہمارے بڑے بڑے بزرگ اور مورثین و پیشوا ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی آل اولاد اور اسباط و احفاد، سب کے سب اِسی مسلک کے علمبردار تھے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ﴾ (البقرة: ١٤٠)

''کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور انکے افرادِ نسل یہودی یا عیسائی تھے؟''

اور پھر قرآن مجید کو ان کے مختلف افکار و نظریات کی متفرق مقامات پر تردید کرنا پڑی، کبھی یہ کہہ کر ﴿أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾ ''کیا تم اللہ سے بڑھ کر حقیقتِ حال کو جانتے ہو؟'' اور کبھی یہ کہہ کر کہ ان سب کا عمر بھر کا دین اسلام تھا یہاں تک کہ جب ان پر موت آئی تو ان کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ مسلم یکسو تھے اور صرف اور صرف ایک اللہ ہی کے پرستار و فرمانبردار تھے (سورۃ البقرۃ:١٣٣) اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہود و نصارٰی، بلکہ مشرکین مکہ تک کے بزرگ پیشوا اور مورثِ اعلیٰ تھے، اس لئے اِن کا خاص طور پر نام لے کر یہ کہا گیا کہ وہ نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی یا مشرک تھے، بلکہ سیدھے سادے مسلم حنیف تھے۔ رہی تمہاری یہودیت اور نصرانیت تو مذہب کے یہ تمام کھوٹے سکے ان کے صدیوں بعد کی پیداوار ہیں:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

(آلِ عمران:٦٧)

''اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، جب کہ تورات و انجیل اُتاری ہی ان کے بعد گئی ہیں، پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ ابراہیمؑ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ وہ تو (صرف اللہ کی طرف رُخ کرنے والے) مسلم یکسو تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔"

الغرض جس طرح یہود و نصاریٰ کی یہ عادت تھی کہ اپنے افکارِ فاسدہ کے کھوٹے سکوں کو چلانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ جیسی قابلِ احترام اور معتمد علیہ ہستیوں کا نام استعمال کیا کرتے تھے، بالکل اِسی طرح ہمارے دور میں غلام احمد پرویز نے اپنے باطل نظریات کو مقبولِ عام بنانے کے لئے علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا نام خوب استعمال کیا ہے، حالانکہ پرویز اور اقبالؒ کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے، لیکن ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ نظریات کے اس قدر بعد و اختلاف کے باوجود بڑی بلند آہنگی سے یہ ڈھول پیٹا جاتا ہے کہ انکارِ حدیث میں اقبالؒ اور پرویز ہم مسلک تھے۔ جس طرح قرآنِ مجید نے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھولی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ مسلکِ ابراہیمؑ اور مذہبِ اہل کتاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اسی طرح آج وقت کا یہ تقاضا ہے کہ پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) کے ایسے ہی باطل دعاوی کی بھی قلعی کھولی جائے، اور یہ بات بے نقاب کردی جائے کہ مذہبِ پرویز اور مسلکِ اقبالؒ میں مشرق و مغرب کا سا بُعد پایا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل چند اختلافی اُمور بطورِ نمونہ مشتے از خروارے، نذرِ قارئین ہیں:

پہلا اختلاف بسلسلۂ حجیتِ حدیث

حجیتِ حدیث کے بارے میں اقبالؒ اور پرویز دونوں کا موقف ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہے۔ پرویز صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ بھی اُن کی ہی طرح کے از منکرین حدیث تھے، چنانچہ طلوعِ اسلام اپنے ہی خیالات کی دنیا میں گھوم پھر کر جن اشخاص پر 'انکارِ حدیث' کا لیبل چپکاتا ہے، ان میں ایک علامہ اقبال بھی ہیں۔ "تین بڑے بڑے منکرین حدیث" کے زیرِعنوان طلوعِ اسلام نے (نومبر ۱۹۵۲ء میں، صفحہ ۶۲ پر) امام ابوحنیفہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؒ کو بھی اس مسلک کا حامل قرار دیا ہے اور ابھی حال ہی کے ایک شمارہ میں، پھر اسی دعویٰ کو بایں الفاظ دہرایا گیا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر انصاف پسندی کوئی اُصول ہے تو ہم اِن ناقدان پرویز سے التماس کریں گے کہ یا تو وہ علامہ اقبالؒ کو بھی منکرینِ حدیث میں شمار کریں، کیونکہ ان کے موقفِ حدیث اور علامہ پرویز کے موقفِ حدیث میں سرمو فرق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو کم از کم اُنہیں اپنے تضادِ فکر ونظر پر کچھ تو ندامت محسوس کرنی چاہیے۔"

حقیقت یہ ہے کہ سچائی کی تو کوئی حد ہوتی ہے جس سے آگے کوئی راست باز شخص تجاوز نہیں کرسکتا، لیکن جھوٹ کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی جہاں پہنچ کر کوئی کاذب ومفتری رُک جائے۔ منکرین حدیث کے چند نمایاں اکاذیب واباطیل میں سے ایک واضح جھوٹ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ بھی منکرِ حدیث اور منکرِ سنت تھے۔

اگرچہ منکرین حدیث کے اس جھوٹ کا پول طلوعِ اسلام ہی کے اقتباسات کی روشنی میں ماہنامہ محدث میں پہلے ہی کھولا جاچکا ہے، لیکن پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلوعِ اسلام ہی کی فائل سے دو اور اقتباسات بھی پیش کردیے جائیں:

ا۔ کسی اعلیٰ قوم یا بہترین جماعت کے لئے علامہ اقبالؒ جن امتیازات کو ضروری گردانتے ہیں، ان میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ "قرآن کے ساتھ ساتھ سنتِ رسول ﷺ کو اپنا رہنما قرار دے۔" چنانچہ بقول طلوعِ اسلام:

"اعلیٰ جماعت یا قوم کے لئے، علامہ اقبالؒ نے آٹھ خصائص کو بنیادی شرط قرار دیا ہے، اوّل: توحید پرستی۔ دوم: نبوت ورسالت پر ایمان۔ سوم: کتاب وسنت کی رہنمائی۔ چہارم: مرکزیت۔ پنجم: نصب العین ملّی۔ ششم: غلبہ واستیلاء یا قوت تسخیر۔ ہفتم: اجتماعی خودی۔ ہشتم: حفظ واحترامِ اُمومت۔ ❶

اس کے بعد ان کے بکثرت اشعار میں سے صرف ایک شعر پیش کیا جاتا ہے جس میں وہ ایک ارشادِ نبوی ﷺ کا ذکر کرتے ہیں:

---

❶ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۵۰ء، ص ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ علامہ اقبالؒ کا مسلکِ تمسک بالحدیث اُن کے مندرجہ ذیل شعر سے واضح ہے:

زندگی از دھر و دھر از زندگی است
لا تسبوا الدھر فرمانِ نبی است ❶

''زندگی زمان سے ہے اور زمان زندگی سے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ زمانے کو بُرا مت کہو۔'' ❷

اس شعر میں علامہ اقبالؒ کی وابستگی حدیث نے پرویز صاحب کو جس قلبی تضیق سے دوچار کیا، اس کے زیر اثر وہ لکھتے ہیں:

''یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ یہ اس زمانے میں وضع ہوئی جب مسلمانوں میں اس قسم کے تصوف آمیز فلسفہ کی بحثیں شروع ہو گئیں۔'' ❸

نفسِ مسئلہ نہ تو یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط، اور نہ ہی یہ کہ یہ فرمان رسول ﷺ کس دور میں منظر عام پر آیا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اگر علامہ اقبالؒ واقعی منکر حدیث تھے تو پھر وہ تمسک بالحدیث کا دم کیوں بھر رہے ہیں؟ پرویز صاحب کی ذہنی عیاری ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اقبالؒ کی حدیث سے وابستگی کو تو نظر انداز کر دیتے ہیں (جو کہ ان کے اعتقاد بر حدیث کی دلیل ہے) اور بحث یہ شروع کر دیتے ہیں کہ حدیث وضعی ہے اور یہ فلاں عہد میں وضع ہوئی تھی۔

پرویز صاحب خود ہوں یا کوئی اور منکرِ حدیث ہو، اُنہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ جھوٹی احادیث آخر گھڑی کیوں گئیں؟ اگر وہ حدیثِ رسول ﷺ کے خلاف عناد و تعصب اور ضد و ہٹ دھرمی کو بالائے طاق رکھ کر اس سوال پر غور کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ

''ان کے گھڑے جانے کی وجہ یہی تو تھی کہ حضور ﷺ کا قول و فعل حجت تھا اور آپ ﷺ کی طرف ایک غلط بات منسوب کر کے جھوٹے لوگ کوئی نہ کوئی

---

❶ اسرار و رموز (مع ترجمہ میاں محمد شفیع) ص ۱۷۰۔ ❷ ایضاً، ص: ۱۷۱۔
❸ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۵۷ء، ص ۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ اگر وہ حجت نہ ہوتا اور کسی شخص کے لئے اپنے کسی دعویٰ کے حق میں حدیث لانا اور نہ لانا یکساں بے فائدہ ہوتا تو کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایک غلط بات تصنیف کرنے کی تکلیف اُٹھاتا۔ دنیا میں ایک جعل ساز وہی نوٹ تو بناتا ہے جو بازار میں قدر و قیمت رکھتا ہو۔ جس نوٹ کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو، اسے آخر کون احمق جعلی بنائے گا؟'' ❶

مقالہ کی طوالت کے پیش نظر صرف انہی دو اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو لوگ اقبالؒ کے مسلکِ حجیتِ حدیث کے بارے میں تفصیلاً جاننے کے خواہشمند ہیں وہ ماہنامہ 'محدث' کا شمارہ اپریل ۱۹۹۰ء اور جولائی ۲۰۰۵ء کا پرچہ دیکھیں۔

دوسرا اختلاف انسانی فطرت کے بارے میں

کیا انسان کی کوئی فطرت ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی علامہ اقبالؒ کے موقف اور پرویز صاحب کی رائے میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ یہ کہہ کر انسانی فطرت کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں:

از غلامی فطرت او دوں شدہ
نغمہ ہا اندر نئے او خوں شدہ ❷

''غلامی کی وجہ سے انسانوں کی فطرت پست ہوگئی، انسانیت کی نے کے نغمے خوں آلود تھے۔'' ❸

لیکن اس کے برعکس پرویز صاحب یہ کہہ کر انسانی فطرت کا انکار کرتے ہیں:

''فطرتِ انسانی کا عقیدہ وحی کے منکرین نے وضع کیا، لیکن اس کی تبلیغ ان لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو وحی پر ایمان رکھنے کے دعویٰ سے مسلمان کہلاتے ہیں۔'' ❹

---

❶ سنت کی آئینی حیثیت، ص ۳۴۷۔
❷ اسرار و رموز، ص ۲۳۲ تا ۲۳۳۔
❸ اسرار و رموز، ص ۲۳۲ تا ۲۳۳۔
❹ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۶۹ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہتے ہی پرویز صاحب کے جذباتِ غیظ وغضب میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، غصے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مزاج کے گرم تو وہ تھے ہی، فرطِ غضب اور جوشِ غیظ میں وہ انسانی فطرت کے قائلین پر یوں برسنا شروع ہو جاتے ہیں:

''حرام، جو یہ لوگ کبھی کھڑے ہو کر سوچیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور ایسا کہنے کے اثرات ونتائج کیا ہیں۔ بس بھیڑوں کی ایک قطار ہے جو صدیوں سے اس راستے پر چلی جارہی ہے جس پر کبھی کوئی پہلی بھیڑ چلی تھی ﴿كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾'' [1]

پسماندگانِ پرویز اور وابستگانِ طلوعِ اسلام سے یہ درخواست ہے کہ وہ ذرا سوچ کر یہ بتائیں کہ کیا واقعی علامہ اقبالؒ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں ''جو وحی پر ایمان رکھنے کے دعویٰ سے مسلمان کہلاتے ہیں'' لیکن پھر ''انسانی فطرت کے عقیدہ کی تبلیغ بھی کرتے ہیں'' حالانکہ ''یہ عقیدہ منکرین وحی کا وضع کردہ عقیدہ ہے۔'' اور کیا واقعی علامہ اقبالؒ ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق 'مفکر قرآن' کا یہ انکشاف ہے کہ ''حرام، جو یہ لوگ کبھی کھڑے ہو کر سوچیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ایسا کہنے کے اثرات ونتائج کیا ہیں؟'' نیز کیا واقعی، علامہ اقبالؒ (معاذ اللہ) ان جانوروں میں شامل ہیں جن کے متعلق 'مفکرِ قرآن' نے کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی زبان کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ ''بس بھیڑوں کی ایک قطار ہے جو صدیوں سے اس راستے پر چلی جارہی ہے جس پر کبھی کوئی پہلی بھیڑ چلی تھی۔''

مرگِ پرویز کے بعد وابستگانِ طلوعِ اسلام کے ذمہ ان سوالات کا جواب دینا لازم ٹھہرتا ہے، کیونکہ وہ فکرِ اقبال کے شارح اور وارث ہونے کے دعویدار ہیں۔

تیسرا اختلاف مفہوم 'قصاص' میں

اسلامی تعزیرات وعقوبات میں ایک کثیر الاستعمال لفظ 'قصاص' ہے، اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس میں علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب باہم برسرِ اختلاف ہیں۔ پرویز صاحب نے دورِ جدید

---

[1] طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۶۹ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسلام کا جو ترقی یافتہ مفہوم پیش کیا ہے، اس میں سزا کا کوئی تصور نہیں ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"قصاص یہ ہے کہ ملزم کا اسی طرح پیچھا کیا جائے کہ وہ مؤاخذہ سے بچ نہ سکے۔" ❶

"قصاص اس کے معنی سزا دینا نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں، مجرم کا اس طرح پیچھا کرنا کہ وہ بلا گرفت نہ رہ جائے، یعنی قرآنی نظام میں کسی جرم کو (Untraced) نہیں رہنا چاہیے۔ وہ اس قسم کے محکم نظامِ تفتیش میں حیاتِ اجتماعیہ کا راز بتاتا ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (۲/۱۷۸) ❷

قصاص 'سزا' نہیں ہے بلکہ یہ 'محکم نظامِ تفتیش' اور 'تعاقبِ مجرم' کا نام ہے، اگر مجرم بھاگ کر ملکی سرحدوں سے باہر نکل جائے اور پولیس نے ملکی حدود کی حد تک اس کا 'تعاقب' کرلیا تو بس یہی 'تعاقب' قصاص ہے اور اسی 'تعاقبِ مجرم' میں 'حیاتِ اجتماعیہ کا راز' ہے۔

لیکن علامہ اقبالؒ کے نزدیک قصاص کا مفہوم وہی ہے جسے علمائے تفسیر، ماہرین حدیث، فقہائے اسلام، اصحابِ تاریخ وسیر اور ائمہ لغت ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں، یعنی یہ کہ

"(القصاص) أن یوقع علی الجانی مثل ما جنی: النفس بالنفس والجرح بالجرح" ❸

"قصاص یہ ہے کہ مجرم پر وہی اور اتنی ہی چیز کو واقع کیا جائے جیسی اور جتنی اس کی جنایت تھی، جان کے بدلہ جان اور زخم کے بدلہ زخم۔"

حقیقت یہ ہے کہ قصاص کا معنی 'محکم نظامِ تفتیش' نہیں ہے بلکہ یہ سزا ہی کا نام ہے جو مجرم کو اس کے جرم کی مثل دی جاتی ہے، جبکہ 'مفکرِ قرآن' فرماتے ہیں کہ 'قصاص کسی سزا کا نام ہی نہیں ہے، بلکہ 'مجرم کا محض پیچھا کرنا' ہے۔

---

❶ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۸۱ء، ص ۶۔
❷ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۳، ص ۱۷۴۔
❸ المعجم الوسیط، ج ۲، ص ۷۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ اقبالؒ مجند کے سلطان مراد کی وہ حکایت بیان کرتے ہیں جس میں بادشاہ نے معمار کا ہاتھ کاٹ دیا، تو وہ طلبِ انصاف اور حصولِ قصاص کے لئے قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ اپنی بپتا سنائی، قاضی نے سلطان کو حاضرِ عدالت ہونے کا حکم دیا۔ بادشاہ اپنے کئے پر شرمندہ و نادم تھا، اس نے جب اپنے جرم کا اعتراف کیا تو

گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ   زندگی گیرد بایں قانوں ثبات
عبد مسلم کمتر از احرار نیست   خون شہ رنگین تر از معمار نیست
چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید   دست خویش از آستیں بیروں کشید [1]

"قاضی نے کہا: زندگی کا دارومدار قانونِ قصاص پر ہے، اسی قانون سے زندگی استحکام پاتی ہے۔ مسلمان غلام آزاد سے کمتر نہیں، نہ بادشاہ کا خوں معمار کے خون سے زیادہ سرخ ہے۔

جب سلطان مراد نے یہ آیۂ محکم سنی تو قصاص کے لئے اپنی آستیں سے ہاتھ نکال کر آگے بڑھا دیا۔" [2]

اب انہی اشعارِ اقبال کا وہ مفہوم بھی پرویز صاحب کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اس وقت پیش کیا، جب وہ قصاص کے 'ترقی یافتہ' مفہوم سے واقف نہیں ہو پائے تھے، اس متجددانہ مفہوم سے، ان کی زنبیلِ تضادات میں ایک اور تضاد کا اضافہ ہوگیا ہے:

"قاضی نے بادشاہ سے کہا کہ قرآن نے جرم کے لئے قصاص کا حکم دیا، اور اس کی حکمت و غایت یہ بتائی ہے کہ اس میں انسان کے لئے رازِ حیات ہے، اگر جرم کی سزا نہ دی جائے تو معاشرہ کا نظام درہم برہم ہوجائے اور نوعِ انسانی کے لئے جینا دشوار ہوجائے اور چونکہ قرآن کی رو سے ہر فرزندِ قوم یکساں احترام کا مستحق ہے، اس لئے اس کے قانون میں جان کا بدلہ جان ہے بلاتمیز اس کے کہ وہ جان ایک مزدور کے قالب میں ہے یا شہنشاہ کے پیکر میں۔ اسی اُصول کے

[1] اسرار و رموز، ص ۲۴۲، تا ۲۴۳۔ [2] اسرار و رموز، ص ۲۴۲ تا ۲۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابق مسلمان غلام کی جان کی قیمت، آزاد مرد سے کسی صورت میں کم نہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ بادشاہ کا خون، معمار کے خون سے زیادہ سرخ نہیں ہوتا۔ اس لئے قصاص کے معنی یہ ہیں کہ مزدور کے ہاتھ کے بدلہ بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ جب شہنشاہ مراد نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکال کر، قطع کردینے کے لئے پیش کردیا۔'' ❶

لیکن آج 'مفکر قرآن' کے نزدیک 'قصاص' کسی سزا کا نام ہے ہی نہیں۔

چوتھا اختلاف بسلسلۂ قوامیتِ مرداں وقنوتِ نسواں

قرآن کریم نے گھریلو زندگی میں صراحت کے ساتھ مردوں کو قوّام بنایا ہے اور خواتین کو قنوت کے مقام پر رکھا ہے۔ قنوت کا معنی و مفہوم 'اطاعت و فرماں برداری' ہے۔ ہمارے 'مفکر قرآن' اس معنی کو تو مانتے ہیں، مگر وہ عورتوں کو شوہروں کا مطیع و فرماں بردار تسلیم کرنے کی بجائے مفہومِ آیت یہ بیان کرتے ہیں کہ مرد اور خواتین سب کے سب اللہ ہی کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ حالانکہ یہ معنی صرف وہاں مراد لیا جاسکتا ہے جہاں اطاعت و فرماں برداری کے اللہ (یا اس کے رسولؐ) کے لئے مخصوص ہونے کا قرینہ موجود ہو لیکن جہاں یہ لفظ (قنوت) شوہروں کے قرینہ کے ساتھ عائلی زندگی سے متعلقہ ہدایات کے حوالہ سے مذکور ہو، وہاں اسے شوہروں کی اطاعت و فرماں برداری کے مفہوم میں نہ لینا، ایک بے جا بات ہے اور قرآن کی محولہ بالا آیت (سورۃ النساء:۳۴) میں چونکہ مردوں کی قوامیت کے مقابلہ میں عورتوں کے قنوت کا ذکر ہے، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر قطعی دلیل یہ ہے کہ اسی آیت کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ ﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ ....﴾ یعنی اگر یہ بیویاں، تمہاری اطاعت پر اُتر آئیں (اور اپنی نشوز [نافرمانی] کی روش ترک کردیں) تو پھر ان پر زیادتی کرنے کی راہیں نہ ڈھونڈو اور پھر شوہروں کے لئے یہ اطاعت بھی، حکم خدا ہی پر موقوف ہے۔ اس لئے بیویوں کا اپنے شوہروں کے سامنے مطیع و فرماں بردار ہونا ایک قطعی قرآنی امر ہے اور اطاعت و فرماں برداری کا کمال

---

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۵۷ء، ص ۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ خواتین کی پسند و ناپسند ان کے شوہروں کی پسند و ناپسند میں ڈھل جائے۔ علامہ اقبالؒ ٹھیک اسی اعلیٰ درجے کی اطاعت و فرماں برداری کے قائل ہیں۔ وہ خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جملہ خواتینِ اسلام کے لئے اُسوۂ کاملہ قرار دیتے ہوئے اُنہیں یوں خراجِ عقیدت پیش فرماتے ہیں:

نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضایش در رضائے شوہرش ❶

''نوری و آتشی سب آپؓ کے فرمانبردار تھے۔ آپؓ نے اپنی رضا کو شوہر کی رضا میں گم کر دیا تھا۔'' ❷

لیکن چونکہ 'مفکر قرآن' صاحب تہذیبِ مغرب کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے، اس لئے قرآن اور اقبالؒ کا یہ نظریہ ان کے لئے قابل قبول نہ تھا، بلکہ وہ اس کے برعکس ابتداءً مرد وزن کو عائلی زندگی میں مساوی المرتبہ قرار دیا کرتے تھے، لیکن پھر آخر کار وہ مغرب سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر 'روشن خیالی' کا دم بھرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ مرتبہ و مقام کے اعتبار سے خواتین کو مردوں پر فوقیت حاصل ہے، اور 'دلیل' یہ پیش کیا کرتے تھے:

''چونکہ ازدواجی میزان میں عورت کا پلڑہ بمقابلہ مرد کے جھکتا ہے (یعنی عورت کی قدر و قیمت مرد کے مقابلہ میں زیادہ ہے) اسی لئے مرد کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ کچھ تحفہ عورت کو دے۔'' ❸

ہمارے 'مفکر قرآن' اپنی تضاد گوئی میں بھی ایک بے مثال ولاجواب شخصیت تھے یہاں تو اُنہوں نے عورتوں کے مقام و مرتبہ کو مردوں کے مقابلہ میں بلندتر قرار دیا ہے، لیکن اپنے اسی مقالہ میں وہ ایک صفحہ پہلے دونوں اصنافِ بشر کو مساوی المرتبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح سے مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرائض عائد ہوتے ہیں، سورۃ البقرۃ

---

❶ اسرار ورموز، ص ۳۴۴۔ ❷ اسرار و رموز، ص ۳۴۵۔
❸ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ قاعدے اور قانون کے مطابق، عورت کے بھی اتنے ہی حقوق ہیں جتنی اس کی ذمہ داریاں ہیں۔" ❶

بہر حال اقبالؒ اور قرآن، دونوں ہی خواتین کی یہ خوبی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہوں، یہاں تک کہ ان کی پسند و ناپسند شوہروں کی پسند و ناپسند میں ڈھل جائے لیکن پرویز صاحب کے نزدیک یہ سراسر غیر قرآنی تصور ہے۔ وہ اس کی تردید میں لکھتے ہیں:

"دوسرے مصرعہ میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ بیوی کی بلند ترین سیرت یہ ہے کہ اس کی مرضی اپنے خاوند کی مرضی میں گم ہو جائے، اس میں شبہ نہیں کہ جذباتی طور پر یہ چیز بڑی خوش آیند معلوم ہوتی ہے، لیکن قرآن کی یہ تعلیم نہیں کہ بیوی کی اپنی مرضی کچھ نہ ہو، وہ ہر بات میں میاں کی مرضی کے تابع چلے، میاں اور بیوی دونوں کو قوانین خداوندی کے تابع چلنا چاہیے۔" ❷

قرآنِ کریم اور علامہ اقبالؒ کے خلاف 'مفکرِ قرآن' کا یہ استدلال ایک ملمع ساز منطق (Fallacious Logic) ہے، اور یہ کہتے ہوئے کہ "میاں بیوی، دونوں کو قوانین خداوندی کے تابع چلنا چاہئے" ...... 'تہذیب کا یہ فرزند' یہ بھول جاتا ہے کہ خود خدا ہی اپنا یہ قانون بیان کر رہا ہے کہ بیویاں (نشوز کی روش چھوڑ کر) شوہروں کی اطاعت اختیار کریں:

﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (سورۃ النساء: ۳۴)

"اگر وہ تمہاری اطاعت کریں، تو اُن پر دست درازی کی راہیں نہ تلاش کرو۔"

پانچواں اختلاف بسلسلۂ اطاعتِ والدین

علامہ اقبالؒ ماں باپ کے احترام و اطاعت کو تعلیمِ دین سمجھتے تھے، وہ احترامِ ماں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

---

❶ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۶۲ء، ص ۱۵۔

❷ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۵۹ء، ص ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفت آں مقصود حرفِ کُن فکاں
زیرِ پائے اُمہات آمد جناں ❶

"وہ ذات جو حرفِ کُن فکان کے مقصود ہیں، اُنہوں نے فرمایا ہے کہ جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے۔" ❷

رہا والد کا احترام اور اس کی اطاعت تو علامہؒ کے سامنے ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ رہا، جس میں وہ اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ سے یہ فرماتے ہیں کہ "بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ میں) قربان کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے؟" بیٹا یہ سن کر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے عرض گزار ہے کہ "ابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر گزریئے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔" اولاد کی ایسی دینی تربیت اور پھر بیٹے کی ایسی بھرپور اطاعت پر علامہ اقبالؒ اُنہیں یوں خراجِ تحسین پیش فرماتے ہیں:

یہ فیضانِ نظر تھا، یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی ❸

ایک اور مقام پر حضرت اسماعیلؑ کی اس قربانی کے ساتھ حضرت حسینؓ کی قربانی کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ ❹

خود علامہ اقبالؒ کا دامن کردار اطاعتِ والدین کی خوبی سے مزین تھا، اور مندرجہ ذیل واقعہ کو خود پرویز صاحب نے تائیداً بیان کیا ہے:

"علامہ کی مثنوی 'اسرارِ خودی' کے خلاف جب یہ ہنگامہ گرم تھا، اُنہی دِنوں علامہ

---

❶ اسرار و رموز، ص ۳۲۸۔ ❷ اسرار و رموز، ص ۳۲۹۔
❸ کلیاتِ اقبال اُردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم، جون ۱۹۹۶ء)، ص ۳۰۶۔
❹ کلیاتِ اقبال اُردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم، جون ۱۹۹۶ء)، ص ۳۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیالکوٹ تشریف لائے، اور باپ بیٹے جب یکجا بیٹھے تو مثنوی پر حلقۂ صوفیا کی برہمی کا ذکر آیا۔ علامہ نے فرمایا: ''میں نے حافظ کی ذات اور شخصیت پر اعتراض نہیں کیا، میں نے صرف ایک اُصول کی تشریح کی ہے، اس کا افسوس ہے کہ مسلمانانِ وطن پر عجمی اثرات اس قدر غالب آ چکے ہیں کہ وہ زہر کو آبِ حیات سمجھتے ہیں۔'' علامہ کے والد بزرگوار نے بڑی مرنجاں مرنج طبیعت پائی تھی۔ اُنہوں نے اس پر فرمایا کہ اگر حافظ کے عقیدت مندوں کے جذبات کو ٹھیس لگائے بغیر اُصول کی تشریح کر دی جاتی تو اچھا تھا۔ علامہ نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ 'حافظ پرستی' بھی تو 'بت پرستی' سے کم نہیں۔ اس پر ان کے والد نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو بتوں کو بھی بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے مثنوی کے وہ اشعار جن پر عقیدت مندانِ حافظ کو اعتراض ہے، آئندہ ایڈیشن میں ان کا حذف کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ علامہ نے اس پر زبان سے کچھ نہیں کہا، بس مسکرا کر رہ گئے اور اپنے والد محترم سے بحث کرنے کی بجائے، ان کے حضور سرِ تسلیم خم کر دیا (اور ان اشعار کو حذف کر دیا)۔'' ❶

حیاتِ اقبالؒ کا یہ واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ وہ اطاعتِ والدین کے قولاً اور عملاً قائل اور عامل بھی تھے، لیکن 'مفکرِ قرآن' صاحب کے نزدیک اطاعت والدین کا تصور غیر قرآنی تصور ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ ''اس (قرآن) نے ماں باپ کی اطاعت کو کہیں فرض قرار نہیں دیا۔ بلکہ کہا تو یہ کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔'' ❷

۲۔ ''ایک صحیح العقل نوجوان کے لئے ماں باپ کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ ان سے مشورہ لے سکتا ہے، ان کے فیصلوں کا پابند نہیں ہوسکتا۔'' ❸

---

❶ تصوف کی حقیقت، ص ۳۰۷۔ ❷ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۲، ص ۳۴۷۔

❸ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۴ء، ص ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک مشورہ لینے کا تعلق ہے، اس میں والدین کی کیا تخصیص ہے، وہ تو زید، بکر، عمر ہر ایک سے لیا جا سکتا ہے، اور انسان کسی کے بھی فیصلوں کا پابند نہیں ہے۔ پھر آخر والدین ہی کے بارے میں ایسے تاکیدی احکام کیوں کہ اشکر لي ولوالديك اور یہ کہ بالوالدين إحسانا اور پھر ان احکام کو قرآن میں عبادتِ خداوندی کے حکم کے ساتھ متصل اور مقرون کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نیز کیا والدین کے ساتھ کوئی حسنِ سلوک ان کی نافرمانی کی صورت میں بھی ممکن ہے؟ اب کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کوئی 'صحیح العقل نوجوان' نہیں تھے؟ کیونکہ اُنہوں نے باپ کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا یا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ تھے تو 'صحیح العقل' لیکن ان کی اطاعتِ والد کی یہ 'حرکت' قطعاً 'غیر قرآنی عمل' ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ اطاعتِ والدین کا نظریہ خود قرآن میں موجود ہے۔ وہ ایک خاص صورتِ حال میں (جبکہ اُنہیں شرک یا مخالفتِ حکم خدا پر اُکسایا جا رہا ہو) والدین کی اطاعت سے منع کرتا ہے۔ خاص صورتِ حال میں، اطاعتِ والدین سے منع کرنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ عام حالات میں اطاعتِ والدین لازم ہے۔

چھٹا اختلاف بسلسلۂ 'الہام'

علامہ اقبالؒ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں الہام والقا کے قائل و معتقد تھے، کیونکہ قرآن میں دیگر واقعات کے علاوہ الہامِ خداوندی کا یہ واقعہ موجود ہے جس میں ولادتِ موسیٰ پر جب ان کی والدہ کو فرعون کی قتل ابناءِ بنی اسرائیل کی پالیسی کے تحت خوف لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں الہاماً یہ فرمایا:

﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي، إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

(القصص:۷)

''ہم نے اُمّ موسیٰ کو وحی کی کہ بچے کو دودھ پلاتی رہ، جب تجھے اس کی جان پر خوف لاحق ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا اور کسی خوف و غم میں مبتلا نہ ہونا۔ ہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے تیری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسول بنا دیں گے۔"

قرآنِ کریم میں مذکور واقعاتِ الہام کی بنا پر علامہ اقبالؒ الہام کے قائل تھے، جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہے:

ہو بندۂ آزاد، اگر صاحبِ الہام ہے اس کی نگاہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی ہو جاتی ہے خاکِ چمنستاں شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز
اس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز ❶

ہاں البتہ وہ ایسے الہامِ محکوم سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں جو غیروں کی غلامی میں جکڑ دے اور آزاد اقوام پر چیرہ دستیوں کے ساتھ چنگیزانہ آقائی مسلط کردے:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز ❷

الہام تو رہا ایک طرف، اقبال تو ایسی نبوت کے بھی قائل نہیں جو مسلمانوں کو سلاطین کی غلامی و پرستاری میں مبتلا کر ڈالے:

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام ❸

لیکن 'مفکرِ قرآن' صاحب اس معاملہ میں بھی مصورِ پاکستان سے اختلاف کرتے ہیں، وہ الہام کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک: "الہام کا تصور بے بنیاد ہے۔"

نیز یہ کہ وہ الہام کو (بالکل اور بہر صورت وحی سمجھتے ہوئے) اسے عقیدۂ ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں:

---

❶ کلیاتِ اقبال، ص ۵۱۶۔
❷ کلیاتِ اقبال، ص ۵۱۶۔
❸ کلیاتِ اقبال، ص ۵۱۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''الہام کا لفظ قرآنِ کریم میں اور کسی جگہ نہیں آیا، اس لئے خدا سے براہِ راست علم حاصل کرنے کے لئے یہ کہنا کہ یہ وحی نہیں ہے، کشف یا الہام ہے، محض لفظی تبدیلی سے ختم نبوت کی مہر توڑ دینے کے مترادف ہے۔'' ❶

اس مقالہ کا مقصد صرف اور صرف علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویز کے درمیان واقع باہمی اختلافات کو پیش کرنا ہے۔ فی الحال نہ تو ان اختلافات میں سے کسی پر محاکمہ کرنا ہمارے پیش نظر ہے اور نہ ہی کسی ایک پر بسط واطناب سے تفصیلی بحث کرنا، ہمارا مطمح نظر ہے، اور نہ ہی اس مختصر مقالہ میں ایسی شرح وتفصیل کی گنجائش ہی ہے۔

علامہ اقبال مسلمانانِ برصغیر کی عظیم فکری شخصیت ہیں اور آپ نے شاعری کے ذریعے مسلم اُمہ میں بیداری کی لہر پیدا کی۔ اثر آفرینی اور ملی افکار کی بدولت آپ کی شاعری ممتاز ترین حیثیت کی حامل ہے۔لیکن ان غیر معمولی خصائص کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے جملہ افکار اور شاعری کو مقامِ عصمت اور تقدس حاصل ہے۔ ایک انسان ہونے کے ناطے اس میں بعض پہلوؤں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، خود آپ کے افکار میں بھی ارتقاء کا عمل جاری رہا جس کے اثرات آپ کی شاعری میں بھی جھلکتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں بعض موضوعات کے حوالے سے شاعر مشرق علامہ اقبال اور منکر حدیث غلام احمد پرویز کے افکار ونظریات کا ایک تقابل پیش کیا جارہا ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پرویز نے محض اپنے مقاصد کے لئے علامہ اقبال کا نام نامی استعمال کیا ہے۔ آپ کے نام کو استعمال کرنے کی وجہ سے ایسا ہرگز نہ سمجھا جائے کہ علامہ اقبال بھی ایسے ہی خیالات رکھتے تھے اور نہ ہی یہ کہ پرویز کے ملحدانہ نظریات کو علامہ کی کوئی تائید حاصل ہے۔ اس مقصد کے لئے متعدد مثالوں کو پیش کرتے ہوئے دونوں کے اقتباسات کی نشاندہی پر ہی اکتفا کیا گیا

❶ تصوف کی حقیقت، ص ۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جبکہ نفس مسئلہ کے بارے میں مقالہ کی طوالت کے پیش نظر اپنے تبصرہ یا ان پر محاکمہ سے گریز کیا گیا ہے۔اس مضمون کی پہلی قسط محدث کے شمارۂ اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی،طلوعِ اسلام میں انہی دنوں شائع ہونے والے بعض مضامین کے فوری جواب کی وجہ سے زیرنظر قسط مؤخر ہوگئی تھی۔ ☆

ساتواں اختلاف تصوف کی بابت

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے مابین جن اُمور میں اختلاف تھا، ان میں ایک امر تصوف کا معاملہ بھی تھا۔ اوّل الذکر تصوف کے قائل تھے جبکہ مؤخر الذکر اس کے سخت خلاف تھے، تصوف کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ انسانی زندگی پر اس کے اثرات کیا ہیں؟ ان تمام اُمور سے قطع نظر کرتے ہوئے، یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تصوف سے علامہ اقبالؒ کی دلچسپی اور ان کے متصوفانہ اشعار و اعمال کا ذکر، جب کیا جاتا ہے تو اس کی تردید میں پرویز صاحب یہ کہا کرتے تھے کہ

> ''اقبال کی طرف منسوب ان قصوں کا جواب یہ ہے کہ یہ اس زمانے یا ان لمحات کی باتیں ہیں جب قرآنی حقائق سے وہ متعارف نہیں ہوئے تھے، یا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے۔'' ❶

چکمہ بازی اور مغالطہ آرائی میں ...... بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ......فریب کاری اور دھوکہ دہی میں 'مفکر قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کا ایسا بلند مقام تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا فریب کار ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہاں اُنہوں نے عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے اُدھوری بات پیش کی ہے، اور اسی بنا پر اپنے اس مفروضہ کو حقیقت کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے کہ تصوف اور قرآن گویا بنیادی طور پر ایک دوسرے کے خلاف اور باہم دگر نقیض و متضاد ہیں، حالانکہ اپنے مقصودِ اصلی اور غایت اولیٰ کے اعتبار سے،

☆ یہ اقتباس، مقالہ کی دوسری قسط پر، مدیر محدث کے وضاحتی نوٹ کی حیثیت رکھتا ہے، جو مارچ ۲۰۰۷ء کے صفحہ ۵۱ پر شمارہ میں موجود ہے۔

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۸۴ء، ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور زہد و تقویٰ کے مفہوم میں 'تصوف' قرآن کا مقصود و مطلوب ہے۔ تصوف آخر اس کے سوا کیا ہے کہ وہ پاکیزگی نفس، تطہیر قلب، رجوع الی اللہ اور اخلاص فی العمل کا نام ہے، خود طلوعِ اسلام میں پرویز صاحب ہی کے قلم سے، انہی اُمور کو 'تصوف' کہا گیا ہے:

"اعمال میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے، اخلاص نہ ہو تو پھر اعمال یا محض ریاکاری ہو جاتے ہیں یا مشینی عمل کہ جس میں حرکت تو ہوتی ہے لیکن روح مفقود۔ جب عوام میں کچھ ظاہرداری آنے لگی تو حقیقت بین نگاہوں نے اخلاص پر زور دیا، اور اعمال کے اصل مقصد یعنی تزکیۂ نفس، صفائی قلب، اِنابت الی اللہ اور خشیتِ باری تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی، یہ سمجھئے تصوف کی اصل۔" ❶

اب اگر تصوف کی اصل یہی ہے تو پھر نہ تو یہ قرآن سے کوئی الگ اور جداگانہ چیز ہے، اور نہ ہی اسلام سے کوئی متناقض یا متصادم تصور۔ قرونِ اولیٰ میں فی الواقع یہ تصوف موجود تھا، مگر یہ نام موجود نہ تھا، آج یہ نام موجود ہے، لیکن وہ حقیقی تصوف موجود نہیں ہے۔ لاریب اصل اور حقیقی تصوف میں آج کچھ ایسے اُمور بھی شامل ہو چکے ہیں جو قرآن و سنت سے بیگانہ ہیں۔

بہرحال 'مفکر قرآن' نے تصوف کے معاملہ میں پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ اسے قرآن کے نقیض کے طور پر پیش کیا ہے، اور یہ کچھ اُنہوں نے پوری کی بجائے، اُدھوری بات پیش کرتے ہوئے کیا ہے، اور دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ اقبالؒ کے متصوفانہ اُمور و واقعات کو اُن کے 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کے دور سے قبل کے واقعات قرار دیا ہے اور ساتھ ہی یہ تاثر دیا ہے کہ ان کی زندگی کا آخری دور، چونکہ 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کا دور تھا، اس لئے ان کے اس دورِ سابق کے خیالات سند نہیں ہو سکتے جس میں قرآنی حقائق سے وہ 'جاہل و بے خبر' تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"انکی اوّلین تحریروں کو ان کے خیالات کی ترجمانی کیلئے بطورِ سند پیش نہیں کرنا چاہئے۔" ❷

یاد رکھئے کہ اس معاملہ میں پوری حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ (بقول طلوعِ اسلام)

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی ۱۹۴۰ء، ص ۴۲۔ ❷ طلوعِ اسلام، اگست، ستمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۲۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخری عمر میں پھر اسی تصوف کی طرف لوٹ گئے تھے جو علما کے ہاں بھی اور خود پرویز صاحب کے ہاں بھی اسلام کا مقصود و مطلوب ❶ تھا۔ لیکن پرویز صاحب چونکہ اب خود تصوف کے خلاف ہو چکے تھے، اس لئے وہ یہ اُدھوری حقیقت تو پیش کرتے ہیں کہ اقبالؒ 'قرآنی حقائق سے متعارف' ہونے کے بعد تصوف کے قائل نہیں رہے تھے، لہٰذا ان کے سابقہ دور کے خیالات کو بطورِ سند پیش نہ کیا جائے۔ لیکن وہ یہاں اس حقیقت کو پردۂ اخفا میں رکھتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں پھر تصوف کے قائل ہو گئے تھے، اور یہ الفاظ کہ...... ''اقبال کے دورِ سابق کے خیالات کو بطورِ سند پیش نہیں کرنا چاہئے۔''...... خود 'مفکر ِقرآن' ہی کے سامنے ایک ایسا آئینہ پیش کر دیتے ہیں جس میں اُنہیں دوبارہ اپنا چہرہ دیکھنا چاہئے، لیکن چونکہ وہ یہ آئینہ دیکھنا نہیں چاہتے، اسلئے وہ خود تو علامہ کے دورِ ماضی کے خیالات کو پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن دوسروں کو وہ یہی حکم دیتے ہیں کہ وہ ایسا نہ کریں، اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت!

رہا 'مفکر ِقرآن' صاحب کی طرف سے نظر انداز شدہ حقیقت کا یہ حصہ کہ علامہ اقبالؒ اپنے آخری دورِ زندگی میں پھر تصوف کے قائل ہو گئے تھے تو اس کا ثبوت بھی طلوعِ اسلام ہی کی فائل سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ 'مفکر ِقرآن' کی دھوکہ دہی اور فریب کاری طشت از بام ہو جائے:

''یاد رہے کہ تصوف کے متعلق اقبال کے نظریات ہمیشہ ہی متنازعہ رہے ہیں، کسی

---

❶ بعض لوگ تصوف کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک تصوف تو وہ ہے جو آج ہمارے معاشروں میں پایا جاتا ہے، سلوک و طریقت کی منزلوں، وجد و عرفان کے طریقوں اور راگ و رقص کی خرافات کے ساتھ ساتھ اس میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے گمراہ عقائد بھی موجود ہیں۔ ابن عربی، منصور حلاج، جنید بغدادی اور دیگر مشہور صوفیا کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے، یہ تو وہ تصوف ہے، جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں اور اسی تصوف کی حقیقت پر مولانا عبد الرحمٰن کیلانی کی ''شریعت و طریقت'' کے نام سے کتاب لائق مطالعہ ہے۔ البتہ تصوف کا دوسرا مفہوم زہد و ورع اور احسان یا اخلاص فی العمل وغیرہ کے معنی میں لیا جاتا ہے اور اس کو ''مطلوب تصوف'' باور کیا جاتا ہے جبکہ محتاط طرزِ عمل یہ ہے کہ تصوف کی مشترک المعنی اصطلاح استعمال کرنے کی بجائے ان نیک خصائل کو دورِ خیر القرون کی طرح زہد و اخلاص کے نام سے ہی متعارف کرایا جائے۔ (ح م)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانہ میں وہ تصوف کے دل دادہ تھے، پھر ایک زمانہ آیا کہ وہ اس کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھنے لگے، اس زمانے میں اُنہوں نے 'تصوف، شعبدہ بازیوں کی کمند' جیسا مضمون تحریر کیا، اس کے علاوہ وہ تصوف کو اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا بھی کہا کرتے تھے، اور اس کے بعد عمر کے آخری حصے میں پھر اسی طرف آ گئے۔'' ❶

اب رہا یہ سوال کہ علامہ اقبالؒ کس تصوف کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھتے تھے اور کس تصوف کے وہ عمر بھر دلدادہ رہے، اور کس تصوف کو وہ سرزمین اسلام میں عجمی پودا قرار دیتے تھے تو اس پر میں پرویز کے پورے لٹریچر کی روشنی میں کبھی تفصیلی مقالہ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ

آٹھواں اختلاف بسلسلۂ خلافت الٰہیہ

مصورِ پاکستان علامہ اقبالؒ اور 'مفکرِ قرآن' پرویز صاحب کے درمیان آٹھواں اختلافی مسئلہ انسان کا خلیفۃ اللہ ہونا ہے۔ پرویز صاحب اس کے قائل نہیں ہیں جبکہ علامہ اقبالؒ حضرت انسان کی نیابتِ الٰہیہ کے قائل ہیں۔ ان کا یہ موقف مندرجہ ذیل اشعار میں مذکور ہے:

نائب حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است ❷

''دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا اور عناصر فطرت پر حکمرانی کرنا کیا خوب ہے۔'' ❸

نائب حق، ہمچو جانِ عالم است
ہستی او ظل اسم اعظم است ❹

''نائب حق، اس کائنات کی جان کی مانند ہے اور اس کا وجود اسم اعظم کا سایہ ہے۔'' ❺

---

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۔
❷ اسرار و رموز، ص ۱۱۴۔
❸ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵۔
❹ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵۔
❺ اسرار و رموز، ص ۱۱۴ تا ۱۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لیکن پرویز صاحب نہ تو خلافتِ الٰہیہ کے قائل ہیں اور نہ ہی انسان کو خلیفۃ اللہ مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تصور ہی غیر قرآنی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ اصل یہ ہے کہ اس قسم کے باطل تصورات کا بنیادی سبب وہ عقیدہ ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یہ عقیدہ قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ ❶

۲۔ یہ جو ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا تو یہ تصور غیر قرآنی ہے۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یہ عیسائیت کا تصور ہے۔ ❷

۳۔ ہمارے ہاں ایک غلط تصور یہ بھی رائج ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا خلیفہ ہے (خليفة الله في الأرض) یہ تصور بھی قرآن کے خلاف ہے۔ ❸

انسان کا خلیفۃ اللہ ہونا، وہ موقف ہے جو پرویز صاحب کے نزدیک قطعی خلافِ قرآن ہے جبکہ علامہ اقبالؒ اسے ایک اسلامی حقیقت قرار دیتے ہیں۔

نواں اختلاف بسلسلۂ تقلید

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے درمیان واقع اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ تقلید کا مسئلہ بھی ہے۔ تقلید کی شرعی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک تاریخی حقیقت کے طور پر اگر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پرویز صاحب تقلید کے خلاف ہیں، جبکہ علامہ اقبالؒ اس دورِ پُرفتن میں تقلیدِ اسلاف پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس عنوان کے تحت کہ 'در معنیٔ ایں کہ در زمانۂ انحطاط' تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است' فرماتے ہیں:

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سراست　　طبع نا پروائے او آفت گراست
بزم اقوام کہن برہم ازو　　شاخسار زندگی بے نم ازو

---

❶ طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۳ء، ص ۱۶۔
❷ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۸۔
❸ تفسیر مطالب الفرقان، جلد دوم، ص ۶۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلوہ اش مارا زما بیگانہ کرد   ساز مارا از نوا بیگانہ کرد
از دل ما آتش دیرینہ بُرد   نور و نار لا الٰہ از سینہ برد
مضمحل گردد چوں تقدیم حیات   ملت از تقلید می گیرد ثبات
راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است   معنی تقلید ضبط ملت است ❶

''موجودہ دور اپنے اندر بہت سے فتنے رکھتا ہے، اس کی بے باک طبیعت سراپا آفت ہے۔ عہدِ حاضر نے گذشتہ اقوام کی بزم کو برہم کردیا اور زندگی کی شاخوں کو نمی سے محروم کردیا۔ دورِ جدید کے جلوؤں نے اپنا آپ بھلا دیا ہے، اور ہمارے سازِ زندگی کو نغمہ سے محروم کردیا۔ اس نے ہمارے دل سے عشق کی قدیم آگ چھین لی ہے اور ہمارے سینوں سے لا الٰہ کا نور ونار نکال دیا ہے۔ جب زندگی کی ساخت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس وقت قوم تقلید ہی سے استحکام پاتی ہے۔ اپنے آباء کے راستے پر چل کہ اسی میں جمعیت ہے۔ تقلید کا مطلب ملت کو ایک ضبط کے تحت لانا ہے۔'' ❷

قدرے اور آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:

اے پریشاں محفل دیرینہ ات   مردہ شمع زندگی در سینہ ات
نقش بر دل معنی توحید کن   چارۂ کار خود از تقلید کن
اجتہاد اندر زمان انحطاط   قوم را برہم ہمیں پیچد بساط
ز اجتہاد عالمانِ کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر ❸

'' اے مسلمان! تیری قدیم محفل پریشان ہوچکی، اور تیرے سینے میں شمع زندگی بجھ گئی۔

اپنے دل پر دوبارہ نقش توحید کندہ کر، اور تقلیدِ اسلاف سے چارہ سازی کر۔

---

❶ اسرار و رموز، ص ۲۷۴۔
❷ اسرار و رموز، ص ۲۷۵۔
❸ اسرار و رموز، ص ۲۷۶ تا ۲۷۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انحطاط کے زمانہ میں اجتہاد قوم کا شیرازہ بکھیر دیتا اور اس کی بساط لپیٹ دیتا ہے۔

کوتاہ نظر عالموں کے اجتہاد سے، اسلاف کی پیروی زیادہ محفوظ راستہ ہے۔'' ❶

لیکن پرویز صاحب تقلید کی زبردست مخالفت کرتے ہوئے اسے اللہ کے حضور ناقابلِ قبول عمل بلکہ ناقابلِ معافی جرم قرار دیتے ہیں اور روشِ تقلید کو دخولِ جہنم کا سبب گردانتے ہیں، چنانچہ وہ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ کہتے ہیں:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تقلید کو حرام قرار دے کر نیز کتاب اللہ میں یہ تصریح فرما کر کہ اللہ تعالیٰ تقلید کو قبول نہیں کرے گا، نہ آخرت میں مقلد کو معذور اور قابل معافی سمجھے گا بالواسطہ ہر ایک کے لئے خود اعتقادی کے ساتھ دین کا استدلالی علم سیکھنا فرض قرار دیا ہے۔'' ❷

''قرآن کے نزدیک عقل و فکر سے کام نہ لینا اور دوسروں کی اندھی تقلید کئے جانا، ایسی روش ہے جو افراد اور اقوام دونوں کو جہنم میں جا گراتی ہے۔'' ❸

'مفکرِ قرآن' جناب پرویز صاحب کے ان اقتباسات کی روشنی میں مصورِ پاکستان جناب علامہ اقبالؒ کا دنیا و آخرت میں جو مقام قرار پاتا ہے، وہ واضح ہے لیکن چونکہ کلامِ اقبالؒ کے 'شارح' اور فکرِ اقبالؒ کے 'وارث' ہونے کی حیثیت سے، اُنہیں یہ گوارا نہیں کہ علامہ اقبالؒ واصل جہنم ہوں، اس لئے وہ علامہ اقبالؒ کے نظریۂ تقلید کی بابت یہ توجیہ کرتے ہیں:

''اقبال حامل وحی نہ تھے کہ اُنہیں کسی مسئلہ میں غلطی نہ لگتی۔ اُنہوں نے یہ کچھ اپنی فکر کے ابتدائی ایام میں کہا تھا، لیکن جب (بعد میں) ان کی فکر میں پختگی اور مطالعہ میں مزید وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی تو اُنہوں نے خود ہی اس رائے کو بدل دیا۔'' ❹

---

❶ اسرار و رموز، ص ۲۷۶ تا ۲۷۷۔

❷ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۳۰۔

❸ طلوعِ اسلام، [illegible] ۱۹۸۱ء، ص ۶۲۔

❹ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ توجیہ اگر درست بھی ہو، تب بھی یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ پرویز صاحب نے علامہ اقبالؒ کی بدلی ہوئی رائے کے مطابق کیا واقعی ترکِ تقلید کا مسلک اپنا لیا تھا؟ جبکہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ پرویز اپنے آخری سانس تک مقلد بنے رہے ہیں اور انتہائی جامد قسم کی تقلید پر قائم رہے ہیں، اندھے کی لاٹھی کے سہارے روشِ تقلید پر گامزن رہے ہیں۔ زندگی کے کسی مرحلے میں بھی، وہ تقلید کے بندھن سے آزاد نہیں ہوئے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ یا امام احمدؒ بن حنبل کی تقلید کی بجائے 'امام ڈارون'، 'امام مارکس'، 'امام رینان' اور 'امام ان ون' وغیرہ کی تقلید کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ نفس تقلید اگر واقعی کوئی معیوب چیز ہے تو خواہ یہ قدیم کی ہو یا جدید کی، ہر نوع کی تقلید معیوب ہے لیکن 'مفکر قرآن' صاحب تھے کہ وہ تقلید کو دو قسموں میں تقسیم کر کے ایک قسم کی تقلید کی زبردست مخالفت کیا کرتے تھے اور دوسری قسم کی تقلید کو جامد انداز میں اپنائے ہوئے تھے۔ اسلاف صالحین کی پیروی و اطاعت کا معاملہ ہو تو وہ ایک لمبی آہِ سرد بھر کر، آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ ؏

آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

لیکن ائمہ مغرب کی تقلید کا معاملہ ہو تو ان کے 'دل کی پوشیدہ بے تابیاں' اور 'دیدہ ترکی بے خوابیاں' ان کے 'نالہ نیم شب کا نیاز' اور ان کے 'خلوت و انجمن کا گداز' اسے 'وقت کا تقاضا' قرار دے کر سندِ جواز بخش دیتا تھا۔ حالانکہ اقبالؒ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک 'تقلیدِ مغرب' کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کسی ماں کے لعل کے بس کا روگ نہیں ہے کہ وہ تقلیدِ جامد کے حق میں کوئی ایسی توجیہ پیش کر سکے جیسی پرویز صاحب نے تقلیدِ قدیم کی مخالفت میں کی ہے جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ڈارون، مارکس اور دیگر ائمہ مغرب کی تقلید سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مرتبہ یہ بہتر ہے کہ مسلم فقہا میں سے کسی کا اتباع کیا جائے، لیکن پرویز صاحب نام کے 'غلام احمد' تھے، کام کے 'غلام احمد' نہ تھے اور اصلاً وہ 'غلام مغرب' تھے، اس لئے اُنہیں فقہاء اربعہ کی صورت میں 'غلامانِ احمد' کی بجائے فرنگی تہذیب کے 'عالمانِ مغرب' ہی عزیز تر تھے، اس لئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
وہ اُن ہی کی تقلید و پیروی کرتے رہے ہیں، جس کے نتیجے میں 'مفکرِ قرآن' نے بڑی جانگسل محنتوں اور جگر پاش مشقتوں کے ساتھ قرآن مجید سے وہ کچھ کشید کر ڈالا جسے اہل مغرب بغیر کسی قرآن کے پہلے ہی سے اپنائے ہوئے ہیں۔

دسواں اختلاف معجزات کے بارہ میں

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب میں جو اُمور مختلف فیہ تھے، ان میں ایک بڑا اور اہم اختلاف معجزات کے بارے میں بھی تھا۔ اوّل الذکر کے بارے میں مؤخر الذکر خود شہادت دیتے ہیں کہ

"آپ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کے قائل تھے۔" ❶

صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے نہیں بلکہ علامہ اقبالؒ جملہ انبیا کے جملہ معجزات کے قائل تھے۔لیکن اس کے برعکس پرویز صاحب معجزات کے قطعی منکر تھے۔اگرچہ انکارِ معجزات کا مسلک اپنانے سے قبل ان پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے، جبکہ وہ انبیا متقدمین کے معجزات کے (بظاہر) قائل تھے، اور معارف القرآن نامی سلسلۂ کتب میں وہ ان معجزات کو تسلیم کرتے رہے ہیں، لیکن ان ہی کتب کو جب 'جوئے نور'، 'برقِ طور' اور 'شعلۂ مستور' وغیرہ کتب میں ڈھالا تو ہر معجزے کا انکار کر دیا، اور جن آیات میں ان معجزات کا ذکر ہے، اُنہیں مجازی معانی کی آڑ میں اپنی بدترین تحریفات کا اس طرح نشانہ بنایا کہ (ماضی کے) فرقہ باطنیہ کی طرف سے قرآن کے باطنی معانی کی آڑ میں کی گئی تحریفات بھی 'مفکر قرآن' کی تحریفات کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ ان تحریفات کا تفصیلی پوسٹ مارٹم کرنا چونکہ میرے پیش نظر نہیں ہے، اس لئے میں بڑے اختصار کے ساتھ قرآن میں مذکور صرف ان معجزات تک ہی اپنی بحث کو محدود رکھنے پر مجبور ہوں جو علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے درمیان مختلف فیہ رہے ہیں :

گیارہواں اختلاف 'آگ اور معجزۂ ابراہیمی'

علامہ اقبالؒ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزہ کے قائل ہیں جسے قرآنِ کریم نے

❶ تصوف کی حقیقت، ص ۲۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿يَـٰنَارُ كُونِى بَرْدًا وَسَلَـٰمًا عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ﴾ کے الفاظ میں پیش کیا ہے، وہ تلمیحاً اس کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

زانکہ مارا فطرتِ ابراہیمی است — ہم بہ مولیٰ نسبت ابراہیمی است
از تہ آتش براندازیم گل — نارِ ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار — چوں بباغ مارسد گردد بہار ❶

"(یعنی) چونکہ ہماری فطرت ابراہیمی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری نسبت بھی ابراہیمی ہے۔

اس لئے ہم ہر آگ کے اندر سے پھول کھلاتے ہیں اور ہر نمرود کی آگ کو گلستان بنا دیتے ہیں۔

جب زمانے کے انقلابات کے شعلے ہمارے باغ تک پہنچتے ہیں تو وہ بہار بن جاتے ہیں۔" ❷

علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ نارِ نمرود کے گل وگلزار ہو جانے کے معجزۂ ابراہیمی کے قائل ومعتقد تھے جبکہ 'مفکرِ قرآن' اس کے قطعی منکر ہیں اور اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ قومِ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کا منصوبہ تو بنایا تھا لیکن حضرت ابراہیمؑ اس سے پہلے کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوتے وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"اس سرکش قوم نے اپنے جوشِ انتقام میں یہ منصوبہ باندھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے انبار میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کے معبودروزروز کی تحقیر وتذلیل سے محفوظ ہو جائیں، لیکن قبل اس کے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالتے، آپ حکم خداوندی کے مطابق وہاں سے چپکے سے ہجرت کر گئے اور یوں وہ قوم اپنے ارادوں میں ناکام رہی۔" ❸

---

❶ اسرار ورموز، ص ۲۶۶۔ ❷ اسرار ورموز، ص ۲۶۷۔ ❸ جوئے نور، ص ۱۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'مفکرِ قرآن' یا کسی منکرِ حدیث سے یہ مت پوچھیے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہی ہجرت فرما گئے تھے، تو پھر اللہ کو آگ سے مخاطب ہوتے ہوئے کس کے لئے اور کیوں یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ "اے آگ، تو سلامتی کے ساتھ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا۔" ورنہ انکارِ معجزہ کی یہ پوری عمارت، دھڑام سے نیچے آن گرے گی۔

یہاں قارئین کرام کے لئے یہ بات حیرت اور دلچسپی کا باعث ہوگی کہ 'جوئے نور' کی تصنیف سے پہلے 'معارف القرآن' جلد سوم جب تصنیف کی گئی تھی تو حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ اور ان پر آگ کی حرارت کے بے اثر ہو جانے کا معجزہ صفحہ ۲۷ پر خود پرویز صاحب نے بیان کیا تھا۔ لیکن جب 'جوئے نور' میں سرگزشتِ ابراہیمؑ کو منتقل کیا گیا تو یہ موقف اپنایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ تو آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہی نقل مکانی فرما چکے تھے، یوں اعترافِ معجزہ سے بال بال بچ جانے کا یہ حیلہ تراشا گیا۔ اب رہی سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۶۹، جو اس معجزہ کی اصل واساس ہے اور جس میں آگ کو حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جانے کا حکم خداوندی مذکور ہے، تو اسے 'جوئے نور' میں دیدہ دانستہ حذف کر دیا گیا کیونکہ اب یہ آیت 'مفکرِ قرآن' صاحب کے تبدیل شدہ موقف کے خلاف تھی، اور اس سے بھی عبرتناک بات یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' بڑے دھڑلے سے یہ اعلان بھی کرتے رہے ہیں:

"طلوعِ اسلام اسے بدترین جرم سمجھتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کو اس لئے سامنے نہ لایا جائے کہ وہ اس کے کسی پیش کردہ مسئلہ کے خلاف جاتی ہے۔" ❶

اگرچہ تفسیر قرآن کے لئے وہ اس اُصولی ہدایت پر بھی زور دیتے ہیں جو محض لطفِ وعظ کے لئے ہے، عمل کے لئے نہیں ہے:

"آپ جس موضوع کے متعلق معلوم کرنا چاہیں کہ قرآن نے اس باب میں کیا کہا ہے، قرآن کے وہ تمام مقامات، آپ کے سامنے ہوں، جن میں اس نے

❶ طلوعِ اسلام، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس موضوع کے متعلق کچھ کہا ہے، صراحتہً، کنایۃً، استعارۃً، تائیداً، تردیداً، اسے تصریفِ آیات کہتے ہیں۔'' ❶

اور خلافِ مطلب آیات سے چشم پوشی کرنا، شاید صدف عن الآیات یا تصرف فی الآیات کہلاتا ہے۔

بارھواں اور تیرھواں اختلاف بسلسلۂ معجزۂ عصاءِ موسیٰ

عصائے موسوی کے حوالہ سے قرآن میں بیان کردہ معجزات میں سے دو معجزوں کا ذکر علامہ اقبالؒ نے الوقت سیف کے زیر عنوان ان الفاظ میں کیا ہے:

سنگ از یک ضربت او تر شود
بحر از محرومی نم بر شود ❷

''اس کی ایک ضرب سے پتھر پانی ہو جاتے ہیں اور سمندر پانی سے محروم ہو کر خشکی بن جاتا ہے۔'' ❸

دوسرے معجزہ کا ذکر، اسی نظم میں ایک اور شعر میں بھی یوں کیا گیا ہے:

سینۂ دریائے احمر چاک کرد
قلزمے را خشک مثل خاک کرد ❹

''اُنہوں نے بحر احمر کا سینہ چاک کر دیا اور سمندر کو مٹی کی مانند خشک بنا دیا۔'' ❺

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ (البقرۃ: ٦٠)

''اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا، اور ہم نے حکم دیا تھا کہ 'اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ' (تم دیکھو گے کہ پانی تمہارے لئے موجود ہے، موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے

❶، ❷، ❸، ❹، ❺ اسرار و رموز، ص ۱۶۸، ۱۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پینے کی جگہ معلوم کر لی۔"

آیت مع ترجمہ پرویز پیش کر دی گئی۔ یہ ترجمہ معارف القرآن، جلد سوم صفحہ ۲۷۴ سے ماخوذ ہے۔ اس وقت پرویز صاحب معجزات کے قائل تھے، لیکن بعد میں جب اُنہوں نے انکارِ معجزات کا مسلک اپنایا تو پھر اسی آیت کا مفہوم مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش فرمایا:

"تم اپنی تاریخ کے اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب تمہیں پانی کی دقت ہوئی اور موسیٰ نے اس کے لئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی رہنمائی، اس مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا، چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک دو نہیں بلکہ اکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اس نے ان چشموں کو نامزد کر دیا اور ہر قبیلہ کو بتا دیا کہ ان کا چشمہ کون سا ہے؟" ❶

اس مفہوم میں ضرب عصا کے نتیجہ میں بارہ چشموں کے پھوٹ نکلنے کا معجزہ تلاش کرپانا بجائے خود معجزہ ہوگا، جبکہ آیت کے مقابل دیے ہوئے ترجمہ پرویز میں معجزے کا ذکر واضح ہی ہے۔ شعر اقبال اور آیت کے مفہومِ پرویز میں ضربِ عصائے موسوی کے معجزہ کی بابت دونوں کا اختلاف واضح ہے۔

☆ دوسرا معجزہ: انفلاقِ بحر کا معجزہ ہے، آیت مع ترجمہ پرویز ملاحظہ فرمایئے:

﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ (الشعراء: ٦٣)

"اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنے عصا سے سمندر کو مارو، پس وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بڑے تودے کی طرح تھا۔" ❷

اب اسی آیت کا وہ مفہوم بھی ملاحظہ فرمایئے جو پرویز صاحب نے انکارِ معجزات کا مسلک اپنانے کے بعد پیش کیا ہے:

❶ مفہوم القرآن، ص ۲۱۔ ❷ ترجمہ ماخوذ از معارف القرآن، ج ۳، ص ۲۶۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’چنانچہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی جماعت کو لے کر (فلاں سمت سے) سمندر (یا دریا) کی طرف چلو اور وہاں سے انہیں اس راستے سے پار لے جاؤ جو خشک ہو چکا ہے۔‘‘ ❶

اقبالؒ کا نام، ذریعہ مطلب برآری

علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے یہ چند اختلافات، مشتے نمونہ از خروارے، محض سرسری طور پر پیش کئے گئے ہیں، ورنہ اگر غائر نگہی سے جملہ اختلافات کا کھوج لگایا جائے تو ایسے کثیر التعداد اختلافات کی کثرت پر انسان انگشت بدنداں رہ جائے۔ تصوف کے اُمور میں تو اقبال اور پرویز کے اختلافات کی بہت سی مثالیں خود پرویز صاحب نے اپنی کتاب ’تصوف کی حقیقت‘ میں پیش کی ہیں، لیکن اقبالؒ کے ساتھ اس قدر برسر اختلاف رہنے کے باوجود بھی پرویز صاحب نہ صرف یہ کہ اقبالؒ کے بارے میں انتہائی نرم گوشہ رکھتے تھے، بلکہ وہ خود کو (اور طلوعِ اسلام کو) فکرِ اقبال کا شارح اور وارث قرار دیتے تھے:

’’فکرِ اقبال کی یہ متاعِ عزیز، آج بزمہائے طلوعِ اسلام کا بیش بہا سرمایہ ہے، اور یہ کاروانِ شوق اس سرمائے کا حقیقی وارث بھی ہے اور مخلص ترین امین بھی۔‘‘ ❷

فکرِ اقبالؒ کی تفہیم، خدمت اور اشاعت اگرچہ دوسرے گوشوں سے بھی ہو رہی ہے، لیکن وابستگانِ طلوعِ اسلام، پیغامِ اقبالؒ کے صحیح اور حقیقی فہم کا واحد اور مؤثر ذریعہ...... اقبال کے ساتھ جملہ اختلافات کے باوجود...... صرف پرویز ہی کو تسلیم کرتے ہیں:

’’اقبالؒ کو سمجھنے کے لئے تاریخ و فلسفہ کی وسیع واقفیت و استحضار کے ساتھ، قرآنِ حکیم پر بھی حکیمانہ نظر کی ضرورت ہے اور اقبال پر لکھنے اور بولنے والوں میں، یہ جامعیت خال خال نظر آتی ہے، اور خوش قسمتی سے پرویز صاحب کو فطرت نے ایسا ہی جامع ذہن عطا کیا ہے۔‘‘ ❸

---

❶ مفہوم القرآن، ص ۸۴۱۔
❷ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، صفحہ نمبر: ۴۲۔
❸ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ نمبر: ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرویز صاحب کے پورے لٹریچر اور طلوعِ اسلام کی مکمل فائل کی روشنی میں، اگر کوئی شخص، اُن کے اور مولانا مودودیؒ کے درمیان باہمی اختلافات کا جائزہ لے تو وہ ان کی تعداد ان اختلافات سے بہت کم پائے گا جو پرویز صاحب اور علامہ اقبالؒ کے درمیان پائے جاتے ہیں، لیکن 'مفکرِ قرآن' نے (عدل وانصاف، امانت و دیانت اور حق وصداقت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے) مودودیؒ صاحب کی مخالفت میں جس انتہائی شدت وغلظت، درشت خوئی اور تلخ نوائی سے کام لیا ہے، وہ ان کے اس دُہرے معیار اور جانبدارانہ رویے کا غماز ہے، جو وہ دونوں بزرگوں کی حقیقی قدر وقیمت متعین کرنے میں اختیار کیا کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مودودیؒ صاحب سے چند اختلافات کے باوجود اور علامہ اقبالؒ سے کہیں زیادہ اختلافات کے باوجود، مولانا مودودیؒ کی انتہائی شدید مخالفت اور علامہ اقبالؒ کی بے تحاشا حمایت، آخر 'مفکر قرآن' نے کیوں کی؟

میرے نزدیک، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ اور مودودیؒ، دونوں بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیتیں ہیں اور پرویز صاحب خود ہوسِ شہرت کے مریض تھے۔ 'پاپولیریٹی' اور ناموری پانے کے لئے اُنہوں نے ان دونوں عالمی شہرت یافتہ ہستیوں میں سے، ایک کی حمایت و پاسداری کو اور دوسرے کی مخالفت و معاندت کو حصولِ مقصد کا ذریعہ بنایا۔ علامہ اقبالؒ کی بھاری بھر شخصیت کی مدح سرائی کے نتیجہ میں حقیر سی آہنی کیل کو بھی وزنی لکڑی کے ساتھ تیرنے کا موقع مل گیا، اور دوسری طرف مولانا مودودیؒ کے ساتھ مسلسل ٹکراتے رہنے کو پرویز صاحب نے تمنا برآری کا ذریعہ سمجھا، یہ الگ بات ہے کہ چھپکلی خواہ کتنی ہی بلند بام ہو جائے، وہ بہرحال چھپکلی ہی رہتی ہے۔ اونچے شہتیروں اور بلند ستونوں سے اُلجھنے سے اس کی قدر ومنزلت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں مولانا مودودیؒ کی مخالفت میں یہ عامل بھی کارفرما نظر آتا ہے کہ چونکہ سیاسی میدان میں سیکولر مزاج حکمرانوں کی طرف سے مودودیؒ صاحب کی مخالفت پہلے سے موجود تھی، اس لئے پرویز صاحب نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ اسی مخالفت میں شامل ہو جائیں تو یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روش ان کی شہرت میں اضافے کا باعث بھی ہوگی اور حکمرانوں کے ہاں بھی وہ منظورِ نظر رہیں گے، دوسری طرف اقبال کو قومی شاعر ہونے کی بنا پر اُمتِ مسلمہ میں جو احترام، عزت اور پذیرائی حاصل ہے، اس کی بنا پر ان کی حمایت و ہم نوائی، ان کی شہرت کے لئے موجب منفعت ہوگی، نامِ اقبال سے فائدہ اٹھانے کی یہ وہی ٹیکنیک ہے جو یہود و نصاریٰ جیسی گمراہ قوموں نے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کے ناموں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا رکھی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے واضح ہے:

حکومت کویت نے جب غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکاروں پر کفر کا فتویٰ جاری کیا تو یہ لوگ بہت سٹپٹائے

> ''اس ناگہانی صورتحال کے نتیجے میں بزمِ طلوعِ اسلام کے سرکردہ پرویزیوں کا ایک وفد، ہنگامی طور پر اپنے مرکز گلبرگ لاہور سے کویت پہنچا، اور نجی سطح پر اپنا تمام تر اعلیٰ اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے، کویتی سرکاری فتویٰ کی تنسیخ کی سرتوڑ کوشش کی، ساتھ ہی ساتھ ملک معراج خالد اور دیگر بااثر پرویزی سرپرستوں سے، حکومتِ کویت اور بعض اہم شخصیات کے نام خطوط بھی لکھوائے گئے، جن میں غلام احمد پرویز کو نام نہاد مفکر قرآن کی حیثیت سے متعارف کرواتے ہوئے، علامہ اقبال کے فہم قرآن کا وارث قرار دیا گیا۔'' ❶

یوں کویت میں اقبال کے نام کو مقصد برآری کے لئے استعمال کیا گیا۔ لیکن بہرحال جب یہ ساری کوششیں ناکام ہوگئیں اور حکومتِ کویت نے اپنے فتویٰ کو برقرار رکھا تو بزمِ طلوعِ اسلام کی کویتی شاخ کے ذریعہ عدالتی چارہ جوئی کی گئی تاکہ یہ فتویٰ منسوخ ہو جائے اور ساتھ ہی مولانا احمد علی سراج کے خلاف بھی (جو اس کویتی فتویٰ کے اجرا میں مرکزی کردار تھے) ایک

---

❶ مجموعہ فتاویٰ، ردِ پرویزیت، (از مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج، امیر تحریک ردّ پرویزیت، امیر انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کویت، مرشد دینی برائے حج و وزارتِ اوقاف: کویت، رئیس حلقات تعلیم القرآن (دعوۃ والتعلیم) کویت، ڈائریکٹر جنرل جامعہ سراج العلوم دارالقرآن، ڈیرہ اسماعیل خان، پاکستان) جلد دوم، صفحہ نمبر: ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ دائر کر دیا گیا جس میں ان کی پرویزی مخالفت کو ذاتی مخالفت قرار دیا گیا۔ اس (ناکام) کوشش میں کامیابی پانے کے لئے، جو خیانت کارانہ ہتھکنڈے اختیار کئے گئے ان میں ایک درج ذیل ہے:

''یہاں ایک اور امر بھی قابل غور ہے جس سے بزمِ طلوعِ اسلام (پرویز لابی) کی ایک اور مکارانہ منافقت خوب عیاں ہو جاتی ہے، اپنی پٹیشن (Petition) میں اس بزم کے موجودہ سربراہ نے حیلہ و دھوکہ دینے کے لئے یہ موقف اختیار کیا کہ غلام احمد پرویز محض ایک شخص تھا جو ۱۹۸۵ء میں مرا۔ بزمِ طلوعِ اسلام، اس کے افکار و نظریات کی پابند نہیں، بلکہ یہ اقبال کے فکر قرآن کی ترجمان ہے، اور اُسی کو پھیلانے کے مشن پر گامزن ہے، اور اقبال سے عوام و خواص کا کوئی اختلاف نہیں، اور یہ کہ طلوعِ اسلام نام بھی اقبال ہی کی ایک نظم سے ماخوذ ہے، لہٰذا بزمِ طلوعِ اسلام کو کفر و ارتداد سے مبرا قرار دیا جائے۔'' ❶

یوں یہ لوگ علامہ اقبال کے نام کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے، ان پرویزی حیلوں کے ساتھ استعمال کیا کرتے ہیں۔ سچ ہے:

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

پاکستان کے سیکولر حکمران (جن کی ذہنی نشو و نما مغربی نظریات کا دودھ پی پی کر ہوئی ہے) آج جس طرح کفر کی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اور ملکی حدود میں جس طرح غیر ملکی سرمایہ کے بل پر NGO، مسلمانانِ پاکستان میں فکری انتشار اور عملی فساد پیدا کر رہی ہیں، اُن کے ساتھ منکرین حدیث اپنے لٹریچر کے ذریعہ بالکل اسی طرح تعاون کر رہے ہیں جس طرح عہدِ نبوی میں منافقین مدینہ، کفر کی بیرونی طاقتوں کی حمایت و اعانت کیا کرتے تھے۔ خود طلوعِ اسلام کو بھی اس بات کا نہ صرف یہ کہ اعتراف ہے بلکہ اس پر فخر بھی ہے۔ چنانچہ 'عورتوں کے حقوق' پر بات کرتے ہوئے طلوعِ اسلام بڑے فخر و انبساط کے ساتھ یہ

❶ مجموعہ فتاویٰ، ردِ پرویزیت، صفحہ ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلان کرتا ہے:

''طلوعِ اسلام نے ہی اس کے لئے بہت کثیر تعداد میں مضامین و مقالات طبع کیے ہیں جن کا بہت مفید اثر، نہ صرف عوام پر ہوا ہے، بلکہ عورتوں سے متعلق این جی اوز نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ راقم سطور کا ذاتی تجربہ ہے کہ ان تمام این جی اوز میں طلوعِ اسلام کی شائع کردہ کتاب 'طاہرہ کے نام خطوط' موجود رہتی ہے جس میں عورتوں کے حقوق سے بحث کی گئی ہے۔ اس سے یہ این جی اوز وقتاً فوقتاً فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں۔'' ❶

پرویز صاحب کی ایسی ہی 'قرآنی خدمات' پر پیشوایانِ مغرب بڑے شاداں و فرحاں ہیں اور طلوعِ اسلام، عالم کفر میں پرویز صاحب کی پذیرائی اور قدر افزائی پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے:

''ڈاکٹر Dr. Freeland Abbot امریکہ کی TUFTS یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، اُنہوں نے 'اسلام اینڈ پاکستان' کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی۔ اس میں اُنہوں نے فکرِ پرویز اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے متعلق بڑی تفصیل سے دادِ تحسین دینے کے بعد کہا ہے کہ ...... 'پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال اسلامی ریفارمر ہیں' ...... یہ کتاب فکرِ پرویز کو دُور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔'' ❷

علمبردارانِ کفر و طاغوت کے ہاں پرویز صاحب کی اس تعریف و تحسین سے، اور پھر طلوعِ اسلام کی اس پر انتہائی فرحت و مسرت سے، ایک بندۂ مومن کو علم الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ 'مفکر قرآن' صاحب ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

﴿أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ﴾

---

❶ طلوعِ اسلام، جون ۲۰۰۵ء، صفحہ ۲۹۔ ❷ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب غور طلب بات تو یہ ہے کہ پرویز صاحب کی جن 'قرآنی خدمات' اور جس 'انقلابی اسلام' سے یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان، کفر و الحاد کے پیشوا، لادینیت کے حامل دانشور اور سیکولرزم سے وابستہ مفکرین تو راضی اور خوش ہوں، مگر عالم اسلام کے علماء ان 'قرآنی خدمات' اور اس 'انقلابی اسلام' کی بنا پر ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں 'مفکر قرآن' پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں تو خود سوچ لیجئے کہ یہ 'قرآنی خدمات' اور 'یہ انقلابی اسلام' محمد رسول اللہ ﷺ کے کام کی چیزیں ہیں یا اُن کے دشمنوں کے کام کی؟

❁❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۷

مذہبی پیشوائیت؛ مذہبِ پرویز کا ایک کھوٹا سکہ

(مطبوعہ در ماہنامہ محدث، مئی ۲۰۰۷ء تا اگست ۲۰۰۷ء)

پریسٹ ہڈ (Priesthood) یعنی 'مذہبی پیشوائیت' اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے اسلام کے علاوہ دیگر ادیان، مثلاً نصرانیت، ہندومت اور یہودیت کا تصور ہے۔ لیکن ہمارے 'مفکرِ قرآن' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب نے مذاہبِ باطلہ سے اس کا تخم لے کر، اسے سرزمین اسلام میں کاشت کیا، اور پھر اس کا ترجمہ 'مُلّا اِزم' کرتے ہوئے علماءِ امت، محدثینِ کرام اور فقہاءِ عظام کو مطعون کرنے کا ذریعہ بنایا۔ خود طلوعِ اسلام میں اس بات کا بارہا اعتراف کیا گیا ہے کہ 'مذہبی پیشوائیت' نام کی کوئی چیز اسلام میں موجود نہیں ہے:

''اس مذہب (اسلام) میں نہ رسومات ہیں، نہ بت پرستی، نہ پیشہ ور مقتدایانِ مذہب ہیں، اور نہ کوئی ایسا دینی راہنما جو گناہ اور معصیت سے مبرا ہو۔ یہاں کوئی مجلس بھی مسیحیت کی طرح، چرچ کونسل کی مانند نہیں جو اختلافات ونزاعات کا فیصلہ کرے۔'' ❶

'مفکرِ قرآن' صاحب کو یہ بات بھی مسلّم تھی کہ

''جس نظام کی تشکیل مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی، اس میں مذہبی پیشواؤں کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔'' ❷

پریسٹ ہڈ یا تھیاکریسی (Theocracy) اصلاً عیسائیت کا تصور ہے، جس نے اسے ایک نظام اور ادارے کے طور پر اختیار کر رکھا تھا، بقولِ پرویز:

''تھیاکریسی کا تصور تو پرانا ہے، لیکن اسے بطور نظامِ حکومت، عیسائی کلیسا

❶ طلوعِ اسلام، اپریل، مئی ۱۹۵۸ء، ص ۶۰۔ ❷ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(چرچ) نے یورپ میں رائج کیا ہے۔'' ❶

ایک اور مقام پر تھیا کریسی کو عیسائیت کا تصور قرار دیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ

''ازمنہ متوسطہ میں ایک اندازِ حکومت ظہور میں آیا تھا جسے تھیا کریسی کہتے ہیں۔ اس طرزِ حکومت میں اقتدارِ اعلیٰ مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہتا تھا جو خدا کے نام پر لوگوں سے اپنی اطاعت کراتے تھے۔ جب یورپ ان خدائی فوجداروں سے تنگ آ گیا تو وہاں (اس طرزِ حکومت کے خلاف) ایک جدید اندازِ حکومت وضع ہوا جس میں مذہبی پیشواؤں کا عمل دخل نہ تھا۔ اس اندازِ حکومت کو سیکولر کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا۔'' ❷

عیسائیت سے قبل یہودیت میں بھی یہ تصور موجود تھا۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''سامی مذاہب میں مُلّا ازم یہودیت ہی کی تخلیق ہے۔'' ❸

طلوعِ اسلام، جون ۱۹۲۶ء کے صفحہ نمبر ۱۰ پر واقع اقتباس میں اس تصور کو ہندومت کا تصور بھی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کو 'ملا ازم'، 'مذہبی پیشوائیت'، 'تھیا کریسی' یا 'پریسٹ ہڈ' کا یہ کھوٹا سکہ اَدیانِ باطلہ سے لے کر بازارِ اسلام میں کیوں لانا پڑا؟ اس سوال پر آپ جتنا بھی غور فرمائیں گے، اسی قدر آپ پر یہ حقیقت نمایاں ہوتی چلی جائے گی کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کے تصورِ اسلام اور علماءِ اُمت کے تصورِ اسلام میں 'شرق و مغرب' کا سا بعد پایا جاتا ہے۔ علماءِ کرام کا تصورِ اسلام، قرآن و سنت پر مبنی ہے اور محمد رسول اللہ والذین معه کے عہدِ مبارک سے لے کر اب تک سلف وخلف اسی امر پر متفق و متحد رہے ہیں کہ اسلام کا سرچشمہ قرآن و حدیث (کتاب و سنت) ہیں لیکن ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب کا تصورِ اسلام پاکستان بن جانے کے بعد صرف اور صرف قرآنِ کریم پر ہی اساس پذیر ہے۔ پھر اس پر یہ ستم ظریفی بھی مستزاد ہے کہ قرآن کا نام لے

---

❶ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۶۱۔
❷ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۳۷۔
❸ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۵۳ء، ص ۶۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر وہ جس 'انقلابی اسلام' کو پیش کرتے ہیں، اس کے جملہ اجزاء یا تو مغرب کی بے حیا معاشرت میں پائے جاتے ہیں یا پھر اشتراکیت کے معاشی نظام میں۔ مثال کے طور پر وہ جس قرآنی نظام کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس کے نمایاں خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حجاب ونقاب کی مخالفت کرنا

۲۔ تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا

۳۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ پر عورت کے عمل کرنے کو، حبسِ بے جا قرار دینا

۴۔ خواتینِ خانہ کو گھر سے نکال کر مردانہ کارگاہوں میں لا کھڑا کرنا

۵۔ خانگی زندگی کے فطری وظائف سے منحرف کرکے، مستورات کو مردانہ مناصب پر براجمان کرنا۔

۶۔ مخلوط سوسائٹی کی حمایت کرنا

۷۔ مخلوط تعلیم کو جائز قرار دینا

۸۔ مرد وزن میں مغربی طرز کی مطلق مساوات کو قائم کرنا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اَفضلیتِ اُناث کا نظریہ پیش کرنا

۹۔ عقائدِ اسلام میں کمی وبیشی کرتے ہوئے صرف 'پانچ' کی تعداد ہی کو پیش نظر رکھنا

۱۰۔ اشتراکیت کے اقتصادی نظام کو قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کرنا

تلك عشرة كاملة

سنتِ رسول ﷺ کی سندیت اور حدیثِ نبوی ﷺ کی حجیت سے انکار کرتے ہوئے 'مفکرِ قرآن' صاحب نے بڑی جاں سوز مشقت، جگر پاش محنت، جاں گسل کاوش کے ساتھ قرآنِ کریم سے وہ 'انقلابی اسلام' ڈھونڈ ڈالا جس کے مندرجہ بالا اجزا سرمایہ دارانہ تہذیب اور اشتراکی تمدن میں...... بغیر کسی قرآن کے...... پہلے سے موجود ہیں۔ 'مفکرِ قرآن' صاحب کے نزدیک یہی 'قرآنی دین' اور 'انقلابی اسلام' ہے۔ رہا قرآن وسنت پر مبنی وہ اسلام جو بعثتِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک اُمتِ مسلمہ کے سلف وخلف پیش کرتے رہے ہیں تو وہ ہمارے 'مفکرِ قرآن'

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب کے نزدیک ایک 'پامال شدہ، دقیانوسی اور عجمی اسلام' ہے۔ جو نہ تو 'عقل و فکر کے تقاضوں' کو پورا کرتا ہے اور نہ ہی اس میں 'ندرتِ نگاہ اور جدتِ فکر' کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن و سنت کی اساس پر اسلام کو پیش کرنے والا عالم دین خواہ قدیم و جدید علوم پر کتنی ہی دسترس رکھتا ہو، پرویز صاحب کے نزدیک وہ پرانا اور دقیانوسی اسلام ہی پیش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے متعلق یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں:

''مودودی صاحب کے پاس کوئی نئی چیز پیش کرنے کو نہیں ہوتی۔ اُنہیں نہ جدتِ فکر نصیب ہوئی ہے اور نہ ندرتِ نگاہ۔ ان کے پاس وہی فرسودہ مال ہوتا ہے جو ہمارے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔'' ❶

اگر مولانا مودودیؒ اشتراکیت سے اقتصادی نظام کی بھیک مانگ کر اور مغرب کے حیا سوز تمدن سے معاشرتی طور طریقوں کی خیرات لے کر قرآنی کشکول میں پیش کر ڈالتے تو یقیناً اُن کا یہ عمل اس بات کا ثبوت قرار پاتا کہ اُنہیں 'جدتِ فکر' بھی نصیب ہوئی ہے اور 'ندرتِ نگاہ' بھی۔ چونکہ دورِ حاضر میں گداگر کا کردار ادا کرتے ہوئے غیروں کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں مبتلا ہو کر خود 'مفکرِ قرآن' نے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ ان کی 'جدتِ فکر اور ندرتِ نگاہ' کی بھی دلیل ہے، اس لئے وہ 'مُلّا' کے اسلام پر' ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ

''ہمارا قدامت پرست طبقہ جو کچھ مذہب کے نام پر پیش کرتا ہے، اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترے اور عقل و فکر کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔'' ❷

اب ظاہر ہے کہ جس 'مفکرِ قرآن' کی ...... جان بھی گروِ غیر، بدن بھی گروِ غیر ہو ...... دل و دماغ بھی اغیار کی فکری غلامی میں اس حد تک مبتلا ہو کہ وہ اگر دیکھتا بھی ہے تو اَغیار کی آنکھوں سے، سنتا بھی ہے تو ان کے کانوں سے، سوچتا بھی ہے تو ان کے دماغ سے۔ وہ غالب اقوام کے ہر نظریہ، مسلک یا نظام کو عرشِ مُعلّٰی سے نازل شدہ سمجھتا ہے اور اس کی تقلید کو

---

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۴ء، ص ۵۲۔ ❷ طلوعِ اسلام، اگست ۱۹۸۰ء، ص ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اپنے لئے موجب ہزار فخر و مباہات قرار دیتا ہے اور تہذیبِ غالب کے علمبردار جب اپنی چچوڑی ہوئی ہڈیاں اس کی طرف پھینکتے ہیں تو وہ اُنہیں لپک کر اُٹھاتا اور خوانِ نعمت سمجھتا ہے۔ پھر جب ان کی اندھی تقلید میں، ان ہی کی معاشرتی عادات و اطوار کو اشتراکیت کے اقتصادی نظام کے ساتھ پیوند کاری کرتے ہوئے پیش کرتا ہے تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتا کہ اس کا پیش کردہ 'قرآنی اسلام' علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے اور 'عقل و فکر کے تقاضوں کو بھی پورا کرتا' ہے اور اس پر مطمئن اور آسودہ خاطر ہو جاتا ہے کہ اس کی اس حرکت سے ماشاء اللہ نئی نسل کو 'قرآن کی تعبیر نو' کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

عجمی اور 'قرآنی' اسلام

الغرض علماءِ کرام تو یقیناً وہی صدیوں پرانا دین اسلام پیش کر رہے ہیں جو محمد رسول اللہ والذین معه کے ہاتھوں سے اُمت کو ملا ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان بننے کے بعد خود 'مفکر قرآن' ہی کی سمتِ قبلہ (بظاہر یا حقیقتاً) تبدیل ہو چکی ہے اور ان کا زاویۂ نظر اور اس کے ساتھ ہی نگاہوں کا نقطۂ ماسکہ بدل چکا ہے، اس لئے علماءِ کرام کا اسلام، اب اُنہیں 'عجمی اسلام' دکھائی دیتا ہے اور مغربی معاشرت کے خدوخال کے ساتھ اشتراکیت کی پیوند کاری کے نتیجہ میں جو کچھ وہ خود پیش کرتے ہیں، وہ اُنہیں 'قرآنی اسلام' نظر آتا ہے۔ پھر اس 'عجمی اسلام' کے متعلق کبھی ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ دورِ نزولِ قرآن سے پہلے کا وہ مذہب ہے جو اہل کتاب اختیار کئے ہوئے تھے:

> ''آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے، وہ زمانۂ قبل از قرآن مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔'' [1]

اور کبھی ہمیں یہ باور کروایا جاتا ہے کہ 'عجمی اسلام' دورِ نزولِ قرآن کے بہت بعد، ایرانیوں کی شکست کے بعد ان کی انتقامی سازش کا نتیجہ ہے:

> ''اُنہوں (ایرانیوں) نے اُن عربوں سے شکست کھائی تھی، جنہیں وہ ابھی کل

---

[1] طلوعِ اسلام، مئی جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک وحشی اور جنگلی شمار کیا کرتے تھے اور شکست بھی ایسی جس سے ان کی اس قدر وسیع سلطنت اور ایسی قدیم تہذیب کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ ہونے کو تو مسلمان (یعنی اسلامی سلطنت کے فرمانبردار) ہوگئے، لیکن اس شکست اور محکومی کا احساس ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، اور اپنے حریف عربوں کی شان وشوکت کے منظر سے ان کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ اُنہوں نے یہ انتقام دو طرح سے لیا: ایک تو بساطِ سیاست پر، جہاں اُنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے اُمتِ واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور دوسرے مذہب کے میدان میں۔'' ❶

دو اسلام

بہر حال پاکستان جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا، اس میں جب نفاذِ اسلام کی نوبت آئی تو 'دو اسلام' آمنے سامنے آگئے۔ ایک وہ جو قرآن وسنت پر مبنی تھا اور جو چودہ صدیوں سے سلف تا خلف، تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا۔ اس اسلام کو 'مفکرِ قرآن' صاحب نے اس 'عجمی سازش' کا نتیجہ قرار دیا جو (بزعم پرویز صاحب) صدیوں پہلے اس وقت واقع ہوئی تھی، جب نہ ہم ہی موجود تھے اور نہ ہی پرویز صاحب۔ تاکہ صدیوں پہلے ہونے والی اس مزعومہ 'عجمی سازش' کے خلاف ان کے بہ تکرار و اِعادہ برپا کئے ہوئے شوروشغب اور تحریری وتقریری پراپیگنڈے کے نتیجہ میں وہ 'عربی سازش' چھپ جائے جو بٹالہ کے خالص 'عرب علاقے' میں پیدا ہونے والے اس 'مفکرِ قرآن' نے کی ہے، جس نے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے قرآن کے نام پر مغربی معاشرت اور اشتراکی معیشت کا ملغوبہ تیار کر ڈالا۔ یہ وہ دوسرا اسلام تھا جو 'عجمی اسلام' کے مقابلہ میں 'خالص عربی اسلام' تھا۔ آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ علماءِ کرام آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، اس مکھی کو نگل لیتے اور قرآن کے نام پر کی جانے والی اس بدترین تحریف کو ٹھنڈے پیٹوں گوارا کرلیتے۔ علماءِ کرام اور پرویز صاحب کے درمیان کشمکش کا واقع ہونا

---

❶ طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۵۹ء، ص ۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناگزیر تھا۔ چنانچہ یہ کشمکش واقع ہوئی اور 'مفکرِ قرآن' نے اس میں مخالفتِ علماء کو 'طلوع اسلام کی حقیقت آفریں آواز' کی مخالفت قرار دیا:

''طلوعِ اسلام کی یہی وہ حقیقت آفریں آواز تھی جس کے جرم میں اسے مذہبی اِجارہ داروں کے عتاب کا شکار بننا پڑا۔'' ❶

اور ایک دوسرے مقام پر یہ فرماتے ہیں:

''...اور اس کے ساتھ دیکھئے کہ اس (طلوعِ اسلام) کی زندگی میں کوئی وقت ایسا آیا ہے جب عصا بردارانِ شریعت، اس کے پیچھے لٹھ لئے نہ پھر رہے ہوں؟ ...کوئی محراب و منبر بھی ایسا ہے (الا ماشاءاللہ) جو اس کے خلاف دشنام طرازیوں کی نشرگاہ نہ بن رہا ہو اور عباؤں اور قباؤں پر مشتمل کوئی مجمع بھی ایسا ہے جہاں اس کے خلاف محاذ بنانے کی تدابیر، خود ان کے لئے غارت گرِ سکون و اطمینان اور ان کے کے مقلدین و متبعین کے لئے وجہ حصولِ جنت نہ قرار پا رہی ہو۔'' ❷

صرف علماء ہی نعل در آتش کیوں؟

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس 'خالص قرآنی دعوت' سے صرف 'عصا بردارانِ شریعت' ہی کیوں نعل در آتش ہیں؟ محض واعظانِ محراب و منبر ہی کیوں سیخ پا ہیں؟ فقط 'عباؤں اور قباؤں پر مشتمل مجمع' ہی کیوں لٹھ لئے پھر رہا ہے؟ تنہا 'مذہبی اجارہ دار' ہی کیوں 'عتاب نازل کرنے' پر اُتر آئے؟ آخر یہ کیسی 'قرآنی دعوت' ہے جس پر اربابِ اقتدار کو نہ صرف یہ کہ کوئی پریشانی لاحق نہیں ہے بلکہ وہ اس پر راضی بھی ہیں۔ قرآن کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے، کہ جب بھی آوازۂ قرآن اُٹھا، اس کی سب سے پہلی مخالفت 'اربابِ اقتدار' ہی کی طرف سے ہوئی۔ طاغوت کو اس میں اپنی موت نظر آئی۔ نمرودیت نے اس آواز کو کچل ڈالنے کی ٹھانی۔ فرعونیت اسی آواز پر لرزہ براندام ہوئی۔ لیکن یہ کیسی 'خالص قرآنی دعوت' ہے جس کو وقت کی طاغوتی طاقتیں ٹھنڈے پیٹوں گوارا کر رہی ہیں۔ عصرِ حاضر کے فراعنہ نہ صرف یہ کہ اس دعوت سے

---

❶ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۲۷۔
❷ مقام حدیث، ج ۲، ص ۳۸۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خائف نہیں ہیں بلکہ اس سے راضی بھی ہیں۔ نمارِدۂ عصرِ رواں اس کو سنتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف کسی ادنیٰ سی چبھن، ہلکی سی خلش، خفیف سی تشویش اور معمولی سا اضطراب تک بھی محسوس نہیں کرتے بلکہ دامے، درمے، قدمے، سخنے، درپردہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس 'خالص قرآنی دعوت' دینے والوں پر نہ کبھی زمین تنگ ہوئی، نہ اُنہیں اس دعوت کی خاطر ترکِ وطن کرنا پڑا۔ نہ اُن کے راستے میں کبھی شعبِ ابی طالب کی گھاٹی آئی، نہ کبھی پیروانِ 'دعوتِ قرآنی' کو قید و بند کے مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ نہ کبھی پھانسی کی رسی ان کی گردن تک پہنچی۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ 'خالص قرآنی دعوت' اپنے علمبردار 'مفکرِ قرآن' کو نظامِ باطل کی چاکری اور خدمتِ طاغوت کے ذریعہ 'رزقِ حلال' کا بھی درس دیتی رہی ہے۔

یہ صورتِ حال اس امر کو واضح کر ڈالتی ہے کہ حقیقت وہ نہیں جسے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اگر واقعی یہ 'خالص قرآنی دعوت' ہوتی تو اَسود و اَحمر، اسے مٹا ڈالنے پر تُل جاتے۔ فرعون و نمرود اپنے لاؤلشکروں کے ساتھ اس کا تعاقب کرتے۔ طاغوتی طاقتیں اس 'دعوتِ حق' اور اس کے علمبرداروں کو کچل ڈالنے کے لئے اپنے جملہ ذرائع و وسائل جھونک دیتیں اور دنیا کا ہر باطل اقتدار اس کا گلا گھونٹ دینے سے کم کسی بات پر راضی نہ ہوتا لیکن دیکھا یہ جارہا ہے کہ باطل اقتدار اور طاغوتی طاقتیں اس 'قرآنی دعوت' کو اپنے استحکام کا ذریعہ جانتے ہوئے درپردہ اس کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ عالم اسلام کے علماء اس 'خالص قرآنی دعوت' کے علمبردار پر کفر کے فتوے عائد کررہے ہیں اور خالص کفر کے علمبردار نہ صرف یہ کہ 'مفکرِ قرآن' کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے اُنہیں خراجِ تہنیت اور گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ وہ ایسی کتابیں بھی لکھ رہے ہیں جو اس 'خالص قرآنی دعوت' کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن رہی ہیں۔ ☆

بہرحال علماءِ کرام نے وقار و متانت، شائستگی و سنجیدگی اور دلیل و برہان کے ساتھ پرویز

☆ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: 'جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں'۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب کی مخالفت کی لیکن خود اُنہوں نے جوابی مخالفت میں جو اسلحہ استعمال کیے، وہ سب دشنام طرازیوں، افترا پردازیوں، تہمت تراشیوں، بہتان طرازیوں اور کذب بیانیوں کے اسلحہ تھے جس پر میری متذکرہ بالا کتاب کا ایک ایک لفظ شاہد ہے۔

مخالفتِ علماء میں پرویزی حیلے

چونکہ 'مفکرِ قرآن' کا تصورِ اسلام، علماءِ کرام کے تصورِ اسلام سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد بھی تھا، اس لئے اُنہوں نے علماءِ کرام کی مخالفت کے لئے ایک ایسی ٹیکنیک اختیار کی جس کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ علماء حضرات کو خوب کثرت سے نشانہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے مُلا کا لیبل تراشا اور سارے جہاں کی نفرتوں کو اسی لفظ میں سمیٹتے ہوئے ہر اس عالم دین پر اس لیبل کو چپکا دیا جو قرآن وسنت کا داعی تھا۔

پرویزی مخالفتِ علماء کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کو اُس معیار پر پرکھا جائے جو تہذیبِ مغرب نے اس کے لئے طے کر رکھا ہے اور ساتھ ہی حدیث وسنت کو بھی نشانہ بنا کر اسے مشکوک قرار دیتے ہوئے ساقط الاعتبار ٹھہرایا جائے۔

جہاں تک پہلے کا تعلق ہے، 'مفکرِ قرآن' نے لیبل تراشی کرتے ہوئے لفظ 'ملا' کا پیکر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

۱۔ 'ملا' کے پیکر کا خمیر ہی نفرت اور خوف سے مرکب ہوتا ہے اور یہ خصوصیت مسلمانوں کے 'ملا' ہی کی نہیں، بلکہ دنیا کے ہر مذہب کے 'ملا' کی یہی خصوصیت ہوتی ہے۔ ❶

۲۔ 'ملا' کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں، نہ براہین۔ ❷

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں اور جس چیز کو یہ قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں، اس میں قرآن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ❸

---

❶ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۔ ❷ طلوعِ اسلام، ۵ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۴۔

❸ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۵۶ء، ص ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ یہ لوگ قرآن کے عملاً منکر ہوتے ہیں۔ ❶

۵۔ قرآن 'ملا' کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ ❷

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بارے میں 'مفکرِ قرآن' صاحب کا خاص طور پر یہ اعلان تھا:

''پاکستان میں ملائیت کے منظم ادارے کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔'' ❸

لیکن ؎

یہی دلسوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشین برسوں

انہی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے متعلق کبھی طلوعِ اسلام نے بقلم پرویز یہ بھی لکھا تھا:

''خدا تعالیٰ نے مولانا موصوف کو اس زمانہ میں اسلام کی خدمت اور ملت کی تجدید کے لئے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے اور وہ شرحِ صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین دیا ہے جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح اِدراک کر کے قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ 'ترجمان القرآن' کا موضوع قرآنِ حکیم ہے۔ ایک طرف وہ قرآن حکیم کی روشنی میں تاریک دلوں کو منور کر رہا ہے اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کر کے مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔ قرآنِ حکیم کو منشاے الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اُصولوں پر اس کی نشر و اشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور اُن کو عقلِ سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا، ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل قرآنِ کریم سے پیش کرنا وغیرہ، وہ خصوصیات ہیں جو بحمداللہ رسالہ 'ترجمان القرآن' کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج کل سیاست کے نام سے جو گمراہی پھیلائی جا رہی ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس

❶ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، ص ۱۰۔

❷ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۳۲۔

❸ طلوعِ اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے غافل نہیں ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی بھی فرما رہے ہیں۔" ❶

امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ کی نظر اپنی وسعتِ مطالعہ کے لحاظ سے جدید و قدیم پر حاوی تھی۔ ان ہی خوبیوں اور کمالات کے باعث وہ ایک ایسی نمایاں اور قد آور ہستی تھے جو اُنہیں ممتاز و ممیّز کیے ہوئے تھی۔ ان فضائل و کمالات کا پاکستان بننے سے قبل پرویز صاحب کو بھی اعتراف تھا لیکن قیامِ پاکستان کے بعد جب اُنہوں نے نیا اسلام وضع کیا اور مولانا مودودیؒ سے اس نوساختہ اسلام کے انکار کا جرم سرزد ہوا تو 'مفکرِ قرآن' ان کے شرف و امتیاز کو خاک میں ملانے کے لئے یہ کہنے لگے:

"حقیقت یہ ہے کہ مولوی نہ کسی شخص کا خطاب ہے اور نہ کسی زمانہ سے مختص۔ یہ ایک ذہنیت ہے۔ پرانا مولوی جو کچھ کہے گا اور کرے گا، ماڈرن مولوی اس سے بہتر مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ اس کے ہاں انگریزی کے بعض الفاظ کا استعمال ہوگا۔" ❷

"بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ ذہنیت جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، پرانی وضع کے ملاؤں کی ہے، نئے دور کے 'علماءِ کرام' اس قسم کے نہیں ہیں، لیکن قدیم و جدید کی یہ تمیز محض ان کی خوش فہمی ہے۔ مُلّا مُلّا ہی رہتا ہے، خواہ وہ دورِ قدیم کا ہو یا عصر جدید کا۔ اصل چیز وہ قوت ہے جو مذہب کے نام سے اُسے حاصل ہوتی ہے۔" ❸

اور یہ 'ماڈرن مولوی' اور 'مُلّا' کا لقب تو مولانا مودودیؒ کی بابت تھا، اب ان کی جماعت (جماعت اسلامی) کے متعلق بھی ان کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

"ان (حکمرانوں) میں ایسے تھے جو جانتے تھے کہ صحیح اسلام کیا ہے؟ لیکن وہ

---

❶ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء، ص ۷۳۔
❷ طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۰ء، ص ۲۹۔
❸ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۱ء، ص ۷۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملا کے پراپیگنڈے سے ڈرتے تھے، اس لئے اسے کھلے بندوں، زبان پر یا عمل میں لانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مُلّا سے اس ضمن میں بنیادی طور پر مراد جماعت ِ اسلامی ہے۔'' ❶

مولانا مودودیؒ اور ان کی جماعت پر 'ملا' کا لیبل لگا دینے کے بعد 'مفکر قرآن' صاحب، جماعت اسلامی سے وابستہ افراد اور ان کے اندازِ تحریر اور اُسلوبِ نگارش کو بایں الفاظ نشانہ بناتے ہیں:

''ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اگرچہ تعلیم یافتہ کہلاتا ہے، لیکن ابتدائی تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات اور اپنی فکری صلاحیتوں کے فقدان کے باعث مذہب کے معاملہ میں بالکل عوام جیسا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کا ظاہر ماڈرن ہے، لیکن باطن، اسی دقیانوسی ملائیت کا حامل ... یہ جماعت، دقیانوسی ملائیت کی پیکر ہے لیکن اُنہوں نے اُسلوبِ نگارش ماڈرن رنگ کا اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ یہ طریق پرانے مولویانہ طریق سے مختلف ہے۔ اس لئے یہ لوگ محض اُسلوبِ بیاں اور طریق استدلال کے فرق کی بنا پر یہ خیال (Impression) عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا پیش کردہ مذہب ملائیت سے مختلف ہے۔ اس سے وہ تعلیم یافتہ طبقہ یعنی سوٹ پہننے والا ملا ان کا ہم نوا ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے ان کی ظاہری ماڈرنزم بھی قائم رہ جاتی ہے اور قلبی ملائیت کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔'' ❷

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

۱۔ جاہلی عصبیت

اوّلاً ...... یہ کہ 'مفکر قرآن' صاحب کے نزدیک مُلّا ہر وہ شخص ہے جو ان کے فکر کو قبول نہیں کرتا، قطع نظر اس کے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ ہے یا نہیں۔ وہ اپنی فکر سے بیگانہ افراد کو خواہ ان کا اُسلوبِ تحریر جدید انداز کا ہو یا قدیم، اس خود ساختہ لیبل کا مستحق گردانتے ہیں اور چاہتے

❶ طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۳ء، ص ۸ ❷ طلوع اسلام، اگست دستمبر ۱۹۵۲ء، ص ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ ہر اس شخص کو جو اُن کا فکر نہیں اپناتا، اُنہیں اس لیبل کے تحت تضحیک واستہزا اور توہین کا نشانہ بنایا جائے۔ اس کے برعکس ہر وہ شخص مُلاّ نہیں ہے جو قرآن کے نام پر ان کے خودساختہ دین کو قبول کئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ جدید تعلیم پائے ہو یا قدیم۔ یہ وہی ٹریڈ یونین ازم ہے جس کے تحت وہ قرآن کے نام کی آڑ میں جاہلانہ عصبیت کا شکار ہیں اور اپنے گروہ سے باہر ہر فرد کو مُلاّ گردانتے ہوئے کشتنی وسوختنی قرار دیتے ہیں۔

۲۔ 'کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ'

ثانیاً...... یہ کہ اپنے مخالفین کے لئے لیبل تراش کر اس کے تحت اِنہیں مطعون کرنا خود 'مفکر قرآن' (اور منکرین حدیث) کی وہ قبیح حرکت ہے جسے بہتانا وہ اپنے فکری حریفوں کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ 'کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ' کا رویہ اپنانا، 'مفکرِ قرآن' کی ایک مستمر پالیسی تھی تاکہ ان کی اپنی ایسی عادت چھپی رہے اور لوگوں کی توجہ اس شخص کی طرف مبذول ہوجائے جس کی طرف وہ اُسے منسوب کردیا کرتے تھے۔ اب یہاں یہ ملاحظہ فرمایئے کہ لیبل تراشی کی جو حرکت وہ خود علماءِ کرام کے خلاف کر رہے ہیں، ٹھیک اسی حرکت کا مرتکب وہ زعماءِ دین کو قرار دیتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں:

> ''مُلاّ کے پاس نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت؛ نہ دلائل ہوتے ہیں، نہ براہین۔ لیکن اس کے پاس ایک خطرناک حربہ ہوتا ہے جس کا جواب فریق مخالف کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حربہ ہوتا ہے کفر کا فتویٰ یا لیبل۔ وہ دلائل کی بجائے ایک لیبل تراشتا ہے اور فریق مقابل پر چسپاں کردیتا ہے۔'' [1]

چنانچہ علماءِ کرام نے جو لیبل تراشا اور (بقولِ پرویز) اُن پر چسپاں کیا، وہ ہے: منکر سنت اور منکر حدیث ہونے کا لیبل:

> ''یہ حضرات طلوعِ اسلام کے پیش کردہ قرآنی دلائل کا جواب تو دے نہیں سکتے، اس لئے اُنہوں نے اس کے خلاف وہی حربہ استعمال کیا ہے جسے یہ اپنے مخالفین

[1] طلوعِ اسلام، ۵ فروری ۱۹۵۵ء، ص۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے شروع سے استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اُنہوں نے مشہور کر دیا کہ طلوعِ اسلام، منکر حدیث ہے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کر دیا۔'' ❶

امر واقعہ یہ ہے کہ 'مفکر قرآن' کو منکرِ حدیث یا منکرِ سنت کہنا، نہ کوئی لیبل تراشی ہے اور نہ الزام بازی، نہ کوئی طنز ہے اور نہ کوئی گالی، بلکہ یہ صرف امر واقعہ کا اظہار ہے، کیونکہ یہ لوگ خود حجیتِ حدیث کا یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں:

''حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں، لیکن دین میں حجت کے طور پر وہ پیش نہیں کی جا سکتی۔'' ❷

اس سے یہ بات واضح ہے کہ ان لوگوں کو 'منکرِ حدیث یا منکر سنت' کہنا ہرگز لیبل سازی نہیں ہے، لیکن علماء پر لیبل سازی کا الزام، بہ تکرارِ بسیار صرف اس لئے دہرایا جاتا ہے کہ مُلّا اور ملائیت کے جو لیبل وہ خود تراش چکے ہیں، ان کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول نہ ہو سکے۔

علماء کے خلاف فتوائے پرویز

لیکن ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب اس سے آگے بڑھ کر خود ایک لیبل، بصورتِ فتویٰ تراشتے ہیں اور علماءِ کرام کو 'قرآن سے جاہل' ہی نہیں بلکہ 'منکرِ قرآن' بھی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ صرف اپنی فکر ہی کو قرآنی فکر قرار دیتے ہوئے اپنے مخالف علماء کے متعلق یہ لکھتے ہیں:

''لیکن اس آواز کی مخالفت تمام منکرین قرآن کی طرف سے ہوگی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مختلف فرقوں کے وہ علما، جو کل تک ناف پر یا چھاتی پر ہاتھ باندھنے کے اختلاف پر، باہم گر دست و گریباں ہوا کرتے تھے، قرآن کی اس آواز کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں۔'' ❸

اور یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ کی آڑ میں، مولانا مودودیؒ پر بطور خاص 'منکرِ قرآن'

---

❶ طلوعِ اسلام، ۱۲ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۳۔
❷ مقام حدیث، ص ۹۲۔
❸ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۵۲ء، ص ۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کا فتویٰ بایں الفاظ رسید کیا:

''طلوعِ اسلام نے اپنی سابقہ اشاعت میں قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اس کے جواب میں منکرینِ قرآن کی طرف سے جو جواب شائع ہوا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیے۔ ❶

چونکہ اس کے بعد جس جواب کو مقتبس کیا گیا ہے، وہ مولانا مودودیؒ ہی کا جواب ہے، اس لئے یہ فتویٰ یا لیبل اُن ہی پر چپکایا گیا ہے۔ چنانچہ 'پرویز صاحب علماءِ کرام کے دین اسلام کو (جو قرآن وسنت پر مبنی ہے) زمانۂ قبل از نزولِ قرآن کے اہل کتاب کا مذہب قرار دیا کرتے تھے، یا اسے ایرانیوں کا تراشیدہ 'عجمی اسلام' کہا کرتے تھے اور خود ان علماء کو اپنے 'قرآنی فتویٰ' کی روشنی میں 'منکر قرآن' قرار دیا کرتے تھے، اس لئے وہ ان سے ایسا اندازِ تخاطب اختیار کیا کرتے تھے جو کفار ہی کے لئے سزاوار ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر علماء کے لئے لفظ 'مولانا' کے استعمال کو موہم شرک قرار دیتے ہوئے، یہی انداز اختیار کیا گیا ہے:

''کیا ہی اچھا ہو کہ اپنے آپ کو علماءِ دین کہلانے والے اس لفظ کا سوچ سمجھ کر استعمال کریں، والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔'' ❷

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر سی گفتگو اُس فتوائے کفر پر بھی ہو جائے جو علماءِ کرام کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں پرویز صاحب پر عائد کیا گیا تھا:

پرویز کے خلاف فتوائے کفر

یہ فتویٰ تقریباً ایک ہزار علماء کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ اسے 'مفکرِ قرآن' صاحب کی کفر کی حد تک پہنچی ہوئی فکری اور اعتقادی گمراہیوں کی پوری پوری چھان بین اور وضاحت کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ خود مفتی محمد شفیع صاحب نے اس وضاحت کو بایں الفاظ پیش کردیا تھا:

''جہاں تک آپ کے موقف ومسلک کے خلاف دلائل و براہین کا تعلق ہے، متعدد اہل علم، عرصۂ دراز سے وقتاً فوقتاً شرح وبسط کے ساتھ اور مختلف عنوانات

❶ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۲ء، ص ۵۸۔ ❷ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۷۲ء، صفحہ ۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اُنہیں پیش کر کے آپ کو متوجہ کرنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس موضوع پر معتد بہ لٹریچر جمع ہو گیا ہے جس سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔ میری جانب سے ان مسائل پر بحث و مباحثہ اور ردّ وقدح کا ایک نیا سلسلہ نہ کچھ نتیجہ خیز معلوم ہوتا ہے، نہ میرے قویٰ اور مشاغل اس کی چنداں اجازت دیتے ہیں۔ اگر ان مسائل پر ہر اعتبار سے ایسے مؤثر اور مدلل انداز میں، جو طالبِ حق کے لئے کافی ہونا چاہیے، حق کی وضاحت نہ ہو چکی ہوتی تو شائد اپنی تمام معذوریوں کے باوجود اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنی بصیرت و بضاعت کی حد تک ان مسائل پر جو آپ نے اس مکتوب میں چھیڑے ہیں، ضرور کچھ لکھتا، لیکن نہ اس کی افادیت نظر آتی ہے، نہ ضرورت۔'' ❶

دیگر علماءِ کرام کے علاوہ سب سے آخری وضاحت جس نے پوری طرح پرویز صاحب (اور ان کے مقلدین) کی کافرانہ ضلالتوں کو نہ صرف بے نقاب کر دیا تھا بلکہ مکمل طور پر اتمامِ حجت بھی کر ڈالی تھی، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف سے تھی۔ جو 'ترجمان القرآن' ستمبر ۱۹۶۱ء کے 'منصبِ رسالت نمبر' پر مشتمل تھی۔

'مفکرِ قرآن' کا ردّ عمل

جناب پرویز صاحب کا پہلا ردّ عمل یہ تھا کہ جن عبارتوں پر فتوائے کفر کی اساس تھی، ان کے علاوہ اُنہوں نے کچھ ایسی اپنی عبارتیں پیش کیں جن پر اُن کے بقول فتویٰ عائد نہیں ہوتا اور اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مفتیانِ کرام نے جملہ عبارات کو پیش نظر رکھ کر دیانتداری سے فتویٰ نہیں دیا جبکہ اصل حقیقت اس عذرِ لنگ کی یہ ہے کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب کا پورا لٹریچر مداری کی ایسی پٹاری ہے جس میں تضادات کا وافر ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے اور 'مفکرِ قرآن' صاحب جس وقت جس چیز کو مفیدِ مطلب پاتے ہیں، پیش کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مفتی صاحب کو پرویز صاحب نے جو خط لکھا اس میں یہ شکایت کی تھی کہ

---

❶ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۶۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میری تحریروں میں سے ایک ایک، آدھ آدھ فقرہ، اِدھر اُدھر سے اَخذ کرلیا گیا ہے اور اُنہیں مکمل اقتباسات کہہ کر پیش کردیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے، وہ بے حد غلط اور گمراہ کن ہے۔" ❶

مفتی صاحب نے اسے علماءِ کرام پر بہتان قرار دیا اور مزید یہ لکھا کہ

"آپ نے پھر خلطِ مبحث کی سعیٔ لاحاصل شروع کردی، اور ایک طویل مراسلہ لکھ مارا، جس کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تصانیف میں، متعدد جگہ ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق صحیح تصور بھی پیش کیا ہے۔ معلوم نہیں اس کی ضرورت آپ کو کیوں لاحق ہوئی، اس لئے کہ علماء نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ساری عمر میں آپ نے اپنی تحریروں میں کوئی بات یا کوئی عبارت صحیح لکھی ہی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ اگر سو جگہ، ایک شخص بالکل صحیح بات کہے اور دس بیس جگہ بالکل غلط اور کافرانہ عقائد کا اظہار کرے تو کیا محض یہ امر کہ اس نے متعدد مرتبہ صحیح بات کہی تھی، اس کو غلط تصورات رکھنے یا شائع کرنے کی ذمہ داری سے بری قرار دے دے گا؟ آخر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی تو متعدد جگہ اپنے آپ کو غیر نبی ہی قرار دیا ہے، صرف چند ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اُس نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا ہے۔" ❷

فتویٰ کی اتھارٹی

فتوائے کفر پر اپنے ردّعمل ہی کے سلسلہ میں 'مفکرِ قرآن' صاحب نے علماءِ کرام کے خلاف یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ

"ان حضرات (یا کسی اور) کو یہ اتھارٹی کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کسی کے کفر اور اسلام کا فیصلہ کردیں؟ علماء کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں، تو کیا ان کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو یہ حق حاصل

---

❶ طلوعِ اسلام، مئی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۶۔ ❷ طلوعِ اسلام، مئی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۶ تا ۱۴۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے کہ وہ جسے چاہیں کافر قرار دے دیں۔'' ❶

لیکن معلوم نہیں کہ ہمارے 'مفکرِ قرآن' صاحب کو کسی مذہبی مدرسہ سے کچھ کتابیں پڑھے بغیر ہی یہ اَتھارٹی کہاں سے مل گئی کہ وہ علماءِ کرام پر 'منکرین قرآن' ہونے کا فتویٰ رسید کریں اور ان کے مبنی برقرآن وسنت دین کو دورِ نزول قرآن سے قبل اہل کتاب کا مذہب قرار دیں، اور کراچی کی سابقہ بزمِ طلوعِ اسلام کے ان اراکین پر 'منافق' ہونے کا فتویٰ عائد کریں جن کو میزان پبلی کیشنز کے پھڈے میں اس دن بزمِ طلوعِ اسلام سے دربدر اور جلاوطن کردیا گیا تھا جسے طلوعِ اسلام کی تاریخ میں خود 'مفکرِ قرآن' صاحب نے 'یوم الفرقان' قرار دے رکھا ہے۔ کیا اُنہوں نے میاں عبدالخالق اور حافظ برکت اللہ وغیرہ کے سینوں کو چاک کرکے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہاں نفاق ہی نفاق پایا جاتا تھا؟ یا اپنے ہم نام مرزا غلام احمد آنجہانی، متنبّی دورِ حاضر کی طرح اُنہیں بھی وحی پانے کا دعویٰ ہے؟ اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو پھر کیا وہ 'مزاج شناس خدا' تھے جس کی بنا پر 'منافقین اور منکرینِ قرآن' کے باطن ان پر روشن اور بے نقاب ہو چکے تھے؟

فتویٰ اور حکومتی ذمہ داری

علماءِ کرام کی طرف سے جاری ہونے والے فتویٰ پر 'مفکرِ قرآن' کا تیسرا ردِّعمل مندرجہ ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

> ''باقی رہے مفتی، سو اِسلامی سلطنت میں یہ ایک منصب تھا جس پر کوئی شخص، حکومت کی طرف سے تعینات ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی مفتی نہیں ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ایڈووکیٹ جنرل یا اٹارنی جنرل حکومت کی طرف سے تعینات ہوتے ہیں اور ہر وکیل اپنے آپ کو نہ ایڈووکیٹ جنرل قرار دے سکتا ہے اور نہ ہی اس منصب کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔ مفتی کی حیثیت مشیر قانونی کی ہوتی تھی۔ اس کا کام صرف مشورہ یا رائے دینا تھا، فیصلہ کرنا نہیں تھا۔ فیصلہ

❶ طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت خود کرتی تھی یا اس کی طرف سے مقرر کردہ قاضی۔ اب نہ وہ حکومتیں باقی ہیں، نہ ان کی طرف سے مقرر کردہ مفتی، لیکن یہ حضرات ابھی تک اپنے آپ کو ان ہی معنوں میں مفتی سمجھتے ہیں اور صرف مفتی کے فرائض ہی انجام نہیں دیتے بلکہ قاضی کی حیثیت سے فیصلے بھی صادر کرتے ہیں۔''[1]

کیا وابستگانِ طلوعِ اسلام ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ ان کے 'بابا جی' کی طرف سے 'انکارِ قرآن' اور 'نفاقِ اعتقاد' کے یہ فتوے کس اتھارٹی کی بنا پر صادر ہوئے تھے؟ کیا وہ اس وقت خود حکومت تھے؟ یا حکومت پاکستان کی طرف سے صاحبِ اختیار ہستی تھے جنہیں حکومت نے اس کام کے لئے تعینات کیا تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے متعلق ایمان و کفر، یا نفاق و اخلاص کے فیصلے صادر فرمایا کریں۔

قیامِ پاکستان اور نفاذِ اسلام

پاکستان بن جانے کے بعد جب اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا جس کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا تو مسلم لیگ کے لئے نفاذِ اسلام ایک مسئلہ بن گیا، کیوں؟ اور کیسے؟ یوں اور اس طرح کہ اگرچہ مسلم لیگی حکمرانوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر پاکستان بنا لیا تھا، لیکن وہ اس میں اسلام کو اس لئے نافذ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ خود مغربی افکار و نظریات کا دودھ پی پی کر یورپ کے فاسد تمدن کی گود میں پرورش پائے ہوئے تھے۔ اور اسلام کی تعلیمات سے بے خبر تھے۔ اس لئے اگر وہ نیک نیتی سے چاہتے بھی کہ یہاں اسلام کو نافذ کر دیں، تو وہ اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے، لیکن عوام الناس اور علماءِ کرام کی طرف سے نفاذِ اسلام کے لئے حکمرانوں پر جو دباؤ ڈالا جا رہا تھا، اس نے اربابِ اقتدار کے لئے بڑی مشکل پیدا کر ڈالی تھی۔ وہ یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ ''ہم اسلام کو نافذ نہیں کریں گے!'' کیونکہ اسی نعرہ کی کشش سے برصغیر کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا اور اسی کے نتیجہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس مقصد کی نفی کا اعلان کرنا خود مسلم لیگ کی موت کا اعلان تھا۔ لیکن

---

[1] طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۶۲ء، ص ۵۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف وہ اخلاصِ قلب اور نیک نیتی کے ساتھ پاک سرزمین میں اسلام نافذ بھی کرنا چاہتے تو اسلام سے ان کی ناواقفیت اور بے خبری اور جہالت کی بنا پر وہ یہ بیڑا اُٹھا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس صورتِ حال میں حکومت کے سربراہ زچ ہوکر پیچ و تاب کھا رہے تھے اور اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ بن چکا تھا کہ نہ ہی اُگلے بنے اور نہ ہی نگلے بنے۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن!

پرویز صاحب کی خدمتِ سرکار

ایسے کٹھن وقت میں ہمارے 'مفکرِ قرآن' جناب غلام احمد پرویز صاحب، حکمرانوں کے کام آئے اور اُنہوں نے اسلامی نظام میں، جس کے نفاذ کے لئے ملک کے ہر طبقہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا، کیڑے ڈالنا شروع کر دیئے اور سرے سے اسلامی نظام اور اس کے تصور ہی کو ناقابلِ عمل قرار دینا شروع کر دیا اور اس قسم کا پراپیگنڈہ کرتے ہوئے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ...... بھلا، اس تہذیب وتمدن کے روشن دور میں چور کو قطع ید کی سزا دی جائے گی؟ زانی محصن کو رجم اور کنوارے زنا کاروں کو ضربِ تازیانہ کا نشانہ بنایا جائے گا؟ جنگی قیدیوں کو بعد از تقسیم غلام اور ان کی عورتوں کو کنیزیں بنا کر رکھا جائے گا؟ پھر یہاں کئی فرقے موجود ہیں، کس فرقے کی فقہ (بلکہ اسلام) کو نافذ کیا جائے گا؟ کیا باقی فرقے کسی ایک فرقے کی فقہ کے نفاذ کو گوارا کرلیں گے؟ جو علماء نماز کے اختلافی مسائل کو ختم کرکے کوئی متفق علیہ شکلِ نماز طے نہیں کر سکے، وہ بھلا کسی متفقہ ملکی دستور و آئین کی تشکیل میں کامیاب ہو جائیں گے؟ تب بھلا اسلامی نظام میں فیصلے کا آخری اختیار کیا علماء کے ہاتھ میں نہیں آ جائے گا؟ اگر ایسا ہوگیا تو کیا یہ مذہبی پیشوائیت (Priesthood) نہیں ہوگی؟ پھر بھلا یہ اسلامی نظام کیا آج کے 'ترقی یافتہ' اور 'روشن دور' میں چل بھی سکے گا؟ کیا علماء کا یہ اسلام آج کے انتہائی ارتقاء یافتہ دور میں عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے؟......

یہ اور اس طرح کے گوناگوں سوالات چھیڑ چھیڑ کر اُنہیں مختلف اسالیب و پیرایوں میں دُہرا دُہرا کر پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام نے لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا شروع کر دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور چونکہ یہ اسلامی نظام، قرآن و سنت پر مبنی تھا، اس لئے سنت کے بارے میں بھی ژولیدہ فکری پیدا کرنے کے لئے 'مفکر قرآن' مصروفِ 'جہاد' ہوگئے۔ سنتِ نبویہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے طلوعِ اسلام میں ایک ارتیابی مہم اور تشکیکی تحریک چلائی گئی۔ جس طرح اسلامی نظام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے مختلف اسالیب اور متنوع انداز اختیار کئے گئے، بالکل اسی طرح سنتِ رسولؐ کے بارے میں بھی اُسلوب و انداز کو بدل بدل کر، اور طرح طرح کے سوالات کو چھیڑ چھیڑ کر دماغوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ایسا کرتے ہوئے ایک طرف تو علماءِ کرام کا استخفاف اُڑایا جاتا کہ یہ علم سے کورے، بصیرت سے عاری، قرآن سے نابلد، دلائل سے محروم اور تقاضاے وقت سے بے خبر ہیں، جو طلوعِ اسلام کے سوالات و دلائل کا جواب تک نہیں دے سکتے اور دوسری طرف خود مظلوم بن کر اپنے قارئین کو پرویز صاحب (اور طلوعِ اسلام) یہ تاثر دیتے رہے کہ علماءِ کرام ان کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈے، باطل الزامات اور افترا پردازیوں کے ذریعہ ان پر مظالم ڈھا رہے ہیں اور پھر عوام الناس سے یہ اخلاقی اپیلیں کی جاتیں کہ وہ دینی جماعتوں اور (بالخصوص) جماعتِ اسلامی کو اس غیر اخلاقی طرزِ عمل سے باز رکھنے کی کوشش کریں، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہ اور اس قسم کی تھیں، وہ دلچسپیاں اور سرگرمیاں جن میں طلوعِ اسلام پاکستان کے ابتدائی دور میں مگن اور منہمک تھا۔

'دو اسلام' آمنے سامنے

اب پاکستان میں جناب غلام احمد پرویز صاحب کا ایجنڈا یہ تھا کہ ایک ایسا اسلام نافذ کیا جائے جسے خود اُنہوں نے مغرب کی بے خدا اور بے حیا تہذیب، یورپ کی فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی معاشرت اور اشتراکیت کے شکمی مساوات پر مبنی اقتصادی نظام کے بے جوڑ عناصر کے مجموعہ پر قرآنی ٹھپہ لگا کر تیار کیا تھا۔ اس کے برعکس علماءِ کرام چودہ صدیوں قبل عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں نافذ ہونے والا وہ اسلام قائم کرنا چاہتے تھے، جو قرآن و سنت پر مبنی تھا۔ لیکن 'مفکرِ قرآن' صاحب نے اپنے دوغلے نظام (Hybrid System) کو 'قرآنی دین' اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء کے مبنی بر قرآن و سنت اسلام کو 'عجمی مذہب' کا نام دے کر محاذ آرائی شروع کر ڈالی۔ چنانچہ 'مفکرِ قرآن' صاحب نے فریقین کی اس باہمی کشمکش سے یہ تاثر اُچھالا کہ وہ وطن عزیز میں 'مُلّائی مذہب' کے مقابلہ میں 'قرآنی اسلام' نافذ کرنا چاہتے ہیں:

ا۔ .... ''پاکستان آ کر اِن (علماء) کے ساتھ پرویز صاحب کی کشمکش باندازِ نو شروع ہوئی۔ یہ یہاں اسی اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے جو اسلاف سے مسلسل چلا آ رہا تھا اور جس کے یہ حضرات اجارہ دار تھے۔ پرویز صاحب قرآنی اسلام کے نفاذ کے داعی تھے (اور ہیں) اور کشمکش کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔'' [1]

۲۔ ..... ''مذہبی پیشوائیت اور طلوعِ اسلام کے مسلک کی اس نزاع میں پرویز صاحب قرآن سے دلیل و برہان لاتے ہیں مگر مولوی صاحب کے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا اور وہ وضعی روایات سے اپنے موقف کی تائید لاتے ہیں۔'' [2]

معلوم نہیں کہ وابستگانِ طلوعِ اسلام کی یہ فریب خوردگی ہے یا فریب دہی کہ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ (موقفِ پرویز کے مقابلہ میں) علماءِ کرام کا کیا موقف ہے؟ نہ خود اُنہوں نے مطالعہ کیا اور نہ ہی تحقیق و ریسرچ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ دونوں کے مواقف میں کیا فرق ہے؟ اُنہوں نے اپنے مخالفین کو خود اپنے کانوں سے سننے کی بجائے دوسروں کے کانوں سے سنا ہے۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے پرویز صاحب ہی کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنے فکری حریفوں کا مطالعہ خود ان کے اصل لٹریچر سے کرنے کی بجائے طلوعِ اسلام ہی کے صفحات سے کیا ہے اور کھلی آنکھوں سے دوسروں کے موقف کو پڑھ کر رائے قائم کرنے کی بجائے صرف پرویز صاحب ہی کے یک رخے مطالعے کی بنا پر اپنی رائے قائم کر ڈالی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جانبدارانہ یک رخا مطالعہ صحیح رائے قائم کرنے میں ممد و معاون نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص جبکہ اس لٹریچر کے علم بردار اپنے ظلمت کدوں میں روشنی کی کسی کرن کے در آنے کو پسند نہیں کرتے، جیسا کہ میری کتاب ''جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں'' ....

---

[1] طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۸۴ء، ص ۳۴۔ [2] طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ بھی وابستگانِ طلوع اسلام نے بیان فرمایا ہے، وہ قطعی غلط ہے۔ یہ لوگ جسے 'قرآنی اسلام' کا نام دیتے ہیں، وہ ہرگز قرآنی اسلام نہیں ہے اور جسے 'عجمی مذہب' کہتے ہیں، وہ بھی ایسا نہیں ہے اور یہ سب کچھ ان کے ناقص اور یک رخے مطالعے ہی کا نتیجہ ہے۔

مولانا مودودیؒ کی انتہائی مخالفت

فریقین کی اس کشمکش میں (جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے) مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کی آواز چونکہ پرویز صاحب کے اشتراکی برانڈ وضعی اسلام کے خلاف ایک منظم اور مؤثر آواز تھی، اس لئے دیگر علماء کی نسبت کہیں زیادہ، ان کے خلاف مخالفت وعناد کا لاوا 'مفکر قرآن' کے قلبِ آتش فشاں سے پھوٹتا رہا۔ اُنہوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو جس طرح اپنی دریدہ دہنیوں، دشنام طرازیوں، بہتان تراشیوں اور کذب بافیوں کے ذریعہ نشانہ بنایا، اس کا ہلکا سا اندازہ میری مذکورہ بالا کتاب کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے اور یہ تو صرف وہ کچھ ہے، جو بدت البغضاء من أفواههم کا مصداق ہے، ورنہ وہ کیفیت جو ما تخفي صدورهم أكبر میں مذکور ہے، اسے خدائے علیم وخبیر کے سوا کون جان سکتا ہے۔ بہرحال اگرچہ پرویز صاحب کے اس 'قرآنی اسلام' کے خلاف جو کارل مارکس کی اشتراکیت ہی کا چربہ ہے، مولانا مودودی کے سوا دیگر علماء نے بھی تردید کی تھی، لیکن 'مفکرِ قرآن' نے صرف مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی ہی کی مخالفت کو اپنا اوّلین اور مستقل فریضہ حیات قرار دیا:

ہم سفر اور بھی سرگرمِ سفر تھے لیکن
مجھ کو، رفتار سے، صیاد نے پہچان لیا

اور اس مخالفت کی وجہ جواز یہ پیش کی گئی:

''مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو قوتیں مصروفِ عمل رہی ہیں (اور آج بھی مصروفِ عمل ہیں) ان میں ملائیت کا حصہ بہت بڑا نمایاں ہے۔ اس کے نزدیک ملائیت، قرآن اور مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے۔ اسی لئے طلوع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام، ملائیت کی مخالفت کو، اپنی زندگی کا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے۔'' ❶

قبل اس کے کہ وجہ جواز کے اس سلسلہ کی دوسری کڑی کو پیش کیا جائے، 'مفکرِ قرآن' کی اس خود فریبی یا فریب دہی کی وضاحت ضروری ہے جس کے تحت وہ بساطِ سیاست کے چابک دست مہرہ بازوں سے بھی آگے بڑھ کر علماءِ کرام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ ''مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھتے ہیں'' اور یہ کہ وہ ''قرآن کے بدترین دشمن ہیں۔'' حالانکہ وہ قرآن کے نہیں بلکہ قرآن کے اس مفہوم کے دشمن ہیں جسے 'مفکرِ قرآن' نے اَغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں مبتلا ہو کر منسوب اِلی القرآن کر رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے کوشاں نہیں ہیں، بلکہ قرآن کے ان نت نئے مفاہیم سے دور رکھنے کے لئے سرگرمِ عمل ہیں جسے 'مفکر قرآن' کی عقل عیار نے قرآنِ کریم کے گلے منڈھ رکھا تھا۔

بہرحال مولانا مودودیؒ کو 'ملائیت کا سرخیل' بنا ڈالنے اور جماعت اسلامی کو ملا قرار دے ڈالنے کے بعد سلسلۂ وجہِ مخالفت کی اگلی کڑی کو بایں الفاظ پیش کیا جاتا ہے:

''اس سلسلہ کی اگلی کڑی یہ ہے کہ ہمارے نزدیک پاکستان میں ملائیت، اپنی سب سے زیادہ خطرناک شکل میں 'جماعتِ اسلامی' کے پیکر میں پائے کوب ہے۔'' ❷

اس کے بعد یہ طے کر ڈالا گیا کہ جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر کی مخالفت نہ تو کبھی کبھار سرراہ کی جاسکتی ہے اور نہ ہی وقتی اور عارضی طور پر بلکہ اس کے لئے تو مستقل، مستمر، دائمی اور لگاتار مخالفت کی ضرورت ہے، جسے طلوعِ اسلام اپنی زندگی کا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے۔

چنانچہ 'مفکر قرآن' صاحب لکھتے ہیں:

''ہم ان حضرات سے [جو نہایت اخلاص سے مولانا مودودی اور جماعت کے خلاف سوقیانہ پراپیگنڈہ کرنے سے، ہمیں منع کرتے ہیں... قاسمی] پوچھتے ہیں کہ اتنے بڑے خطرے کے سدباب کے لئے جس کی تصریح اوپر کی جاچکی ہے، یہ کافی ہوگا کہ طلوعِ اسلام کبھی کبھار سرراہے، جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا ذکر

❶ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۴۵۔ ❷ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، ص ۴۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا کرے...... جو لوگ طلوعِ اسلام میں جماعتِ اسلامی کی مخالفت کو 'زیادتی' سمجھتے ہیں، اُنہوں نے دراصل اس خطرے کی اہمیت اور ہمہ گیریت کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا۔'' ❶

چنانچہ اس بنیاد پر 'مفکرِ قرآن' (اور طلوعِ اسلام نے خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی سے عاری ہوکر اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ طے کیا کہ اپنے مقاصد کی بازیابی کے لئے ان کی ایک بڑی ضرورت...... بلکہ شاید سب سے بڑی ضرورت...... یہ تھی کہ ان لوگوں کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا جائے، جو پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے، قرآن وسنت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ چنانچہ طلوعِ اسلام میں اس مخالفت کو بلند ترین نصب العین کی حیثیت دی گئی اور اس کا شاید ہی کوئی شمارہ ایسا ہو جس میں منازعت و مخالفت اور عداوت و عناد کی موسلا دھار بارش نہ ہوئی ہو۔ مرورِ ایام کے ساتھ اس کی شدت میں مزید اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ جھوٹے الزامات کی بوچھاڑ، دھوکہ وفریب کی یورش، اور خیانت و بددیانتی کی یلغار کے ساتھ مجلّہ مذکورہ میں ایک شدید پراپیگنڈہ مہم شروع کی گئی تاکہ قرآن وسنت پر مبنی اسلام کے خلاف اور اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے والی قوتوں کے خلاف شکوک وشبہات اور ریب وتشکیک کا ایسا گردوغبار اُٹھایا جائے کہ حقائق نگاہوں سے مخفی ہوکر رہ جائیں۔ آئے دن نت نئے شگوفے چھوڑے اور شوشے اُٹھائے گئے۔

مولانا مودودیؒ کی برسوں پرانی عبارتوں کو 'نئے تقاضوں اور جدید ضرورتوں' کے تحت کھنگالا گیا، تاکہ جہاں کہیں بال برابر بھی اعتراض کرنے کی گنجائش ملے، اُسے شائع کرکے معاندانہ پراپیگنڈہ کیا جاسکے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا، لیکن مولانا مودودیؒ ان سب شیطانی چالوں سے بے نیاز اور ایں واں سے بے پرواہ ہوکر مستانہ ومردانہ وار، خدمتِ اسلام کے مثبت اور تعمیری کام میں منہمک رہے اور 'ترجمان القرآن' کو کبھی بھی 'طلوعِ اسلام' کا حریف نہ بننے دیا۔ لیکن طلوعِ اسلام اپنی اس یک طرفہ حریفانہ کشمکش کو مستقل جنگ میں تبدیل کر ڈالنے کے

❶ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۵۱ء، صفحہ ۶۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے ہر ماہ مسلسل ایندھن ڈالتا چلا گیا تا کہ مخالفت و عداوت کے اس الاؤ کو نہ صرف یہ کہ بجھنے نہ دیا جائے، بلکہ اسے مسلسل بھڑکائے رکھا جائے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ کے خلاف ایک ہی طرح کی باتوں کو مسلسل بدلتے ہوئے انداز و اسالیب کے ساتھ بہ تکرار و اعادہ بسیار دہرایا جاتا رہا تاکہ نفرت کے اس زہر کے پھیلاؤ میں جس قدر ممکن ہو سکے، اضافہ ہوتا رہے۔

مُلّا ازم اور حکومتی گٹھ جوڑ

علماءِ کرام، مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سب کو مُلّا قرار دے ڈالنے کے بعد اُن کی توہین و تذلیل اور استہزاء و تضحیک کے لئے 'ملّائیت'، 'مذہبی پیشوائیت'، 'تھیا کریسی' اور 'پریسٹ ہڈ' کی اصطلاحات کو ذریعہ بنایا گیا اور پھر یہ 'افسانہ' تراشا گیا کہ ملاازم اور حکومت کا ہمیشہ اور ہر جگہ گٹھ جوڑ رہا ہے۔ پھر اسے بار بار بکثرت دہرایا جاتا رہا۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

۱ ...... ''مذہب میں حکومت اور مذہبی پیشوائیت میں ایک سمجھوتہ ہوتا ہے جس کی رو سے مذہبی اُمور، مثل اعتقادات، عبادات، پرسنل لاز وغیرہ، مذہبی پیشوائیت کے دائرہ اقتدار میں رہتے ہیں اور دنیاوی اُمور حکومت کے اختیار میں۔ مسلمانوں میں صدرِ اوّل کے بعد یہ ثنویت پیدا ہوئی اور مسلسل آگے بڑھتی گئی۔'' ❶

۲ ...... ''اس قسم کی (یعنی فرعونی) آمریت، مذہبی پیشواؤں کی تائید کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی تھی، اس مقصد کے لئے تخت و تاج اور محراب و منبر کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا، جس کی رُو سے اُمورِ مملکت سلطان کی تحویل میں دے دیئے گئے اور معاملاتِ شریعت اربابِ مذہب کے قبضے میں۔'' ❷

۳ ...... ''مفاد پرست گروہ نے اقتدار کی کرسیوں اور رزق کے سرچشموں پر قبضہ کرلیا، مذہبی پیشوائیت نے اس خلافِ اسلام نظام کو عین اسلام ثابت کرنے

---

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۵۔

❷ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۷۳ء، صفحہ ۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں 'شرعی سندات' مہیا کر دیں۔'' ❶

۴ ...... ''جب خلفاے راشدین کے جانشینوں نے سیاسی معاملات تو اپنی ملوکیت کی گرفت میں لے لئے اور مذہبی اُمور کو پیشوائیت کے سپرد کر دیا۔ بظاہر یہ دو الگ الگ کیمپ دکھائی دیتے تھے، لیکن ان کے مابین ایک ملی بھگت اور 'شریفانہ معاہدہ' کم وبیش ہر دور میں قائم رہا۔ مسلمان حکمران ان مذہبی پیشواؤں کے لئے مالی وظائف کا انتظام کرتے اور اس کے بدلے میں مذہبی پیشوائیت ان حکمرانوں کو 'امام المسلمین' اور 'ظل اللہ' کے مقدس خطابات سے یاد کرتی۔'' ❷

بنواُمیہ کے دور کی تاریخ میں سے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے 'مفکر قرآن' صاحب، علماءِ کرام کو یوں نشانہ بناتے ہیں:

''جب قانونِ مکافات کا احساس جاتا رہا تو پھر بادشاہ ہر قسم کی من مانی کرتا۔ سلب ونہب، لوٹ کھسوٹ، ظلم واستبداد، اُمت کے حقوق کی پامالی اس کا معمول بن جاتا۔ وہ اپنی مطلق العنانی کے زور پر یہ کچھ کرتا تو رہتا لیکن اسے یہ خیال ضرور ستاتا کہ اگر ان مظالم سے تنگ آ کر کسی دن قوم اس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی تو اس سیلاب کا روکنا ناممکن ہوگا۔ وہ اس فکر میں غلطاں وپیچاں رہتا۔ جب اس خطرہ کا احساس زیادہ نزاکت اختیار کر گیا تو (جیسا کہ ہوتا چلا آیا ہے) مذہبی پیشوائیت آگے بڑھی۔ اس نے سلاطین سے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ قوم مذہب پرست واقع ہوئی ہے، اسے مذہب کے حربوں سے ایسا مفلوج کیا جا سکتا ہے کہ یہ اُٹھنا تو درکنار، ہلنے تک کے قابل نہ رہے۔ اس کے لئے اُنہوں نے اس عقیدہ کو عام کیا کہ تمام کائنات خدائے مطلق کے حیطۂ اقتدار میں ہے۔ یہاں ایک پتہ بھی، اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ جو کچھ ہوتا ہے سب اس کے حکم اور اجازت سے ہوتا ہے۔ انسانوں کا غلط قدم اٹھانا تو درکنار وہ آنکھ تک

❶ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۶۷ء، صفحہ ۵۔ ❷ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۶ء، صفحہ ۴۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں جھپک سکتا۔ انسان مجبورِ محض ہے۔ وہی ہوتا ہے جومنظورِ خدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے سلاطین کی مطلق العنانیت (ڈکٹیٹر شپ) کے مسلک کی تائید اس آیتِ قرآنی کی غلط تاویل سے کی کہ ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ....﴾ (۲۵/۳) ''حکومت خدا کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، حکومت عطا کر دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔'' اس ایک عقیدہ سے، حکومت سے قوم کا عمل دخل ختم ہوگیا۔ کسی نے خلیفہ سے کچھ کہنے کی جرأت کی تو اس کا جواب موجود تھا کہ مجھے حکومت خدا نے دی ہے، تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟ تم خدا کے فیصلے کے خلاف سرکشی کرنا چاہتے ہو۔'' ❶

جملہ معترضہ

قبل اس کے کہ 'ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے باہمی گٹھ جوڑ' کے متعلق مزید اقتباساتِ پرویز کو پیش کیا جائے، یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ جس 'مذہبی پیشوائیت' نے عقیدۂ جبر کی آڑ میں بنواُمیہ کی پشت پناہی کی تھی، وہ اُن معتزلہ کے اسلاف اور ان خوارج کے اخلاف تھے جو قرآن کے سوا کسی چیز کو حجت نہیں مانتے تھے۔ بالفاظِ دیگر وہ موجودہ دور کے منکرین حدیث ہی کے فکری آباء و اجداد تھے۔ آج منکرین حدیث، لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اپنے ہی فکری باپ دادوں کی کرتوتوں کو علماءِ امت کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور پھر اُنہیں بدنام کرتے ہیں۔

اب رہے علماءِ امت، تو اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ اقتدارِ باطل کی حمایت نہیں کی بلکہ طواغیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہتے رہے۔ چنانچہ بنواُمیہ کی حکومت نے جب مسئلہ جبر کو اپنی ڈھال بنایا تو ابوموسیٰ اشعری نے سب سے پہلے اس کی تردید کی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولانا افتخار احمد بلخی کا مندرجہ ذیل اقتباس نذرِ قارئین کر دیا جائے:

---

❶ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”اپنے ظلم و جور، اپنی سخت گیری اور اپنے تشدد کو دینی جواز دینے کے لئے بنواُمیہ نے مسئلہ جبر کا اختراع کیا۔ یہ اختراع گویا ان کا 'اِیڈمنٹی ایکٹ' تھا۔ ان کے آمرانہ قہر و مظالم کے لئے ایک براءت تھی یعنی یہ کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ جو کچھ کرتا ہے، خدا کرتا ہے، انسان تو محض ایک کٹھ پتلی ہے جس کا تار خدائی ہاتھ میں ہے، جس کے ہلانے سے وہ حرکت کرتا ہے۔ پس انسان اپنے اعمال کا جواب دہ و ذمہ دار نہیں۔ اس کی ذمہ داری، خدا پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ سفاکیاں جو کی جارہی ہیں خدا کی مشیت ہی ایسی ہے کہ وہ کی جائیں۔ پس صاحبانِ قوت، اپنی ان ستم شعاریوں اور ان ایذاؤں سے بریٔ الذمہ ہیں جو وہ کیا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک گمراہ کن اختراع تھی، اور جب ایسا تھا تو اہل حق کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس فاسد خیال کا فوری ابطال کریں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس کی تغلیط کی۔“ ❶

اور یہ بھی جان رکھئے کہ یہ اختراع کسی ملا کی نہیں تھی بلکہ اس وقت کے 'مرکزِ ملت' کی تھی اور 'مرکزیتِ اُمتِ مسلمہ' اس وقت تک قائم تھی۔ خلافت کی مرکزیت، تیسری صدی کے آخر میں جا کر ٹوٹی ہے۔ خود طلوع اسلام یہ لکھتا ہے:

”بنی عباس کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ (عجمی وزرا و اُمرا) خلافت کو ہمارے ہاتھوں سے نکال کر، دوسروں کو نہ دے دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایرانیوں کی طاقت کے بالمقابل ترکوں کی بھی ایک فوج مرتب کی تاکہ توازن قائم رکھیں مگر اس ترکی فوج نے خود خلفاء پر تغلب حاصل کرلیا۔ جس کو چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے، جس کو چاہتے تھے معزول کردیتے تھے۔ خلفاء کی اس بے بسی کے زمانہ میں نئی نئی اسلامی سلطنتیں ظہور پذیر ہونے لگیں جن کے غلبہ سے وہ بالکل بے دست و پا ہونے لگے۔ دیالمہ اور سلاجقہ کے عہد میں جو صدیوں رہا، ان خلفاء کا صرف مذہبی اثر رہ

❶ فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، جلد ۱، صفحہ ۲۰ تا ۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا تھا اور حکومت سلاطین کے ہاتھوں میں تھی یہاں تک کہ ۲۹۵ ہجری میں افریقہ میں فاطمیہ نے اور اس کے بعد اندلس میں عبدالرحمٰن ناصر نے اپنی اپنی خلافتوں کا اعلان کردیا جس سے دنیائے اسلام میں بیک وقت تین خلافتیں قائم ہوگئیں جو ایک دوسرے کی حریف تھیں اور وہ مرکزیت جس کو رسول اللہ ﷺ نے نوع انسانی کی صلاح وفلاح کے لئے نصب فرمایا تھا، ان قریشی خانوادوں کی باہمی رقابت اور دنیاوی منافست سے بازیچہ طفلاں بن گئی۔'' ❶

آمدم برسر مطلب

بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ (۱) عقیدۂ جبر کو اپنے مظالم کی پردہ پوشی کا ذریعہ بنانا کسی 'مُلّا' کا کام نہیں تھا بلکہ حکمرانوں کا کام تھا۔ (۲) اس عقیدہ کی پشت پناہی کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے قارورے کے ساتھ موجودہ دور کے منکرین حدیث کا قارورہ ملتا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ بات ہورہی تھی 'مفکر قرآن' کے اس خودساختہ افسانے کی، جسے وہ 'اربابِ اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کی باہمی گٹھ جوڑ' کا عنوان دیا کرتے تھے۔ ادیانِ باطلہ سے تھیاکریسی کا تصور لے کر، اسے مسلمان علماء پر چسپاں کرتے ہوئے، وہ یوں 'مطابق قرآن' تاریخ مرتب کیا کرتے تھے:

'' حکومت کی بنیاد تو اس مقصد (یعنی تحفظِ حقوقِ انسانی) کے تحت رکھی گئی تھی، لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ تلخ حقیقت سامنے آگئی کہ حکمران طبقہ کے ہاتھوں لوگوں کا کوئی حق بھی محفوظ نہیں رہا۔ اس طبقہ نے تقسیم یوں کی کہ حقوق سب کے سب اربابِ حکومت کے ہیں اور ذمہ داریاں تمام کی تمام رعایا کی۔ لوگ اس تقسیم کو گوارا نہ کرتے، لیکن مذہبی پیشوائیت آگے بڑھی اور یہ کہہ کر عوام کو اس تقسیم کے سامنے جھکا دیا کہ راجہ ایشور کا اوتار ہوتا ہے۔ بادشاہ، خدائی حقوق

❶ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۴۹ء، صفحہ ۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Divine Rights) کا حامل ہوتا ہے۔اس لئے فرمانروائی اس کا حق اور اطاعت گزاری تمہارا فریضہ ہے۔ وہ جو کچھ تمہیں دے، اس کی عنایت اور احسان ہے۔ تم اس سے بطورِ حق کچھ مانگ نہیں سکتے۔ تم اس کے حضور جھکو، اسے سجدے کرو، اس کی خیریت کی دعائیں مانگو، اس کے ہر حکم کی اطاعت کرو اور اس اطاعت کو اپنے لئے سرمایۂ ہزار سعادت سمجھو۔ تم اور جو کچھ تمہارا ہے، وہ اس سب کا مالک ہے۔ اسے ان تمام چیزوں کا کلی اختیار حاصل ہے۔ وہ تمہارا اَن داتا (رازق) اور پالنہار (پروردگار) ہے۔'' ❶

''حقیقت یہ ہے کہ باطل کا نظام تنہا مفاد پرستوں کی قوت سے قائم نہیں رہ سکتا، جب تک اسے مذہبی پیشوائیت کا 'روحانی سہارا' میسر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کا ہمیشہ سے گٹھ جوڑ چلا آ رہا ہے۔ راجہ، برہمن کی رکھشا (حفاظت) کا پرن لیتا (عہد کرتا) ہے، اور برہمن، راجہ کو ایشور کا اوتار بنا کر عوام سے اس کی پرستش کراتا ہے۔ بادشاہ محافظِ مذہب (Defender of the Faith) بنتا ہے اور پادری اسے اختیاراتِ خداوندی (Divine Rights) کی سند عطا کرتا ہے اور سلطان، علماء کے وظائف مقرر کرتا ہے اور علماء اسے ظــــل اللہ علی الأرض (زمین پر خدا کا سایہ) قرار دے کر خطبوں میں اس کا نام سلام وصلوٰۃ کے ساتھ لیتے ہیں۔'' ❷

'مفکرِ قرآن' نے 'اربابِ اقتدار اور مذہبی پیشوائیت کے باہمی گٹھ جوڑ' کے اس افسانے کو اس کثرت سے دہرایا ہے کہ اسے شمار کرنا مشکل ہے، کیا آپ کو علم ہے کہ اسے بہ تکرار بسیار کیوں جگہ جگہ بار بار دہرایا ہے؟ اگر نہیں پتا تو سن لیجیے؛ یہ صرف اسی لئے کہ

نازیوں کے گوئبلز کا مقولہ تھا کہ...... ''جھوٹ کو اگر سو دفعہ دہرایا جائے تو وہ سچ بن جاتا ہے۔'' ...... دنیا اس کے اس مقولے پر ہنستی رہی، لیکن دور رس نگاہوں نے

❶ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۸۔ ❷ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے قیمتی متاع سمجھ کر احتیاط سے رکھ لیا تا کہ بوقتِ ضرورت اس سے کام لیا جا سکے۔" ❶

اب ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کے 'مفکرِ قرآن' سے بڑھ کر دوررس نگاہ کس کی ہو سکتی تھی، چنانچہ اس 'قرآنی گوئبلز' نے نازیوں کے گوئبلز کے اس مقولے کو 'قیمتی متاع' سمجھ کر احتیاط سے رکھ لیا اور نہ صرف اس (زیرِ بحث) افسانے کے سلسلہ میں بلکہ بعض دیگر افسانوں کی تسویل واختراع میں بھی اس سے بھرپور کام لیا ہے۔

نہ دلیل، نہ ثبوت

ہندومت، عیسائیت اور یہودیت سے 'مذہبی پیشوائیت' کا تصور لے کر اسے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں ایک 'واقعی حقیقت' کے طور پر لا گھسیڑنا ہمارے اس 'قرآنی گوئبلز' کے متعدد اباطیل میں سے ایک 'اچھوتا' اکذوبہ ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ میں سے کسی ایک حکمران کا بھی حوالہ نہیں دیا جس نے اور کسی 'مُلّا' کے درمیان ایسا کوئی 'شریفانہ معاہدہ' ہوا ہو۔ کس عہد میں، کس سلطان کے ساتھ، کس عالم کا ایسا سمجھوتہ ہوا؟ کس کی ملوکیت کے ساتھ، کس 'مذہبی پیشوا' کا گٹھ جوڑ ہوا؟ کس عہد میں کس بادشاہ کے ساتھ، کس مسلمان 'برہمن' کا ساجھا رہا؟ کوئی متعین اور ٹھوس حوالہ؟ کوئی مضبوط دلیل؟ کوئی قوی برہان؟ کوئی پُرزور حجت؟ حرام ہے جو 'قرآنی گوئبلز' نے کسی مقام پر کوئی ثبوت پیش کیا ہو۔ خارج از اسلام کتبِ تاریخ اور غیر از اسلام مذاہب میں سے (Priesthood) کا تصور اَخذ کر کے اسے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں تسویلِ نفس اور لفاظی کے بل بوتے پر داخل کرنا شاید اس 'قرآنی گوئبلز' کے جملہ اکاذیب میں سے سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

البتہ صرف اتنی بات قابلِ تسلیم ہے کہ صدیوں پر محیط مسلم معاشرے میں ہر دور میں، ہر جگہ اور ہر طبقے میں اچھے اور بُرے لوگ موجود رہے ہیں اور اُنہوں نے سرکار دربار سے تعلق پیدا کر کے کچھ مالی مفاد بھی حاصل کیا ہو، لیکن یہ بات صرف 'مُلّا' ہی کے طبقے کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ ہر طبقے کے لئے عام ہے۔ پوری تاریخ میں سے کسی ایک بھی ایسے پیشوا......

---

❶ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۶۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کسی ایرے غیرے کا نہیں، بلکہ کسی 'پیشوا' کا نام، کیونکہ بات مذہبی پیشوائیت کی ہو رہی ہے، اُمتِ مسلمہ کے عام افراد کی نہیں) ...... کا نام پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، جسے افرادِ اُمت پر قائدانہ اثر و رسوخ، پیشوایانہ وجاہت اور راہنمایانہ مرتبہ و مقام حاصل ہو اور پھر اس نے حکومتِ وقت کی کاسہ لیسی بھی کی ہو۔ محض لفاظی اور زورِ قلم کے بل بوتے پر اگر ایک جھوٹ کو بار بار دہرایا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ لوگوں پر یہ اثر کر جائے، لیکن اس سے حقیقت نفس الامری میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ جو جھوٹ ہے، وہ بہر حال جھوٹ ہی رہے گا خواہ کوئی نازی گوئبلز اسے سو بار دہرائے یا 'قرآنی گوئبلز'!

علماءِ اُمت کا شاندار کردار

آیئے! اب ہم اس 'قرآنی گوئبلز' کے افسانۂ مذکورہ کا خود اُسی کے لٹریچر سے کذبِ خالص ہونا واضح کر دیں تا کہ یہ بات آفتابِ نصف النہار کی طرح اُجاگر ہو جائے کہ 'مذہبی پیشوائیت' کے نام سے جس گھناؤنے کردار سے علماءِ اُمت کو متہم کیا گیا ہے، وہ صرف 'مفکر قرآن' کے 'ذہن رسا' ہی کا کرشمہ ہے۔ جو صرف ان ہی کے حلقہ دامِ خیال میں پایا جاتا ہے، ورنہ واقعات کی دنیا میں اس کا وجود، معدومِ محض ہے، بلکہ اس کے برعکس ہماری تاریخ کے پیشوایانِ دین کا کردار قابل صد فخر و مباہات رہا ہے۔ وہ اربابِ اقتدار کی دہلیز پر سجدہ ریز ہونے کی بجائے ان کے زیرِ عتاب رہ کر خدمتِ اسلام کرتے رہے ہیں۔ اگر ہم اس کا ثبوت کتب تاریخ سے پیش کریں تو ہمیں یقین ہے کہ 'مفکرِ قرآن' کے اندھے مقلدین یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیں گے کہ

> ''دین میں سند، نہ تاریخ کے مشمولات ہیں اور نہ مسلمانوں کے متواتر و متوارث عقائد و مسالک ...... سند ہے خدا کی کتاب۔'' [1]

اور خدا کی کتاب سے مراد، منکرین حدیث کے نزدیک وہ تعبیرات و تشریحات ہیں جنہیں پرویز صاحب نے اپنے لٹریچر میں قرآن کے گلے منڈھ رکھا ہے۔ اس لئے ہم مجبور

---

[1] نظامِ ربوبیت، صفحہ ۱۹۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ پرویز صاحب ہی کے لٹریچر سے علماءِ اُمت کا قابل صد فخر کردار واضح کر دیا جائے، چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

پہلا واقعہ

ملک صالح نجم الدین ایوب سلطانِ مصر (متوفی ۶۴۷ ہجری) نے چرکسی غلام کثرت سے خریدے تھے، تا کہ ان کا ایک لشکر تیار کر کے صلیبیوں کے مقابلہ میں کام لے۔ جزیرۂ روضہ کے قریب رہنے کے لئے ان کو زمین عطا کی تھی۔ اُنہوں نے عظیم الشان محلات اور قلعے تعمیر کئے تھے۔ یہ لوگ چونکہ سخت جانباز اور بہادر تھے اور ان سے بڑے بڑے کارنامے ظہور میں آئے، اس لئے سلطانِ مصر نے اپنے وزرا، اُمرا اور درباری اُنہیں میں سے منتخب کئے۔ اسی زمانہ میں علامہ عزالدین بن عبدالسلام ملک شام سے مصر آئے۔ ملک صالح نے ان کی تکریم کی اور ان کو قضا کا عہدہ دیا۔ ملک صالح کے بعد، ایک مقدمہ کے دوران میں قاضی موصوف کے نزدیک یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ یہ ممالیک، سلطان کے زرخرید ہیں اور آزاد نہیں کئے گئے ہیں، اس لئے اعلان کرایا کہ اُن کے جملہ تصرفاتِ خودمختارانہ از قسم بیع و شراء، نکاح و طلاق وغیرہ بوجہ عدمِ حریت ناجائز ہیں اور حکم بھیجا کہ وہ سب کے سب حاضر آئیں، میں ان کو فروخت کروں گا، کیونکہ وہ اسلامی بیت المال کی ملکیت ہیں۔

ممالیک نے یہ سنا تو قیامت برپا ہوگئی۔ اس لئے کہ امارت، سپہ سالاری وغیرہ سلطنت کے تمام بڑے بڑے مناصب پر وہی لوگ تھے۔ قاضی صاحب کو ان کے احباب سمجھانے اور اسکے انجام سے ڈرانے لگے، مگر انہوں نے مطلق توجہ نہ کی اور شرعی حکم کی تنفیذ پر اڑے رہے۔

نائب السلطنت نے غضبناک ہو کر کہا کہ ہم روئے زمین کے ملوک ہیں۔ قاضی کی کیا مجال کہ وہ ہمارے سامنے دم مار سکے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے ہاتھ سے اس کی گردن مار دوں گا، یہ کہہ کر اپنے اعوان و انصار کی ایک جماعت کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ لئے ہوئے چلا۔ سب کے سب غصے میں بھرے ہوئے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ جب ان کے گھر کے پاس پہنچے تو شور سن کر ان کا لڑکا باہر نکل آیا۔ کیفیت دیکھ کر سہا ہوا اندر بھاگا اور باپ کو مطلع کیا۔ نہایت بے پرواہی سے بولے: ''تیرے باپ کا یہ رتبہ کہاں کہ راہِ حق میں اس کا خون بہایا جائے۔'' اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

نائب السلطنت کی نگاہ جب ان کے اوپر پڑی تو جلالِ حق سے کانپنے لگا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی اور رو کر بولا کہ یا مولانا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: تم لوگوں کو فروخت کروں گا۔ بولا کہ قیمت کون لے گا؟ جواب دیا کہ میں اور اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کروں گا۔ چنانچہ یہی کیا اور سر بازاران کو فروخت کرا دیا۔

قاضی عزالدین، اربابِ حال میں سے تھے اور ان کا لقب سلطان العلماء تھا۔ ❶

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ بھی قاضی عزالدین ہی کا ہے۔ 'قرآنی گوبلز' کی اُمت کو چاہئے کہ اس واقعہ کو نہایت غور سے پڑھ کر ہمیں بتائیں کہ ہمارے اسلاف، سلاطین پر درود وسلام بھیجتے تھے یا ان کی مخالفت کیا کرتے تھے؟ وہ خود ان اربابِ اقتدار کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے یا اُنہیں حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا کرتے تھے، وہ دنیا پرست تھے یا طلب گار آخرت؟

''قاضی عزالدین پہلے دمشق میں قضا کے عہدہ پر تھے۔ وہاں کے امیر اسماعیل نے جب صلیبیوں کو صیدا اور قلعہ شقیق دینے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملایا، اُس وقت انہوں نے اعلان کیا کہ خطبوں میں سے اسماعیل کا نام نکال دیا جائے۔ وہ یہ سن کر غضبناک ہوا۔ اسلئے یہ دمشق چھوڑ کر مصر کی طرف چلے۔ چونکہ نہایت محترم تھے، اس وجہ سے اُمرا اور اعیانِ شہر نے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہم اسماعیل کو راضی کر لیں گے، آپ ہمارے ساتھ چل کر صرف اس کی دست بوسی کر لیجئے۔ فرمایا کہ میں

---

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۵۶، ۶۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس پر بھی راضی نہیں کہ تمہارا امیر میری دست بوسی کرے چہ جائیکہ میں خود اس کا ہاتھ چوموں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو پناہ میں دے رکھا ہے، اس آفت سے جس میں تم لوگ مبتلا ہو، جاؤ تم دوسرے عالم میں ہو اور میں دوسرے عالم میں۔'' ❶

تیسرا واقعہ

تیسرا واقعہ بھی، پھر اسی قاضی عزالدین کا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اسلاف نہ جاہ پسند تھے اور نہ طالبِ مال، وہ حق پرست و خود دار تھے اور اپنی حق پرستی و خود داری کے سامنے اُمراء و اعیانِ حکومت کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے:

''جب یہ مصر میں قاضی ہوئے تو اس زمانہ میں سلطانی حاجب امیر فخر الدین نے، جس کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ تھی، ایک مسجد کے دروازہ پر بالا خانہ بنایا تھا جس پر نوبت بجائی جاتی تھی۔ قاضی موصوف نے جب اس کو دیکھا تو فوراً توڑنے کا حکم دیا اور امیر فخر الدین کے ناقابل شہادت ہونے کا اعلان کر دیا اور یہ خیال کر کے کہ اس کی مخالفت میں، میں اپنے منصبی فرائض ادا نہ کر سکوں گا، استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور عدالت سے چلے آئے۔ ملک صالح کو جب علم ہوا تو اس نے خود جا کر اس بالا خانہ کو گرا دیا اور ان کو راضی کر کے دوبارہ مسندِ عدالت پر لایا۔

فخر الدین اور اس کے رفقا سمجھتے تھے کہ قاضی کے اعلان کا ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دوران ملک صالح سلطان مصر نے خلیفہ بغداد مستعصم کے پاس کسی امر خاص کے متعلق سفارت بھیجی۔ سفیر نے وہاں پہنچ کر جب خلیفہ کو پیغام سنایا تو خلیفہ نے دریافت کیا کہ اس کو تم سے سلطان نے خود کہا تھا یا کسی اور نے؟ سفیر نے جواب دیا کہ امیر فخر الدین نے۔ خلیفہ نے کہا کہ عزالدین نے اس کو ساقط الشہادۃ قرار دیا ہے، اس لئے اس کی روایت کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ مجبوراً سفیر نے واپس آ کر سلطان کی زبان سے پیغام لیا اور بغداد جا کر خلیفہ سے جواب لایا۔'' ❷

---

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۲۶۔

❷ طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا واقعہ

چوتھا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تزکیۂ شہود کے معاملہ میں مسلم عدالتوں کا معیار کس قدر بلند تھا اور حضرات قضاۃ کرام، اس بلند معیار کو برقرار رکھنے کے لئے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

> ''اس طرح کا واقعہ قاضی شرف الدین بن عین الدولہ کا ہے جو مصر میں قاضی تھے۔ ان کی عدالت میں ملک کامل سلطانِ مصر کسی مقدمہ میں شہادت میں طلب ہوا، وہ چونکہ روزانہ ایک مغنیہ کا گانا سنا کرتا تھا، اس وجہ سے قاضی موصوف نے اس کی شہادت لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے قاضی کی شان میں سخت کلمہ استعمال کیا۔ قاضی نے کہا کہ یہ عدالت کی توہین ہے اور اسی وقت اپنی برطرفی کا اعلان کر کے مسند سے اُٹھ کر چلے آئے، سلطان نے مجبوراً جا کر معافی چاہی اور ان کو راضی کیا کیونکہ اس کو اپنی بدنامی اور نامقبولیت کا خطرہ ہوا۔'' ❶

جملہ معترضہ: ......قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں مزید واقعات پیش کئے جائیں، بطورِ جملہ معترضہ ہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد اگرچہ اسلامی معاشرہ مسلسل انحطاط وزوال کا شکار ہو رہا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی بعض پہلو انتہائی تابناک رہے ہیں۔ اسی عدالتی شعبہ کو لیجئے اور قضاۃ کرام کی حق گوئی اور ان کی بے لاگ خوئے عدل کو ملاحظہ فرمایئے اور تزکیۂ شہود کے معیار کی بلندی پر نظر ڈالئے، تو علماءِ امت کا کردار قابلِ صد تبریک وتحسین اور لائقِ صد فخر و ابتہاج دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف ہمارے 'ترقی پسند'، 'روشن خیال' اور 'قرآنی معارف' بیان کرنے والے 'مفکر قرآن' کے کردار کو دیکھئے، جو قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ کسی صحیح اسلامی عدالت میں وہ مقبول الشہادۃ قرار پائیں، جیسا کہ ان کے حلقہ کی ایک خاتون مقالہ نگار ان کے متعلق یہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ ایک فلمی مغنیہ روشن آرا بیگم کے گانے سننے کے لئے خصوصی کاوش اور خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Pervez sahib made special efforts to listen to Roshan Ara Begum, of whom he had very high opion.❶

یہاں یہ امر بھی ملاحظہ فرما لیجیے کہ گانے کے متعلق اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا کیا رویہ تھا (اور ہے) اور یہ رویہ بھی، کسی اور کتاب سے پیش کرنے کی بجائے، طلوعِ اسلام ہی کے اوراق سے پیش کیا جا رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ:

''جن محفلوں میں باجہ اور راگ ہوتا تھا، ان میں کبھی نہیں جاتے تھے۔''❷

سیرت النبی ﷺ کا یہ واقعہ طلوعِ اسلام، قیامِ پاکستان سے پہلے پیش کیا کرتا تھا، لیکن پھر جب پاکستان بنا اور اس کے اُفق پر 'طلوعِ اسلام' ہوا، تو پھر موسیقی، راگ، تال اور سُر سب حلال اور جائز قرار پا گئے اور قرآنی لفظ یُحْبَرُونَ کا پہاڑ کھود کر 'مفکرِ قرآن' نے حلت کا یہ چوہا نکال ڈالا اور یوں ہمارے 'قرآنی گوئبلز' ارتکابِ حرام سے بچ گئے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی

سنا ہے حلتِ بادہ کا ہو گیا فتویٰ
خدا نے فضل کیا، بچ گئے حرام سے ہم

اب حلتِ گیت سنگیت اور حلتِ موسیقی کے اس 'قرآنی فتوے' کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ایسی محفلوں سے احتراز و اجتناب بھی 'خلافِ قرآن' قرار پا گیا اور 'مفکر قرآن' کا فلمی مغنیہ روشن آرا بیگم کے گانے سننا 'مطابق قرآن' ہو گیا۔

پانچواں واقعہ

پانچواں واقعہ امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے، اُنہیں مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں انتہائی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اُنہوں نے اربابِ اقتدار کے ہاتھوں مصائب میں مبتلا ہونا قبول کر لیا لیکن ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ معلوم نہیں 'مفکر قرآن' صاحب کی وہ مذہبی پیشوائیت کہاں تھی جو اربابِ اقتدار کی ہاں میں ہاں ملایا کرتی تھی:

''امام صاحب کو جس طرح قید و بند کے عذاب میں مبتلا رکھا گیا، اس کے تصور

---

❶ ایضاً، اپریل، مئی ۱۹۸۹ء صفحہ ۱۱۶۔ ❷ ایضاً، مئی ۱۹۴۱ء، صفحہ ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روح کانپ اُٹھتی ہے۔ اُنہیں دربار میں بلوا کر کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا اور جب وہ بے ہوش ہو جاتے تو پھر قید خانے میں بھجوا دیا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک دن، دو دن نہیں، بلکہ پورے اڑھائی سال تک جاری رہا۔ معتصم (مامون الرشید کا جانشین) ان سب لوگوں کو قتل کر دیا کرتا تھا جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے، لیکن امام صاحب کے قتل کی جرأت اس نے نہیں کی، کیونکہ ان کے ساتھ عوام کی عقیدت بہت گہری تھی۔" ❶

چھٹا واقعہ

امر واقعہ یہ ہے کہ جن علماء کو 'مذہبی پیشوائیت' کے لیبل کے تحت، مطعون کرنے کی عادت 'مفکر قرآن' صاحب اپنائے ہوئے تھے، وہ اس قدر متقی اور پارسا و پرہیز گار تھے کہ سرکاری عہدوں کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے، کجا یہ کہ وہ ان سے مراعات حاصل کرتے ہوں۔ لیکن اگر کوئی عالم ایسا کوئی عہدہ قبول کرتا تو اپنی پاکدامنی، خودداری، حق پرستی اور بے لاگ عدل کرنے کے باوجود بھی اپنی عزت کو قدرے کم تر پاتا تھا۔ امام ابو یوسف (جو امام ابوحنیفہ کے شاگردِ رشید تھے) کے متعلق ان کے معاصر اہل علم میں کچھ ایسا ہی احساس پایا جاتا تھا، خود طلوع اسلام ایک مقام پر یہ لکھتا ہے:

"اس زمانہ میں بعض علماء کا یہ نظریہ بھی رہا ہے کہ سلطانی عہدوں کو قبول کرنا، اپنے دین کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ بہت سے محدثین، ان لوگوں کی حدیثیں ہی روایت نہیں کرتے جو شاہی درباروں میں مقرب تھے۔ اکثر علماء نے امام ابو یوسف پر محض اس لئے طعن کیا ہے کہ اُنہوں نے قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کی حکایات بہت کثرت سے ملتی ہیں۔ محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ اہل حدیث کی ایک جماعت، امام ابو یوسف کی احادیث سے صرف اس لئے پرہیز کرتی ہے کہ ان پر رائے کا غلبہ تھا اور وہ فروع و احکام کی تفریع کے عادی تھے اور

---

❶ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ہی بادشاہوں کی صحبت میں رہتے تھے اور قضا کے عہدے پر فائز تھے۔ شاید مجموعی طور پر یہ دونوں باتیں ہی عہد اُموی میں امام ابوحنیفہ کے انکارِ قضا کا باعث ہوں۔ ان کے خیال میں یہ حکومت ظالم، سخت اور مضطرب الحال تھی...... اس کے علاوہ قضا کے عہدے میں، اس کا ہر وقت اندیشہ تھا کہ اگر خدا کو راضی رکھیں تو بادشاہ کے غضب کا نشانہ بنتے ہیں اور اگر بادشاہ کو راضی رکھیں تو خدا ناراض ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں امام صاحب کا یہ قول موجود ہے کہ آپ نے منصور سے فرمایا تھا کہ اگر تم مجھے یہ دھمکی دو کہ یا تو میں حکومت کو قبول کر لوں ورنہ تم مجھے دریائے فرات میں غرق کر دو گے، تو میں غرق ہو جانے کو ترجیح دوں گا۔ تمہارے اور بہت سے حاشیہ بردار موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ تم انہیں یہ اعزاز عطا کرو، مگر میں اس لائق نہیں ہوں۔'' [1]

ساتواں واقعہ

ساتواں واقعہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ہے، جو بر بنائے حدیثِ نبویؐ جبری طلاق کے مخالف تھے۔ چونکہ جبری طلاق کے ناجائز ہونے کا اثر جبری بیعت پر بھی پڑتا تھا جو اس دور کے حکمران لیا کرتے تھے، اس لئے امام مالکؒ، اپنے اس فتوے کی بدولت سزائے تازیانہ کے مستحق قرار پائے۔

''امام مالکؒ، ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو وہ واقع نہ ہوگی اور فتنہ اُٹھانے والوں نے اس حدیث سے ابوجعفر منصور کی بیعت کے باطل ہونے پر، دلیل حاصل کی۔ یہ بات محمد بن عبداللہ بن حسن النفس الزکیہ کے خروج کے وقت مدینہ میں پھیل گئی، اور منصور نے امام صاحب کو منع کیا کہ وہ جبری طلاق والی حدیث بیان نہ کریں۔ پھر ایک جاسوس کو بھیجا جو آپ سے سوال کرے۔ آپ نے اس سے یہ حدیث تمام لوگوں کے سامنے بیان کی،

[1] طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۵۴ء، صفحہ ۲۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا حاکم مدینہ نے کوڑوں کی سزا دی۔ دوسرے ائمہ نے بھی ملوکیت کی ان اَغراض کی مختلف صورتوں میں مخالفت کی۔'' ❶

آٹھواں واقعہ

آٹھواں واقعہ اس مردِ مجاہد کا ہے، جس نے ہارون الرشید کے بھرے دربار میں، اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسا کلمہ حق کہہ دیا جس کی توقع شخصی حکومت میں نہیں کی جاسکتی:

''اگرچہ جب خلافت، بادشاہی میں بدلی تو درباری زندگی اور عجمی اثرات نے خوشامد پرستی کا جذبہ پیدا کردیا تھا، لیکن پھر بھی ایمان کی یہ چنگاری، اس میں اکثر اوقات شعلہ فشاں نظر آتی ہے۔ ہارون الرشید کے دربار میں ایک شاعر قصیدۂ مدحیہ پڑھتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ ''اے خلیفہ! اگر عمرو علی کے زمانہ میں آپ ہوتے تو خلافت پر کوئی جھگڑا ہی نہ پڑتا۔ (یعنی بلا اختلاف لوگ آپ کو خلیفہ منتخب کرلیتے) وہیں اہل دربار میں سے ایک مردِ مؤمن اٹھتا ہے اور کہتا کہ ''کیوں غلط بات کہتے ہو، خلیفہ کے جدامجد حضرت عباسؓ، اس وقت موجود تھے، پھر جھگڑا کیوں نہ چک گیا؟'' کچھ اندازہ فرمایا آپ نے، اس جرأتِ ایمانی کا؟ شخصی حکومت، بھرا دربار، لیکن حق و باطل کے مقابلہ میں کسی ڈرانے والے کا ڈر اُسے باز نہ رکھ سکا اور اعلائے کلمۃ الحق میں وہ رُعب تھا کہ خلیفہ بھی سن کر مسکرا دیا اور اُسے یہ کہنا پڑا کہ ''ٹھیک کہتے ہو۔'' ❷

نواں واقعہ

مسئلہ خلقِ قرآن پر بعض خلفائے بنی عباس نے خون کی ندیاں بہا دیں اور امام احمد بن حنبل کو پورے اٹھائیس ماہ تک ایسے شدید کوڑوں سے پیٹا گیا کہ ان میں سے ایک کوڑا کسی ہاتھی پر بھی برسا دیا جاتا، تو وہ بھی اپنی چیخ و چنگھاڑ سے آسمان سر پر اُٹھالیتا۔ اسی مسئلہ پر اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے ہوئے ایک صاحبِ ایمان جس کے قلب میں سلطانِ جائر کے روبرو

❶ طلوعِ اسلام، اگست، ستمبر ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۰۵۔ ❷ طلوعِ اسلام: فروری ۱۹۴۱ء، صفحہ ۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلمہ حق کہنے کا جوش و جذبہ اسے بے چین کئے ہوئے تھا، وہ عالم دین (عبدالعزیز بن یحییٰ) مکہ سے سوئے بغداد روانہ ہوئے۔ بغداد پہنچے تو کسی سے جان نہ پہچان۔ دربارِ شاہی تک رسائی کیسے ہو؟ آخر ایک لطیف تدبیر سوجھی اور وہ نتیجتاً تختِ شاہی کے سامنے، مامون الرشید جیسے مجسمہ قہر وغضب کے روبرو خود کو کھڑا ہوا پاتے ہیں۔اس 'مُلّا' کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

> ''مامون الرشید کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن نے جو قیامت برپا کر رکھی تھی، کس سے پوشیدہ ہے؟ ایک صاحبِ ایمان (عبدالعزیز بن یحییٰ) اس جسارت و صداقت کو قلب میں لے کر مکہ سے روانہ ہوتے ہیں اور جامع بغداد میں جا کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے، ہرگز ہرگز مخلوق نہیں ہوسکتا، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس کہنے کا انجام کیا ہوگا۔'' ❶

طلوعِ اسلام نے پورا واقعہ بیان نہیں کیا کہ کس طرح دربارِ شاہی میں پہنچ کر عبدالعزیز بن یحییٰ نے مامون الرشید کے جملہ مناظرین کو تن تنہا لاجواب کیا اور مامون خود بھی اس کے دلائل سے متاثر ہوا۔

علماءِ کرام کا یہی کردار، چودہ سو سالہ تاریخ میں

مقالے کی تنگ دامنی اور خوفِ طوالت، مزید مثالیں پیش کرنے میں حائل ہیں اور یہ چند مثالیں بھی کتبِ تاریخ سے پیش کرنے کی بجائے 'مفکر قرآن' کے لٹریچر ہی سے پیش کی گئی ہیں، ورنہ تاریخ کی کتب اُٹھا کر دیکھئے تو ایسی لاتعداد اور لازوال داستانیں، موجبِ افزائش ایمان ہوں گی۔ سلطان جائر اور ملکِ عضوض کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے ہر دور میں ہر جگہ موجود رہے ہیں۔ اب طلوعِ اسلام ہی سے ایک ایسا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جو اختصار و ایجاز کے ساتھ یہ واضح کرتا ہے کہ ہماری چودہ صدیوں پر محیط تاریخ اس قسم کے قابل رشک واقعات سے بھری پڑی ہے:

❶ طلوعِ اسلام: فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مسلمانوں کی تاریخ میں افراط و تفریط کے خلاف خالص اور صحیح اسلام پیش کرنے کے لئے ہر دور میں قلندرانہ تحریکات چلتی رہی ہیں۔ محدثین اور متکلمین کی آویزش اور ازاں بعد متکلمین کی باہمی سر پھٹول، مامون الرشید عباسی کے دور میں فتنۂ خلق قرآن اور اس طوفان میں امام احمد بن حنبلؒ کا محیر العقول عزم و ثبات، اس کے بعد منطق و علم کلام کے غیر اسلامی اثرات کو کالعدم ٹھہرانے کے لئے علامہ ابن تیمیہ کی مبارک تحریک، نجد میں وہابی تحریک کا آغاز، افریقہ میں مہدی سوڈانی اور شیخ سنوسی کی سرگرمیاں، ہندوستان میں غیر اسلامی تصورات کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کے مسلسل و پیہم جہاد اور حضرت سید جمال الدین افغانی کی تحریکِ اتحاد عالم اسلام (Pan-Islamism) وغیرہ، اس دعویٰ کا زندہ ثبوت ہیں کہ آڑے وقت میں، مسلمانوں کے اندر ایک ذہنی انقلاب کی تیز رو موجود رہی ہے۔" ❶

یہ اقتباسات اس حقیقت کو ہر شک و شبہ سے بالاتر کر دیتے ہیں کہ نہ تو اسلام ہی میں، 'مذہبی پیشوائیت' کا وہ تصور پایا جاتا ہے جسے 'قرآنی گوئبلز' کے سامری دماغ نے محض اپنے تسویل نفس کے زور پر گھڑ ڈالا ہے اور نہ ہی اُمتِ مسلمہ میں تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ کسی قابل ذکر پیشواءِ اسلام نے، تقاضائے حق کو پس پشت ڈال کر، اربابِ اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا کر، دنیا کے جاہ و منصب اور مال و دولت کو سمیٹا ہو۔

یہ سارا افسانہ 'قرآنی گوئبلز' نے صرف اس لئے تراشا ہے کہ 'نظامِ ربوبیت' کے نام سے، اشتراکیت کا جو 'قرآنی ایڈیشن' وہ خود نکال چکے ہیں، اس کے لئے راہ ہموار کی جائے۔ لیکن چونکہ یہ راہ ہموار ہو نہیں سکتی جب تک کہ وہ علماء (اور وہ منظم افراد یہاں موجود ہیں) جو محمد رسول اللہ والذین معه کا دین، بلا کم و کاست یہاں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے علماء اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مخالفت کرنے کے لئے وہ افسانہ تراشا گیا ہے، جس کا بنیادی

❶ طلوع اسلام: نومبر ۱۹۴۰ء، صفحہ ۲۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصور، ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں سے لیا گیا ہے اور پھر برسوں بار بار اسے دہرایا گیا ہے تاکہ یہ جھوٹ 'سچ' بن جائے۔

پرویز کے فکری اسلاف ہی ''مُلّا'' تھے

ہمارے علماء تفسیر ہوں یا علماء حدیث، ائمۂ فقہ ہوں یا ائمۂ تاریخ ان میں تو ''مُلّائیت'' کا وہ تصور، قطعی مفقود ہے۔ جسے ''قرآنی گوئبلز'' نے گھڑ رکھا ہے۔ ہاں البتہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد کچھ باطل اور گمراہ فرقے ایسے پیدا ہوئے تھے، جن کے ساتھ، دور حاضر کے منکرین حدیث، اعتقادی وفکری رشتے میں منسلک ہیں، ان میں ''مذہبی پیشوائیت'' اور ''مُلّائیت'' کی وہ تمام خصوصیات موجود تھیں، جنہیں ''قرآنی گوئبلز'' نے دور حاضر کے علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ (بالخصوص، وقت کے ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کے ساتھ ملی بھگت کرنا اور ارباب تخت و تاج کے ساتھ ساجھا پن اور ''شریفانہ معاہدہ'' کرنا وغیرہ)

قدیم وجدید معتزلہ

قبل اس کے کہ، آج کے منکرین حدیث کے، فکری آباؤ واجداد کی اپنے وقت کے ارباب اقتدار کے ساتھ ملّی بھگت اور ''شریفانہ معاہدہ'' کے ثبوت پیش کیے جائیں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ واضح کردیا جائے کہ اخلاف (موجودہ منکرین حدیث) اور اسلاف (قدیم معتزلہ) کس طرح تشابہت قلوبھم کے رشتہ میں منسلک ہیں اور کن کن پہلوؤں سے ان کا قارورہ ملتا ہے۔

(۱) جس طرح، آج کے منکرین حدیث، وحی اور کتاب اللہ کا نام لے کر عقل کو بالاتر حیثیت دیتے ہوئے فکر اغیار کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوکر قرآن کا تیاپانچہ کرڈالتے ہیں، بالکل اسی طرح قدیم معتزلہ کے ''قرآنی دانشور'' بھی غیروں کی فکری اسیری میں مبتلا ہوکر غلبۂ عقل کے نعرہ کے ساتھ قرآن کریم کو نشانہ بنایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ''عقل کا غلبہ'' کے زیر عنوان خود طلوع اسلام یہ لکھتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وہ عقل کے تسلط کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ عقل خود حسن و قبح کی معرفت حاصل کر سکتی ہے، خواہ شریعت نے کسی بات کے حسن و قبح کو بیان کیا، یا بیان نہ کیا ہو۔'' ❶

(۲)...... جس طرح، یہ لوگ انکار حجیت حدیث کے باوجود خود کو منکرین حدیث کہنا یا کہلوانا پسند نہیں کرتے ہیں، اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے اور کہنے پر مصر ہیں، بالکل اسی طرح وہ لوگ بھی اعتقاداً مسلمانوں سے الگ راہ اختیار کرنے کے باوجود بھی خود کو معتزلہ کہنا یا کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے۔

''یاد رہے کہ یہ لوگ خود اپنے آپ کو خوارج یا معتزلہ نہیں کہتے تھے، اپنے آپ کو خالص مسلمان سمجھتے تھے۔'' ❷

(۳)...... جس طرح آج کے منکرین حدیث صرف قرآن ہی کو سند مانتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی تنہا قرآن ہی کو حجت تسلیم کرتے تھے

''وہ ہر دینی معاملے میں قرآن مجید کو سند قرار دیتے تھے۔'' ❸

(۴)...... جس طرح دور حاضر کے منکرین حدیث مغربی معاشرت کے اجزاء و عناصر کو اور اشتراکیت کے نظام معیشت کو قرآن کریم میں زبردستی گھسیڑنے پر جُتے ہوئے ہیں، اسی طرح کل کے معتزلہ بھی یونانی فلسفہ کا پھانہ اسلامی عقائد میں ٹھونکنے پر تُلے ہوئے تھے۔

''یونانی فلسفہ کو اپنا کر انہوں نے اسلامی عقائد میں اسے جس خوبی سے سمویا اور علم کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی وہ اس کی زندہ شہادت ہے۔'' ❹

ان وجوہِ مشابہت کی بناء پر آج کے منکرین حدیث اپنے فکری اسلاف یعنی قدیم معتزلہ کی انتہائی تعریف و تحسین کرتے ہیں اور ان کے زوال و فناء پر یوں نوحہ کناں ہیں۔

---

❶ طلوع اسلام: فروری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۰۔
❷ طلوع اسلام: مارچ ۱۹۷۳ء، صفحہ ۵۵۔
❸ طلوع اسلام: جون ۱۹۷۸ء، صفحہ ۴۸۔
❹ طلوع اسلام: جولائی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ہمارے متقدمین میں معتزلہ اہل علم کا وہ گروہ تھا جن کی نگاہ صحیح اسلام پر تھی اور وہ قرآن مجید پر عقل و بصیرت کی رو سے غور کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو ہماری مذہبی پیشوائیت کس طرح جینے دیتی۔ نتیجہ یہ کہ نہ صرف ان ارباب فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا گیا بلکہ ان کے علمی کارناموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔'' ❶

جملۂ معترضہ

قبل اس کے کہ اس بحث میں مزید پیش قدمی ہو، قارئین کرام سے یہ درخواست ہے کہ ''مفکر قرآن''، ''مدرس فرقان'' اور ''مفسر کتاب'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کے اس جھوٹ کو خاص طور پر نگاہ میں رکھیں کہ...... ''مذہبی پیشوائیت'' نے معتزلہ کو جینے نہیں دیا اور خود ان کا اور ان کے علمی کارناموں کا خاتمہ کر ڈالا۔'' ...... آگے چل کر طلوع اسلام ہی کی عبارت سے، اس جھوٹ کا جھوٹ ہونا واضح ہو رہا ہے۔ نیز یہ بھی کہ معتزلہ کو کسی ''مذہبی پیشوائیت'' نے نہیں، بلکہ خود ان کی اپنی کرتوتوں نے صفحۂ ہستی سے انہیں مٹا ڈالا تھا۔ بالخصوص جبکہ وہ خود ''مذہبی پیشوائیت'' بن کر ارباب اقتدار کے ساتھ خون مسلم کی ندیاں بہانے میں مصروف جہاد تھے۔

معتزلہ کی ''مُلاّئیت'' کا اربابِ اقتدار سے گٹھ جوڑ

اس جملۂ معترضہ کے بعد، اب ماضی کے فتنۂ اعتزال کے عروج پر ایک نگاہ ڈالئے تو آپ کو واضح طور پر یہ دکھائی دے گا کہ کس طرح اس فتنہ کے علمبرداروں نے اپنے عروج کے لئے ارباب اقتدار کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ''شریفانہ معاہدہ'' کیا۔

فتنہ اعتزال کے علمبرداروں میں سے دو ''قرآنی دانشوروں'' احمد بن ابی دؤاد اور ثمامہ نے کسی نہ کسی طرح ارباب اقتدار تک رسائی پالی، اور انہیں اپنا ہم خیال بنالیا، جس کے نتیجہ میں اس فتنہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی اس ''سرکاری اور سرپرستانہ ملّی بھگت'' اور ''شریفانہ معاہدہ'' کے نتیجہ میں، حکومتی اثر و رسوخ اور ذرائع و وسائل سے اس کا حلقۂ اثر پھیلتا چلا گیا۔

❶ طلوع اسلام: فروری ۱۹۶۷ء، صفحہ ۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظامیہ اور عدلیہ کے اعلیٰ مناصب کے دروازے اس ''گٹھ جوڑ'' کے نتیجہ میں معتزلہ کے لئے چوپٹ کھول دیئے گئے اور جو لوگ اس مسلک کے خلاف تھے ان سے حکومت وقت، اس ''شریفانہ معاہدہ'' کی بنا پر بڑے جابرانہ اور ظالمانہ انداز سے نپٹتی اور انہیں قید و بند سے لے کر دار و رسن کی صعوبتوں میں سے گزرنا پڑتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کا انکار طلوع اسلام سے بھی بن نہیں پڑا۔

''احمد بن داود (داؤد نہیں، بلکہ دُؤاد- قاسمی) اور ثمامہ کی کوششوں سے مامون الرشید نے باقاعدہ طور پر اس مسلک کو قبول کرلیا اور مسلک اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا۔ اس سے وقتی طور پر مسلکِ اعتزال کو بہت مقبولیت حاصل ہوگئی۔ الناس علی دین ملوکھم کے مطابق ہر طرف مسلک اعتزال کا چرچا ہونے لگا۔ ان کا مسلک چونکہ عقل و بصیرت پر مبنی تھا، اس لئے وہ خود بھی لوگوں کو اپیل کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری مشینری بھی اس کی تائید میں حرکت کرنے لگی تو وہ پورے عالم اسلام پر چھا گیا۔ عدالتوں میں فیصلے اسی مسلک کے مطابق ہونے لگے جو لوگ اس مسلک کے خلاف زبان ہلاتے تھے ان سے حکومت وقت کی طرف سے باقاعدہ باز پرس کی جاتی تھی اور سزائیں دی جاتی تھیں۔'' ❶

کم ظرف اور دنیا پرست لوگوں کو اقتدار کا سہارا مل جائے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، چنانچہ معتزلہ کو جو اقتدار کی پُشت پناہی حاصل ہوئی تو وہ نخوت و تکبر کے ساتویں آسمان پر پہنچ گئے اور پھر انہوں نے وہی حرکت کی جسے ''مفکر قرآن'' صاحب، بہتاناً، ''تھیا کریسی'' اور ''پریسٹ ہڈ'' کی خود ساختہ اصطلاحات کے تحت علماء کرام کی طرف منسوب کرنے کے عادی رہے ہیں، یعنی فتویٰ بازی۔

''خلق قرآن کا مسئلہ، معتزلہ کو جعد بن درہم ہی سے وراثت ملا۔ پہلے معتزلہ اس نظریہ کے قائل نہیں تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ قرآن کے مخلوق ہونے پر

❶ طلوع اسلام: ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متفق ہو گئے اور جو شخص قرآن کو غیر مخلوق کہتا تھا اس پر کفر اور فسق کے فتوے لگاتے تھے۔ معتزلہ میں احمد بن ابی دؤاد، پہلا معتزلی ہے جس نے قرآن کو غیر مخلوق کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا۔'' ❶

اس فتویٰ کے اجراء کے بعد معتزلہ کی ''مذہبی پیشوائیت'' اور ''تھیا کریسی'' نے ارباب حکومت کے ساتھ جو ''شریفانہ معاہدہ'' کر رکھا تھا، اس کی روشنی میں اگلا قدم اٹھایا۔ وہ کیا تھا؟ طلوع اسلام ہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے۔

''انہوں نے کہا کہ خلیفہ اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے عقیدہ کو، جو توحید کے خلاف ہے، قوت سے مٹائے۔'' ❷

پھر کیا ہوا؟ قید و بند، دار و رسن اور ضرب تازیانہ کے ذریعہ خون کی ندیاں بہا دینے کی نئی تاریخ معتزلہ کے ''ملاؤں'' کے ہاتھوں رقم ہوئی۔ جس کا اعتراف خود طلوع اسلام کو بھی کرتے ہی بنی۔

''اس عقیدہ کی پُشت پر چونکہ حکومت وقت بھی تھی اس لئے لوگوں کو صرف کفر و شرک کے فتوؤں ہی سے مرعوب نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ان فتوؤں کے بعد لوگوں کو طرح طرح کی سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔'' ❸

یہ ہے حقائق کی صحیح اور اصل تصویر جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ارباب اقتدار اور اعیان سلطنت کے ساتھ ''ملّی بھگت'' اور ''شریفانہ معاہدہ'' کرنے اور اس کے نتیجہ میں سرکاری عہدے حاصل کرنے والے درحقیقت وہ ''ارباب فکر و نظر'' اور ''صاحبان عقل و بصیرت'' تھے، جو یونانی فلسفہ کو اسلامی عقائد میں سمو ڈالنے کی کوششوں میں جُتے رہتے تھے اور جو آج کے منکرین حدیث کے فکری آباء و اجداد تھے نہ کہ وہ علماء و فقہاء اور وہ محدثین و مجتہدین جو پابند سلاسل رہ کر قید و بند کی اذیتیں جھیلتے ہوئے اور ضرب تازیانہ کا نشانہ بنتے ہوئے حکومتی مناصب اور سرکاری

---

❶ طلوع اسلام: ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۳۔ ❷ طلوع اسلام: ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۳۔
❸ طلوع اسلام: ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وظائف سے بے نیاز ہو کر خدمت دین اور اشاعت اسلام پر کمربستہ رہے۔

''مفکر قرآن'' کا دوگونہ جھوٹ

''مفکر قرآن'' صاحب، تنکیس واقعات، تقلیب امور اور مسخ حقائق میں کس قدر، جھوٹ اور دیدہ دلیری سے کام لیا کرتے تھے وہ ان کے اس دوگونہ کذب ہی سے واضح ہے جس میں وہ ...... (۱) اُن علماء حدیث اور ائمۂ فقہ پر جو اعیان سلطنت اور ارباب حکومت سے الگ رہے، یہ الزام عائد کرتے رہے ہیں کہ ان کی ہمیشہ اہل اقتدار سے ''ملّی بھگت'' رہی ہے اور (۲) جو لوگ، فی الواقع اقتدار کی چھتری تلے بیٹھ کر علماء وائمہ کرام پر کفر وشرک کے فتوے لگا کر وقت کے حکمرانوں کو ان کے خاتمہ پر اکساتے رہے ہیں وہ سب ''حاملین قرآن''، ''اہل علم وبصیرت'' اور ''اصحاب فکر ونظر'' قرار پائے۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

الغرض، ''مذہبی پیشوائیت''، ''ملا ازم''، ''تھیا کریسی'' اور ''پریسٹ ہڈ'' کی خود ساختہ اصطلاحات کی آڑ میں، ''مفکر قرآن'' صاحب، جن رذائل ومعائب اور مثالب ونقائص کو علماء کرام کے گلے منڈھتے رہے ہیں، وہ فی الواقع خود پرویز صاحب (اور ان کے اندھے مقلدین) ہی کے فکری اسلاف میں پائے جاتے تھے، لیکن وہ ان عیوب کو اپنے آباء واجداد کی طرف منسوب کرنے کی بجائے علماء کرام کے کھاتے میں ڈالتے رہے ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص اپنے باپ کے ''سیاہ کارناموں'' کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے پورے قبیلے کی طرف منسوب کرتے ہوئے سربراہ قبیلہ کو یہ طعنہ دے کہ ......
''تمہارے قبیلے میں، تو، ایسے افراد بھی موجود ہیں، جنہوں نے یہ اور یہ ''سیاہ کارنامے'' انجام دیئے ہیں...... حقائق کی روشنی میں ''قرآنی گوئبلز'' نے یہی طریقۂ واردات اپنائے رکھا ہے۔

سببِ زوالِ معتزلہ

سرکاری سرپرستی میں شجرِ اسلام پر پھیلنے والی اس اکاس بیل کا خاتمہ کیسے ہوا؟ پرویز صاحب نے حقائق کو پس پشت پھینکتے ہوئے یہ بے پر کی اڑائی ہے کہ...... ''ان اصحاب فکر ونظر

www.KitaboSunnat.com

کا خاتمہ، ''مذہبی پیشوائیت نے کیا...... حالانکہ ان کے زوال بلکہ خاتمہ کا سبب خود ان کی اپنی یہ حرکت تھی کہ وہ آفتاب اقتدار کے پجاری بنے۔ ارباب اقتدار کی کاسہ لیسی کی۔ سرکاری عہدوں پر براجمان ہو کر اپنے کفر و شرک کے فتوؤں کے ذریعہ خون کی ندیاں بہائیں۔ مخالفین کو قید و بند کی صعوبتوں میں پھانسا، اور ائمہ عظام کو کوڑوں سے پٹوایا، جس کے نتیجہ میں عوام ان سے متنفر ہوئے اور اُن علماء و ائمہ کی عقیدت و محبت، اضعافاً مضاعفہ ہو کر لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوگئی کہ جو کسی دنیاوی مفاد کے لالچ میں نہیں بلکہ خالصتاً دین اسلام کے لئے یہ مصائب جھیل رہے تھے۔ ایک طرف معتزلہ کی دنیائے دنی کی ہوس تھی اور دوسری طرف اہل علم کی مسلک حق پر اذیتوں اور صعوبتوں کے باوجود ثابت قدمی اور اخلاص کی دولت تھی۔ معتزلہ کی ان حرکات سے نفرتِ عامۃ الناس اور پھر اس پر مستزاد مسلم فقہاء و علماء کا مصائب و مظالم پر اعلیٰ درجے کا صبر و ثبات۔ یہ تھا، معتزلہ کے زوال و انحطاط کا اصل سبب، جس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ یہ سبب اصلی، بھی کسی کتابِ تاریخ سے پیش کرنے کی بجائے طلوع اسلام ہی کے اوراق سے پیش کرنا مناسب ہے۔

''احمد بن ابی دؤاد اور ثمامہ نے یہ بڑی سیاسی غلطی کی کہ مسلکِ اعتزال کو سرکاری سرپرستی میں دے دیا۔ مامون الرشید معتصم باللہ، اور واثق باللہ نے مسلک اعتزال کو قبول کر کے جبر و اکراہ سے اس مسلک کو عوام میں پھیلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سے تشدد اور سختیاں شروع ہوئی تو جس نے بھی اس تشدد کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا ثبوت دیا وہ عوام میں ہیرو بن گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر عباسی خلفاء مسلک اعتزال کو قبول نہ کرتے تو اعتزال کے مسلک پر ان کا یہ بڑا ہی احسان ہوتا، یا اگر انہوں نے اس مسلک کو قبول کر لیا تھا تو اسے بنوکِ شمشیر عوام سے منوانے کی کوشش نہ کرتے تو معتزلہ اس تباہی سے یقیناً محفوظ رہتے، جس سے انہیں آگے چل کر دوچار ہونا پڑا۔ معتزلہ نے اپنی اس سیاسی غلطی کو بروقت محسوس نہ کیا۔ یہ محدثین و فقہاء کے خلاف، کفر و شرک کا فتویٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے تھے اور برسراقتدار طبقہ ان علماء و مشائخ کو دارورسن کی مشقتوں میں مبتلا کر کے عوام میں ان کو ہیرو بنا دینے پر اپنی تمام کوششیں صرف کر رہا تھا۔''❶

اب ذرا، ان الفاظ پر غور فرمایئے ...... ''برسراقتدار طبقہ، ان علماء و مشائخ کو ...... ہیرو بنا دینے پر اپنی تمام کوششیں صرف کر رہا تھا۔'' ...... ان الفاظ سے کوئی کیا سمجھے؟ کیا عباسی حکمرانوں نے، مسلک اعتزال کو منافقانہ طور پر، اس لئے قبول کر رکھا تھا کہ وہ ان علماء و مشائخ کو ہیرو بنا دینا چاہتے تھے اور دارورسن کے یہ سارے مظالم صرف اس لئے روا رکھے گئے کہ ان کے بغیر انہیں ہیرو نہیں بنایا جا سکتا تھا، کیا ان مصائب و مظالم کا نشانہ بننے سے قبل وہ اپنی للّٰہیت، اخلاص اور خدمت اسلام کی بناء پر پہلے سے ہی لوگوں کے محبوب نظر نہ تھے؟ اور کیا اب، ارباب اقتدار کی ظلم کی چکی میں پس کر ہی وہ ہیرو بنے تھے۔؟

لیکن کیا آج کے معتزلہ نے اور تحریک طلوع اسلام نے اپنے پیشرو معتزلہ سے کوئی سبق سیکھا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جہاں اخلاص نہ ہو، دنیائے دنی کی محبت ہو اور تحریک کا بانی اور لیڈر خود نظام طاغوت کی سرکاری مشینری کے کل پرزہ کی حیثیت سے روٹی کا غلام بن رہا ہو، اور اپنے مخالفین پر ''منکرین قرآن'' اور ''منافقین'' ہونے کے فتوے عائد کر رہا ہو، اور ہر صاحب اقتدار سے، ہر دور میں محبت کی پینگیں چڑھا رہا ہو، اپنے فکری حریفوں کے خلاف، حکومت کو مشورے دے رہا ہو اور ماضی کے معتزلہ کے نقش قدم پر چل کر غیر اسلامی تصورات کو قرآن مجید میں سمو ڈالنے کی کوشش میں جُتا رہا ہو اور اپنے کنونشن میں وزراء، اور ارباب اقتدار کو کرسیٔ صدارت پر بٹھاتا ہو اور اشتراکی ممالک کے سفیروں سے ملاقات کا حریص ہو، وہ ''مفکر قرآن'' اگر یہ کچھ نہ کرے، تو آخر اور کیا کرے؟

پاکستان ...... مُلاّ ازم ...... پرویز

آیئے، اب یہ دیکھیں کہ قیام پاکستان کے بعد اس ضمن میں جناب غلام احمد پرویز صاحب کا کیا کردار ہے۔ ہندوؤں سے برہمنیت اور عیسائیوں سے پاپائیت کا تصور لے کر

❶ طلوع اسلام: ۳۰ جولائی ۱۹۵۵ء؟، صفحہ ۱۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مذہبی پیشوائیت'' کے نام سے، اسے مسلمانوں کی تاریخ کی ایک ''مستقل اور ٹھوس حقیقت'' قرار دے ڈالنے کے بعد، اب پاکستان کی تاریخ کا بھی اسے حصہ بنا ڈالنے کی کوشش، ''مفکر قرآن'' نے بایں الفاظ کی ہے۔

''اب حالت یہ ہے کہ وہ لوگ، جنہوں نے تحریک پاکستان کی اس قدر مخالفت کی تھی یہاں سب سے زیادہ معتبر بنے ہوئے ہیں اور سرمایہ داری اور تھیاکریسی جن سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس مملکت کا وجود عمل میں آیا تھا، اور جن کا ہمیشہ آپس میں گٹھ جوڑ ہوتا ہے، مملکت پر مسلط ہو رہی ہے۔'' ❶

''ارباب شریعت سے، اس طبقے (ارباب حکومت و سیاست) کا ساجھا ہے اور اس کی وجہ سے یہ حضرات بھی، اس ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو تشکیل پاکستان سے پہلے ان کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔'' ❷

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ''قرآنی گوئبلز'' کے نزدیک ''ملائیت'' کی بدترین شکل جماعت اسلامی کے پیکر میں پائے کوب ہے، اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس ''مزاج شناس خدا'' کے ہاں، ''مولانا مودودیؒ ہی ملائیت کے سرخیل ہیں'' ...... نیز یہ بات بھی مذکور ہو چکی ہے کہ ...... ''جماعت اسلامی ہی مُلا ہے۔'' لہٰذا پاکستان میں ارباب اقتدار، اور جن ارباب شریعت کے درمیان ''گٹھ جوڑ''، ''ساجھا پن''، ''ملّی بھگت'' اور ''شریفانہ معاہدہ'' ہوا ہے، ان سے مراد جماعت اسلامی ہی کے افراد و اعیان ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو حکمرانوں کے ظلم و ستم کے لئے ''شرعی سندات'' مہیا کرتے ہیں اور یہی وہ جماعت ہے جو ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملاتی اور ان کی بانہوں میں بانہیں ڈالتی ہے۔ جماعت اسلامی ہی وہ ''مذہبی پیشوائیت'' ہے جو ارباب حکومت کو ظل اللہ کے مقدس خطاب سے نوازتی ہے اور اس کے بدلے میں سربراہان مملکت مالی وظائف کا انتظام کیا کرتے ہیں، یہی وہ وارثان محراب و منبر ہیں جو عامۃ الناس کو ارباب تاج و تخت کے لئے اطاعت و انقیاد کا سبق دیتے ہیں اور انہیں یہ سمجھاتے ہیں

❶ طلوع اسلام: اکتوبر ۱۹۶۹ء، صفحہ ۹۔ ❷ طلوع اسلام: جنوری ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۱+ فروری ۱۹۶۲ء، ص ۷۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ...... راجہ، ایشور کا اوتار ہوتا ہے۔ بادشاہ، خدائی حقوق کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے فرمانروائی، اس کا حق اور اطاعت شعاری تمہارا فریضہ ہے۔ وہ جو کچھ تمہیں دے اس کی عنایت اور احسان ہے۔ تم اس سے بطورِ حق کچھ مانگ نہیں سکتے۔ تم اس کے حضور جھکو۔ اسے سجدے کرو، اس کی خیریت کی دعائیں مانگو۔ اس کے ہر حکم کی اطاعت کرو اور اس اطاعت کو اپنے لئے سرمایہ ہزار سعادت سمجھو۔ تم اور تمہارا جو کچھ ہے، وہ اس سب کا مالک ہے۔ اسے ان تمام چیزوں پر کلی اختیار حاصل ہے۔ وہ تمہارا ان داتا (رازق) اور پالنہار (پروردگار) ہے۔

دروغ گورا حافظہ نہ باید

لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دروغ گورا حافظہ نہ باید، تو اس کی واضح اور بہترین مثال "قرآنی گوئبلز" کے کردار میں پائی جاتی ہے۔ حکومت کے ساتھ "ساجھا پن"، "گٹھ جوڑ" اور "شریفانہ معاہدہ" کے وقوع کا اعلان کر ڈالنے کے بعد جماعت اسلامی کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

> "قیامِ پاکستان کے بعد سے لے کر، اس وقت تک ملک میں جو حکومت بھی قائم ہوئی ہے۔ اس جماعت نے شور مچا دیا ہے کہ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو فاسق و فاجر ہیں، مغرب زدہ ہیں، خدا و رسول سے بیگانہ ہیں۔ شریعت سے ناآشنا ہیں۔ کلبوں میں جاتے ہیں۔ جم خانوں میں رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ یہ جماعت ہر برسرِ اقتدار پارٹی کے خلاف، اسی قسم کا پراپیگنڈہ مسلسل کرتی چلی آ رہی ہے۔" ❶

ایک اور مقام پر جماعت اسلامی کی ہر حکومت کے خلاف مخالفانہ پالیسی کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔

> "اس کی ہر دلعزیزی کا راز صرف یہ ہے کہ یہ ہر حکومت کو برابر گالیاں دیتی رہتی ہے۔ موجودہ حکومت ہی کو نہیں، بلکہ پہلے دن سے ہر اُس حکومت کو، جس نے ان

---

❶ طلوع اسلام: مارچ ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کوئی بات نہیں مانی، اگر یہ آج حکومت کو گالیاں دینا بند کردے، تو اس کی ساری شہرت ختم ہو جائے، شہرت کیا، اس کا وجود ہی باقی نہ رہے۔'' [1]

اب ذرا اس تضاد بیانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ جماعت اسلامی، ہر حکومت کی مخالف بھی رہی ہے۔ اس کے خلاف شوروغوغا بھی کرتی رہی ہے، اور یہ بھی کہ ''ملا'' ہونے کی حیثیت سے اربابِ اقتدار کے ساتھ اس کا گٹھ جوڑ، ساجھا پن اور ''شریفانہ معاہدہ'' بھی رہا ہے۔ اب سیدھی سی بات ہے کہ یا تو مذہبی پیشوائیت کے بارے میں یہ پرویزی قاعدہ کلیہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے کہ اس کا اربابِ اقتدار کے ساتھ گٹھ جوڑ ہوا کرتا ہے اور یا پھر یہ کہیے کہ جماعت اسلامی سرے سے مُلا ہے ہی نہیں۔ کیا وابستگانِ طلوع اسلام اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

''مفکر قرآن'' کا تضاداتی کردار

مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ''مفکر قرآن'' صاحب کے بیانات میں، کس قدر تضاد ہوتا ہے۔ اس کی بکثرت مثالیں ان کے لٹریچر میں، جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ یہ بحر تضادات اس قدر وسیع وعریض اور گہرا وعمیق ہے کہ ؏

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

قطع نظر دیگر امور کے، ''مفکر قرآن'' صاحب، جب اس قسم کی متضاد اور مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں تو ان کی دانش وبینش کے متعلق شبہ گزرنے لگتا ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ المیز ان پبلی کیشنز کے ساتھ، پھڈا ڈالنے میں یہ صاحب کس قدر ''زیرک''، عیار، چالاک، اور چابک دست واقع ہوئے ہیں، تو یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا کہ وہ اس قسم کی باتیں جان بوجھ کر کرتے رہے ہیں۔ وہ دیدہ دانستہ، ان تضاد بیانیوں کو صرف اور صرف اس لئے اختیار کرتے رہے ہیں کہ انہیں ہر حال میں مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کو بدنام کرنا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ جہاں جو بات بھی مناسب سمجھتے، کرگزرتے رہے ہیں، قطع نظر

---

[1] طلوع اسلام۔ جولائی ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے کہ ان میں کتنا تعارض و تناقض پایا جاتا ہے، پھر جس قوم میں وہ یہ متضاد باتیں کیا کرتے تھے اس کی زود فراموشی کو بھی جانتے تھے وہ خود یہ کہا کرتے تھے کہ:

''ہمیں معلوم ہے کہ ہماری قوم بڑی زود فراموش واقع ہوئی ہے۔'' ❶

چنانچہ قوم کی اس زود فراموشی اور کمزور حافظے کی بناء پر وہ جہاں جو بھی ایسی بات کرتے تھے جس سے ان کی سابقہ بات سے تضاد لازم آتا تو انہیں یقین ہوتا تھا کہ اس زود فراموش قوم کے کمزور حافظہ میں میری پہلی بات یقیناً گلدستۂ طاقِ نسیان ہوگئی ہے، لہٰذا بے دھڑک ہوکر جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے، کہہ ڈالتے تھے، اور اپنی اس ''چوری'' پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ ''سینہ زوری'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوم کے کمزور حافظہ اور ان کی عادتِ زود فراموشی سے فائدہ اٹھانے کی اپنی عادت کو اپنے حریفوں کی طرف منسوب کر ڈالا کرتے تھے۔

مزید برآں، یہ کہ ''مفکر قرآن'' صاحب، جب جماعت اسلامی کی انتہائی معاندانہ مخالفت پر اُترتے، تو اس کی وجۂ جواز بیان کرنے میں وہ پھر قلب وقلم کی مغایرت کا شکار ہوجاتے اور جماعت اسلامی کے لٹریچر میں سے کوئی حوالہ، کوئی اقتباس، کوئی دلیل اور کوئی ثبوت پیش کئے بغیر محض تسویلِ نفس کے بل پر، یہ وجۂ جواز پیش کیا کرتے تھے کہ ..... مسلمان قوم، ایک جذباتی قوم ہے جو حقائق زندگی سے فرار اختیار کر کے شاعری کرتی ہے اور جماعت اسلامی، مذہب کی راہ سے جو افیون، اس قوم کو دیتی ہے۔ اس سے جذباتی بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، اور افراد قوم میں سنجیدہ فکر اور متین تدبر کو پیدا نہیں ہونے دیتی، لہٰذا ہم اس کے خلاف ہیں ..... (دیکھئے تبصرہ بر ''چراغ راہ'' قیادت نمبر، دسمبر ۱۹۴۹ء کا طلوع اسلام) حالانکہ جماعت اسلامی کی مخالفت کے وجوہ میں سے اصل وجہ خود طلوع اسلام نے یہ بیان کی ہے کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی اُس ''قرآنی نظام'' کے خلاف ہیں، جسے ''مفکر قرآن'' نے اشتراکیت کے ساتھ مغربی معاشرت کے لوازمات کو نتھی کر کے اس پر ''قرآنی ٹھپہ'' لگا دیا ہے۔ یہی ''قرآنی نظام'' چونکہ ان کے نزدیک اصل اسلام ہے، جسے وہ پاکستان میں نافذ دیکھنا

---

❶ طلوع اسلام: اکتوبر ۱۹۶۸ء، صفحہ ۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتے تھے، اور اسی ''قرآنی نظام'' کے نفاذ کی راہ میں وہ جماعت اسلامی اور اس کے امیر کو سنگ گراں تصور کیا کرتے تھے۔ اس لئے ''مفکر قرآن'' نے ان کی مخالفت کو اپنا مقصود حیات قرار دے رکھا تھا۔ چنانچہ خود انہوں نے اس وجۂ مخالفت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اگر مودودیؒ صاحب کے عزائم کی علمبردار اسلامی جماعت یہاں نہ اٹھتی تو اس خطۂ زمین میں اسلامی نظام یعنی مملکت علی منہاج نبوت کے قیام کے امکانات بڑے روشن تھے۔'' ❶

اور اب تک اگر یہ ''قرآنی نظام'' نافذ نہیں ہو سکا اور پاکستان، مملکت علیٰ منہاج نبوت نہیں بن پائی، تو:......

''اس کی بنیادی وجہ اور اساسی سبب ایک ہی ہے اور وہ ہے اس بدنصیب ملک میں جماعت کا وجود۔'' ❷

''یہ پرویز کی نہیں، قرآن کی مخالفت ہے''

اس پر مستزاد یہ امر کہ جو لوگ ''مفکر قرآن'' صاحب کی منسوب الی القرآن تعبیر کو نہیں مانتے تھے، انہیں وہ اپنا مخالف کہنے کی بجائے قرآن مجید ہی کا مخالف قرار دیا کرتے تھے، چنانچہ وہ...... ''میری مخالفت کی وجہ''...... کے زیر عنوان، یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ

''میں بلا تشبیہ اور بلا تمثیل عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ یہ لوگ میری مخالفت نہیں کرتے کتاب اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔'' ❸

اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ انہوں نے ''قرآنی ڈکٹیٹر شپ'' کے کس بلند و بالا مقام پر اپنے آپ کو براجمان کر رکھا تھا۔ حالانکہ قرآن کریم کے الفاظ تو یقیناً وحی ہیں لیکن پرویز صاحب کی تعبیرات تو مبنی بر وحی نہیں ہیں۔ قرآنی متن میں سہو و خطا کا کوئی امکان نہیں، لیکن ''مفکر قرآن'' کی قرآنی تعبیرات میں یہ امکان، بقول ان کے، موجود ہے۔

---

❶ طلوع اسلام: مئی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۳۔
❷ طلوع اسلام: مئی ۱۹۷۶ء، صفحہ ۲۵۔
❸ طلوع اسلام: دسمبر ۱۹۷۸ء، صفحہ ۵۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"قرآن تو وحی الٰہی ہے، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، لیکن میں اپنی قرآنی بصیرت کو کبھی وحی الٰہی قرار نہیں دیتا۔ اس لئے اس میں سہو وخطاء دونوں کا امکان ہے۔ بنابریں میں اس پر اصرار نہیں کرتا کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے، وہ اس باب میں حرف آخر ہے، اور وحی الٰہی کی طرح منزہ عن الخطاء۔" ❶

اس اقتباس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں، ان کے اصل کھانے کے دانت، وہ ہیں جن میں وہ اپنے دعاوی کو قرآن کے دعاوی قرار دیتے ہوئے اپنے مخالفین پر بزعم خویش اتمام حجت کیا کرتے تھے۔

"ہمارا مقصد صرف قرآنی حقائق پیش کرنا ہے، اس سے اگر کسی کے مرجہ عقیدہ یا کسی کے دعویٰ پر زد پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ اس باب میں مدعی قرآن ہے، ہم نہیں۔ ہمارا فریضہ قرآن کے دعاوی کو پیش کرنا ہے اور بس۔" ❷

پاکستان میں تھیاکریسی کا مصداق کون؟

پاکستان میں دو ہی ایسی شخصیتیں ہیں جن کے لٹریچر نے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا ہے۔ کسی کا اثر کم ہے اور کسی کا زیادہ۔ ایک جناب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور دوسرے جناب غلام احمد پرویز۔ موخر الذکر کے نزدیک، سید مودودیؒ اور ان کی جماعت ہی مُلا ہیں، جو اگرچہ اقامت دین کا نام لیتے ہیں لیکن ان کے پیش نظر مذہبی پیشوائیت کا نظام قائم کرنا ہے۔

"اقامت دین کی تحریک کے مدعی یہاں تھیاکریٹک نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں نظام حکومت مذہبی پیشوائیت کے حق میں ہوتا ہے۔ ما انزل اللہ کے مطابق قیام حکومت ان میں سے کسی کا بھی مطالبہ یا نصیب العین نہیں۔" ❸

ہمیں معلوم نہیں کہ "مفکر قرآن" صاحب نے اس حقیقت کا انکشاف بربناء وحی کیا ہے یا

---

❶ نظامِ ربوبیت، صفحہ ۲۳۔ ❷ طلوع اسلام: جنوری ۱۹۸۵ء، صفحہ ۲۱۔

❸ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۷۴ء، صفحہ ۴۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت اسلامی کے افراد و اعیان کے دلوں کو ٹٹول کر کیا ہے، یا ''مزاج شناس خدا'' ہونے کی حیثیت سے وہ اس حقیقت کو جان گئے ہیں کہ ان کا مقصود تھیا کریٹک نظام کا قیام ہے۔

زمینی حقائق کی بنیاد پر اگر بے لاگ تحقیق کی جائے کہ مولانا مودودیؒ اور جناب پرویز صاحب میں سے کون مُلا ہے اور کس کے پیش نظر ''تھیا کریسی'' قائم کرنا ہے تو تھیا کریسی کی اُن صفات کے پیش نظر جو ''مفکر قرآن'' صاحب نے بیان کی ہیں، یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا کہ پاکستان میں کس کے پیش نظر تھیا کریٹک نظام قائم کرنا ہے اور یہ کہ کس کی تحریک فی الواقع تھیا کریسی کی مصداق ہے اور کون ما انزل اللہ کے مطابق قیام حکومت کا متمنی ہے اور کون ما انزل اللہ کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغربی معاشرت کے طور طریقوں کے ساتھ اشتراکیت کا معاشی نظام رائج کرنا چاہتا ہے۔

''مفکر قرآن'' صاحب نے ''مذہبی پیشوائیت'' کی یہ صفات اتنی کثرت سے بیان کی ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے کہ ان کا اقتدارِ وقت کے ساتھ گٹھ جوڑ ہوتا ہے۔ محراب و منبر اور تاج و تخت کے درمیان ملی بھگت ہوا کرتی ہے اربابِ شریعت، اربابِ اقتدار کے گن گاتے ہیں اور وہ جواباً انہیں مراعات فراہم کرتے ہیں۔ پیشوایان مذہب، عامۃ الناس کو کرسی نشینوں کی اطاعت و انقیاد پر آمادہ کرتے ہیں اور اہل اقتدار کیساتھ ''ساجھا پن'' کے مزے لوٹتے ہیں۔ گدی نشینوں اور کرسی نشینوں کے درمیان ''شریفانہ معاہدہ'' کے باعث علماء حضرات لوگوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ ''راجہ، ایشور کا اوتار ہوتا ہے اور بادشاہ، خدائی حقوق کا حامل ہوتا ہے، لہٰذا اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔ اس کے بدلہ میں راجہ اور بادشاہ مالی وظائف کا انتظام کرتے ہیں اور یوں مذہبی پیشوائیت اور اربابِ اقتدار کے درمیان راہ و رسم ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔

''مفکر قرآن'' کی بیان کردہ ان صفات کی روشنی میں اگر بے لاگ عدل و انصاف سے کام لے کر تحقیق کی جائے تو ایک طرف تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت، پاکستان میں ہر حکومت کے مخالف رہے ہیں۔ بلکہ بقول پرویز صاحب، اربابِ حکومت کو گالیاں دیتے رہے ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی طشت از بام ہوجاتی ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوہدری غلام احمد پرویز کے ہر حکومت کے سربراہ کے ساتھ اچھے اور خوشگوار تعلقات ہمیشہ قائم رہے ہیں، ہر حکمران کے وہ مقرب رہے ہیں اور ہر ذی اقتدار ہستی کے ساتھ ان کی اچھی علیک سلیک رہی ہے اور یہ بات اس اعتبار سے بھی قرین قیاس ہے کہ ہمارے حکمرانوں میں سے جو بھی تختِ اقتدار پر متمکن ہوا ہے، وہ مغربی افکار و نظریات ہی کا دودھ پی پی کر مغرب ہی کی بے حیا معاشرت کی گود میں پل کر آیا ہے اور اسے تقویٰ و پرہیزگاری کی اسلامی پابندی ہمیشہ گراں گزری ہے اس لئے ایسی پابندیوں کو ''ملا کی عائد کردہ پابندیاں'' قرار دے کر انہیں ختم کر دینے کی ''دانشورانہ'' کاوشیں برسرِاقتدار طبقہ کو بڑی بھلی لگتی رہی ہیں کیونکہ وہ سب کچھ جو مغرب میں حلال اور جائز ہے اور ''مُلا'' کے اسلام میں حرام اور ممنوع ہے وہ اگر ''مفکر قرآن'' کی بارگاہ سے جائز اور حلال قرار پائیں اور قرآن کی سند بھی ہاتھ میں رہے تو اس سے بڑھ کر اسلام کو چھوڑ کر مسلمان بنے رہنے کا اچھا نسخہ کون سا ہو سکتا ہے؟ اس لئے حکمرانوں کے ساتھ ''مفکر قرآن'' کی راہ و رسم کا ہونا عین قرین قیاس ہے۔ لیکن ''مفکر قرآن'' کے حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا ہونا محض قیاس و گمان ہی کا تقاضا نہیں ہے، بلکہ طلوع اسلام کے مشمولات بھی اسے امر واقعہ قرار دیتے ہیں۔

> ''پرویز صاحب کے قائداعظمؒ سے لے کر ان تمام حضرات سے جو وقتاً فوقتاً صاحب اقتدار رہے، اچھے مراسم تھے لیکن انہوں نے ان میں سے کسی سے بھی کوئی مفاد حاصل نہیں کیا، نہ کوئی منصب مانگا، نہ کوئی اعزاز طلب کیا، نہ کوئی فیکٹری الاٹ کرائی، نہ جاگیر حاصل کی۔'' ❶

فی الحال، اس بات کو نظر انداز کیجئے کہ انہوں نے اربابِ اقتدا سے کوئی مفاد حاصل کیا یا نہیں۔ صرف یہ دیکھئے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ

> قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے جو راہنما برسرِاقتدار آتے رہے، ان میں سے قریب قریب ہر ایک کے ساتھ میری راہ و رسم تھی۔'' ❷

---

❶ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۳ ❷ طلوع اسلام، فروری ۱۹۷۸ء ص ۵۶، مارچ ۱۹۸۵ء ص ۶۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف یہی نہیں بلکہ ارباب اقتدار کو وہ اپنے سالانہ کنونشنوں میں مدعو کیا کرتے تھے، اور حکومتی وزراء کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہو کر شریک کنونشن ہوا کرتے تھے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

"طلوع اسلام کے کنونشن کے اجلاس، منعقدہ ۱۲ نومبر کی صدارت، محترم المقام خواجہ شہاب الدین صاحب مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے فرمائی۔" ❶

اربابِ اقتدار سے استفادۂ پرویز

اب رہی یہ بات کہ "مفکر قرآن" نے، ارباب اقتدار سے، اپنی "قرآنی خدمات" کا کوئی اجر، کوئی معاوضہ اور کوئی مفاد حاصل نہیں کیا، تو ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات مان لے کہ انہوں نے مادی طور پر (Materially) کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو، لیکن اُسے یہ بات ضرور ذہن نشین کرنی چاہیے کہ مفاد صرف وہی نہیں ہوتا، جو عہدہ، منصب، جاگیر یا فیکٹری ہی کی صورت میں حاصل کیا جائے۔ اس مفاد کی متنوع شکلیں ہیں جیسا کہ خود "مفکر قرآن" صاحب فرمایا کرتے تھے۔

"واضح رہے کہ دنیا میں مفاد صرف روپے کی شکل ہی میں نہیں ہوا کرتا۔ ذرا علم و فضل کی مسندوں، زہد و تقویٰ کے آستانوں اور رہبران ملت کی بارگاہوں پر ایک سرسری نظر ڈالو، اور دیکھو کہ کس قدر متنوع شکلیں ہیں، جن میں اپنی بے لوث خدمات کا معاوضہ طلب کیا جاتا ہے۔ نذرانہ نہیں تو مخدومیت اور اطاعت۔ اور اطاعت بھی اکثر پرستش کی حد تک، کبر نفس کے تقاضوں کی تکمیل، انا الموجود و لا غیری کے بلند آہنگ دعاوی، تنقید کی حد سے ماورائیت اور کم از کم نام کی جھوٹی شہرت اور ان تمام داعیات و اقتضاءات کے باوجود بلا مزد و معاوضہ خدمت کا دعویٰ۔ کتنا بڑا فریب ہے جو آپ اپنے کو اور دوسروں کو دیا جاتا ہے۔" ❷

اگر کوئی شخص صحافی کے مقام سے آگے بڑھ کر "مفکر قرآن" کا روپ بھی دھار چکا ہو، تو

---

❶ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۱۴ ❷ جوئے نور، صفحہ ۸۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھوٹے الزامات کے ذریعہ اپنے مخالفین کو رسوا و بدنام کرنا ارباب اقتدار سے اپنے ذاتی تعلقات کو اپنے حریفوں کے خلاف استعمال کرنا، ملکی سیاست میں پس پردہ رہ کر اپنی پسندیدہ تبدیلیاں لانا، اپنی صحافت کے آرگن کو ان گوشوں تک وسیع کرنا جن تک رسائی ارباب اقتدار سے راہ و رسم پیدا کیے بغیر ممکن ہی نہیں، دوسروں کے کارناموں کو اپنی ذات سے منسوب کر کے نام کی (جھوٹی) شہرت پانا، صرف اپنی ہی آواز کو صدائے حق قرار دے کر یہ اعلان کرنا کہ ''آؤ لوگو! یہیں نورِ خدا پاؤ گے'' یہ سب کچھ کیا ہیں؟ ارباب اقتدار سے تعلقات کی ''برکات'' اور ''خالص قرآن'' کی ''خدمات جلیلہ'' کا بدلہ وصلہ ہی تو ہیں۔

ملکی سیاست میں کردارِ پرویز

آیئے، اب یہ دیکھیں کہ ''مفکر قرآن'' صاحب، ملکی سیاست میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں اگرچہ زبان سے وہ سیاست سے غیر متعلق یا غیر سیاسی شخصیت ہونے کے دعوے دار تھے اور یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ ہماری جماعت:

> ''بزم طلوع اسلام، نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے، نہ سیاسی پارٹی'' ❶
>
> ''میرا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے، اور نہ کسی سیاسی پارٹی سے۔'' ❷

لیکن عملاً وہ جماعتی حیثیت سے نہیں بلکہ جماعتی لیبل سے ہٹ کر الیکشن میں ارکان بزم طلوع اسلام کو حصہ لینے کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور جہاں کہیں ان کے انکارِ مسلکِ حدیث پر پردہ پڑا رہا، اور سادہ لوح مسلمانوں کے ہاتھوں ووٹ لے کر جیت گئے وہاں انہیں بصد فرحت و ناز ہدیہ تبریک پیش کیا گیا۔

> ''اکثر مقامات سے یہ مسرت بخش اطلاعات موصول ہونی شروع ہو گئی ہیں کہ بزموں کے بعض ارکان یا طلوع اسلام کی قرآنی فکر سے دلچسپی لینے والے حضرات بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں کامیاب ہو گئے ہیں ہم ان تمام

---

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۷۹

❷ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۷۹ء، صفحہ ۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احباب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔“ ❶

بزم طلوع اسلام کے پلیٹ فارم سے جماعتی حیثیت میں حصہ لینے کی صورت میں پرویز صاحب کو بھی اور وابستگان طلوع اسلام کو بھی یقین کامل تھا کہ مسلک انکار حدیث کے علمبردار ہونے کے باعث وہ اس معاشرے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے جو قرآن وسنت کی حجیت کا قائل ہے، لیکن دل ودماغ میں واقع اس اصل وجہ پر پردہ ڈالتے ہوئے وہ الیکشن میں بطور جماعت حصہ نہ لینے کی علت یہ بیان کیا کرتے تھے کہ چونکہ پاکستان میں رائج سیاست، میکیاولی سیاست ہے، اس لئے وابستگان طلوع اسلام جیسے ”بلند اخلاق اور پاکباز لوگ“، عملی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے، چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ...... ”آپ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے، اس کی کیا وجہ ہے؟“ ...... طلوع اسلام یہ کہتا ہے۔

”اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دور میکیاولی سیاست کا ہے اور کوئی شخص قرآنی حدود میں رہتے ہوئے اس سیاست میں کامیاب نہیں ہو سکتا اس میں کامیاب ہونے کے لئے جماعت اسلامی جیسی پالیسی اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے، وہ پالیسی یہ ہے۔ (۱) زندگی کی بعض ضروریات کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے (۲) .... (۳) .... ہم سے یہ کچھ نہیں ہو سکتا۔“ ❷

طلوع اسلام کی اس سخن سازی پر، اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

رہا ان ”مطہر اور مقدس“ ہستیوں کی قرآنی حدود کی پاسداری تو اس کی قلعی اس مقالہ میں بھی جگہ جگہ کھلتی نظر آتی ہے اور میری اس کتاب میں بھی جو...... ”جناب غلام احمد پرویز صاحب اپنے الفاظ کے آئینے میں“ ...... کے نام سے چھپ چکی ہے۔

یہاں، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وابستگان طلوع اسلام، میکیاولی سیاست کے اس دور

❶ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۱۵ ❷ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۴۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں، ''قرآنی حدود میں رہتے ہوئے کامیاب نہیں ہوسکتے'' تو کیا پھر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں کامیاب ہونے والوں نے ''جماعت اسلامی کی پالیسی اختیار کرکے'' کامیابی حاصل کی تھی؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۱۹۵۴ء کی مقننہ کے خاتمہ میں کردارِ پرویز

خواجہ ناظم الدین ایک شریف النفس سیاست دان تھے اور چاہتے تھے کہ ملک کو اسلامی خطوط پر چلایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مزاج کا آدمی طلوع اسلام (یا پرویز صاحب) کو طبعاً گوارا نہیں جس میں ایسی اسلامیت کی ذراسی رمق بھی پائی جائے جو کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی دلیل ٹھہراتا ہو، پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس کی وزارت میں مقننہ جو آئین بنارہی تھی وہ بہرحال قرآن وسنت پر مبنی تھا ایسے آئین سے بڑھ کر ''غلط اور خطرناک آئین'' پرویز صاحب کی نگاہ میں اور کیا ہوسکتا تھا اور جو قانون ساز اسمبلی، ایسا آئین بنارہی تھی اس کا وجود ''مفکر قرآن'' کے لئے کیونکر قابل برداشت ہوسکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس وقت کے ہمہ مقتدر، گورنر جنرل ملک غلام محمد کو مشورہ دیا کہ مقننہ میں قرآن وسنت کی بنیاد پر آئین سازی کا اب تک جو کام ہوچکا ہے اسے کالعدم قرار دیا جائے اور صرف قرآن ہی بنیاد پر از سر نو دستور سازی شروع کی جائے۔

> ''کرنے کا کام یہ ہے کہ جو کچھ اس وقت تک اس جذبے کے ماتحت ہوا ہے، اس پر خط تنسیخ کھینچ دیا جائے۔ ملک سے ایسے ارباب فکر ونظر کو اکٹھا کرلیا جائے جو یہ بتاسکیں کہ دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قرآن کون کون سے اصول دیتا ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں فکر انسانی کے مطابق اپنا آئین مرتب کرلیا جائے۔'' [1]

---

[1] طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس مشورہ کے بعد کیا ہوا؟

''ملک غلام محمد (مرحوم) نے پوری جرأت رندانہ سے کام لیا اور اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مجلس دستور ساز کو برخاست کر دیا اور اس طرح مملکت کو تباہی سے بچالیا۔'' ❶

ظاہر ہے کہ اگر ''قرآن وسنت'' پر مبنی دستور بن جاتا، تو مملکت پاکستان ''تباہی'' سے نہیں بچ سکتی تھی۔'' ایک اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی اور دوسرے اندھے نے اس ''سوجھ بوجھ'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ''مملکت پاکستان کو تباہی سے بچالیا۔''

پرویز صاحب کا معیار یہ تھا کہ ہر وہ حکمران جو علماء کرام کی ہمنوائی میں قرآن وسنت کا قائل ہو، ان کی نگاہ میں ناپسندیدہ بلکہ سخت مبغوض تھا۔ اس کے برعکس واہیات اور پتنگ بازی جیسی لغویات میں گہری دلچسپی رکھنے والا حکمران، پرویز صاحب کی آنکھوں کا تارا تھا، بشرطیکہ وہ علماء کرام کا مخالف ہو۔ ملک غلام احمد، ایسی ہی صفات کا مالک تھا اس کا مقننہ کو توڑ ڈالنا چونکہ خواہش پرویز کے مطابق تھا اور اس کی تقاریر بھی چونکہ طلوع اسلام ہی کے خیالات کا چربہ ہوا کرتی تھیں (بلکہ شاید وہ پرویز صاحب ہی کی تحریر کردہ تھیں) اس لئے وہ قابل تعریف اور سزاوار ستائش تھا۔

''وہ دبنگ قسم کے آدمی تھے، اس لئے انہوں نے یہ مخالفت کھلے بندوں کی۔'' ❷

دورِ ایوبی اور پرویز صاحب

رہا ایوبی دور تو اس میں بھی ارباب اقتدار کے ساتھ بالعموم اور ایوب خاں کے ساتھ بالخصوص ''مفکر قرآن'' صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ علماء کرام جب یہ کہتے کہ...... ''ہم قرآن وسنت کی بنیاد پر، طرز یثرب پر، پاکستان کی تعمیر کے خواہاں ہیں کیونکہ وہی ریاست نبویہ ہمارے لئے نمونہ اور مثالی حیثیت رکھتی ہے۔''...... تو اس کے جواب میں، ایوب خاں کہا کرتے تھے۔

---

❶ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۱۳

❷ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۱۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ملک کو تیرہ چودہ سو سال پیچھے دھکیل دیا جائے۔" ❶

ایوب خان دراصل ایسے اسلام کے قائل تھے جو مغربی تہذیب و تمدن کے معیار پر پورا اترتا ہو، لیکن وہ مغربی تہذیب کے معیار کا برملا نام لینے کی جگہ، "وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے" کی گردان کیا کرتے تھے اور ان کی یہ ادا پرویز صاحب اور طلوع اسلام کو بھا جاتی تھی کیونکہ اصلاً یہ ان ہی کی اپنی ادا ہے۔

مالی اعانتِ پرویز از ایوب خاں

ایوب خاں طلوع اسلام کے لٹریچر سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور پرویز صاحب کی مالی اعانت بھی کیا کرتے تھے۔ اس مالی معاونت کا اعتراف دبے لفظوں میں طلوع اسلام میں بھی موجود ہے، خود پرویز صاحب فرماتے ہیں:

"صدر ایوب (مرحوم) سے میرے خاص روابط تھے، لیکن میں نے ان سے بھی کبھی کچھ نہیں مانگا تھا (جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے) وہ میرے لٹریچر میں بڑی دلچسپی لیتے تھے (ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا) کہ انہیں میری کوئی کتاب خاص طور پر پسند آئی تو انہوں نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ اس کی اشاعت وسیع تر ہو، اس کے لئے میں اپنی طرف سے بطور اعانت کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔" اس سے زیادہ میں نے ان سے بھی، نہ کچھ لیا، نہ مانگا) اس میں البتہ ایک استثناء ہوئی۔" ❷

صاحبِ اقتدار اور ایوان اقتدار سے یہ تعلق بجائے خود ایک "عظیم مفاد" ہے۔

طلوع اسلام کا مطالعہ فوج میں لازم کیا گیا

ایک اور "مفاد" کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اس مفاد کا ثبوت ظاہر ہے کہ پرویز صاحب کی زندگی میں تو ممکن نہ تھا کہ طلوع اسلام میں شائع ہو جاتا۔ لہٰذا جب تک وہ زندہ رہے، حصول مفاد کا یہ ثبوت منظر عام پر نہ آ سکا۔ لیکن مرگِ پرویز کے بعد، وابستگان طلوعِ اسلام، پرویز صاحب کی روایتی احتیاط کو ملحوظ نہ رکھ سکے اور میجر جنرل ...... کے قلم سے یہ ثبوت مُجلّہ کے دامن

---

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۷۴ء، صفحہ ۲۲ ❷ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۸۴ء، صفحہ ۴۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بایں الفاظ ثبت ہو گیا۔

''یہ شاید ۱۹۶۱ء کا ذکر ہے۔ پرویز صاحب میرے ہاں پنڈی آئے، انہیں فیلڈ مارشل ایوب خاں نے ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ ایوب خاں کے کان میں بھی اس نئی سوچ کی بھنک پڑی، انہیں پسند آئی اور پھر انہوں نے چاہا کہ یہ سوچ دور دور تک پہنچنی چاہئے، چنانچہ مجھے یاد ہے کہ فوج میں ایک باقاعدہ مراسلہ آیا جس میں طلوعِ اسلام کی فکر کو سمجھنے اور عام کر دینے کی ترغیب دی گئی تھی۔'' ❶

ایوب خاں کو جماعت اسلامی کے خلاف مشورۂ پرویز

''مفکرِ قرآن'' جناب غلام احمد پرویز صاحب کو مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے خلاف جو کینہ و کدورت، بغض و حسد، عداوت و عناد اور حقد و تعصب تھا، وہ ہر اُس شخص پر عیاں ہے جس نے سرسری طور پر بھی طلوعِ اسلام کی فائل پر نظر ڈالی ہو۔ وہ جماعت اسلامی اور اس کے بانی کی مخالفت میں اس قدر پُر جوش اور سرگرمِ عمل تھے کہ پاکستان بننے کے بعد شاید ہی طلوعِ اسلام کا کوئی ایسا پرچہ ہو جس میں جماعت اور مولانا مودودیؒ کی بالواسطہ یا بلا واسطہ مخالفت نہ کی گئی ہو۔ وہ جماعت کو میکیاولی سیاست کے علمبردار اور شریعت کے نقاب میں روباہ باز جماعت کہا کرتے تھے اور اسے مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا کرتے تھے، عداوت و مخالفتِ جماعت کی آگ، ان کے سینہ کی بھٹی میں ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ ان کا دماغ جماعت کے خلاف آتشِ غضب و عداوت میں ہر وقت کھولتا رہتا تھا۔ اس جماعت کے متعلق اگر ''مفکرِ قرآن'' صاحب ایوب خاں جیسے ہمہ مقتدر حکمران کو، مشورہ دیں تو وہ یقیناً کوئی خیر خواہانہ مشورہ نہیں ہو سکتا، بلکہ بغض و عناد کے زہر میں بجھا ہوا ہی کوئی مشورہ ہو سکتا ہے اور یہ بات بہرحال، ثابت ہے کہ جماعت اسلامی کے متعلق پرویز صاحب نے صدر ایوب خاں کو مشورہ دیا تھا۔

''قدرت اللہ شہاب جیسے لوگ، جو ایوبی دور میں کلیدی حیثیت کے حامل تھے،

---

❶ طلوعِ اسلام، ستمبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۴۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بفضل خدا زندہ ہیں، ان کے حافظے میں یہ تو محفوظ ہے کہ اس دور میں پرویز صاحب نے جماعت اسلامی کے متعلق کیا مشورہ دیا تھا۔'' ❶

پھر یہ بات بھی ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ایوبی دور میں جماعت اسلامی اور اس کے امیر شدید ابتلاء و آزمائش میں سے گزرے تھے۔ حتیٰ کہ جماعت اسلامی کو سرکاری طور پر کالعدم قرار دے دیا گیا تھا، جسے بعد میں سپریم کورٹ نے بحال کر دیا۔ ایوبی حکومت کو جس کی پشت پر، پرویز صاحب کے ''مفکرانہ مشورے'' اور ''دانشورانہ تجاویز'' اور ''بصیرت افروز'' تدابیر بھی موجود تھیں، اس عدالتی جنگ میں شکست فاش ہوئی تھی۔ اسی ایوبی دور میں مولانا مودودیؒ کو سزائے جیل بھی دی گئی تھی۔

کیا اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرویز صاحب نے ارباب اقتدار سے اپنے روابط کے باعث کوئی مفاد نہیں اٹھایا؟ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے ہر صاحب اقتدار سے تعلق رہے ہیں۔ جاگیر و فیکٹری نہ لینے کے باوجود بھی وہ متنوع انداز میں ارباب بست و کشاد سے متمتع ہوتے رہے ہیں۔ جلب منفعت کی صورت میں بھی اور اپنے مخالفین کے خلاف اپنے نفس حسد پرست کی تسکین کی صورت میں بھی۔

کر و خود اور الزام دوسروں پر لگاؤ

لیکن اپنی خامی کو چھپانے کے لئے وہ الٹا الزام علماء کرام پر لگایا کرتے تھے کہ ''مذہبی پیشوائیت'' اور ''اقتدار و ملوکیت'' میں ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا کرتا ہے اور پھر اس گٹھ جوڑ کی تان یہاں آ کر ٹوٹا کرتی تھی کہ...... ''پاکستان میں ملائیت کے منظم ادارے کے سرخیل سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں''...... اب اگر واقعی یہ حقیقت ہے کہ ''ملائیت'' اپنے دور کی ''ملوکیت و اقتدار'' کی حامی ہوتی ہے، تو پھر (مولانا مودودی اور جماعت اسلامی، آخر کس قسم کی ''ملائیت'' ہیں جو ارباب حکومت اور اہل اقتدار کی حامی و ناصر ہونے کی بجائے، ہر حکومت کے خلاف رہے ہیں، حقائق کی روشنی میں ''ملائیت'' کا مصداق پاکستان میں تحریک طلوع اسلام سے بڑھ کر اور

---

❶ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۵۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون سی تحریک ہو سکتی ہے۔ جس کے سرخیل نے ارباب حکومت کی بہتی گنگا سے ہمیشہ ہاتھ دھوئے ہیں۔ ہر حکمران سے خوشگوار تعلقات استوار کئے رکھے ہیں۔ ہر سربراہ پاکستان سے راہ ورسم برقرار رکھی ہے۔ مخفی دروازوں سے ارباب حکومت کے ساتھ ''شریفانہ معاہدے'' کرتے رہے ہیں۔ ارباب اقتدار سے مالی اعانت وصول کرتے رہے ہیں۔ اپنے صحافی آرگن کو، ان گوشوں تک پہنچاتے رہے ہیں جن تک پہنچنا اہل اقتدار کی اشیرباد کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اپنے فکری حریفوں کو نیچا دکھانے کے لئے، ارباب اقتدار کے ساتھ اپنے روابط کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ اپنے مخالفین کے خلاف، ''مرکزانِ ملت'' کے ذریعہ وہ کچھ کرتے رہے ہیں جو ان کے نفس حسد پرست کی تسکین کا ذریعہ بن سکے۔

لیکن یہ سب کچھ کر ڈالنے کے بعد ذرا اس دیدہ دلیری کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے ساتھ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ یہ جھوٹ بھی بولا جاتا ہے کہ طلوع اسلام اپنے خوئے ''حق گوئی'' کو قائم رکھنے کے لئے اقتدار کے ایوانوں سے دور رہا ہے۔

> ''تشکیل پاکستان کے بعد بھی اس نے ارباب حل وعقد کو ہر دور اہے پر للکارا، اور انہیں قرآن کے تجویز کردہ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی۔ وہ ان کی بارگاہوں سے دور دور رہا تاکہ وہاں کی سحر انگیز فضائیں، اس کے جذبۂ حق گوئی و بے باکی کو نرم خیز نہ بنا دیں حتیٰ کہ یہ ملک کی عملی سیاسیات سے بھی کنارہ کش رہا۔'' ❶

''مفکر قرآن'' کا کذبِ خالص

بعض اوقات، ''مفکر قرآن'' صاحب انتہائی متانت وسنجیدگی از حد وقار وشائستگی نہایت سلیقہ وقرینہ اور بکمال اعتماد ووثوق ایسا جھوٹ بولا کرتے تھے کہ ناواقف آدمی تو فوراً ہی اسے سچ سمجھ لیتا۔ مگر حقیقت حال سے شناسا شخص وقف حیرت واستعجاب ہو جاتا اور یہ سوچنے لگ جاتا کہ کتاب اللہ کا یہ ''مفسر'' اور قرآن کریم کا یہ ''مفکر'' کس قدر دیدہ دلیری اور دھڑلے سے جھوٹ بولتا ہے۔ اسے نہ آخرت میں اللہ کے ہاں اپنی جوابدہی کا احساس ہے اور نہ دنیا

---

❶ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۱ء، صفحہ ۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مخلوق ہی سے شرم وحیا کا پاس ہے۔ پھر وہ محض بولتا ہی نہیں کہ الفاظ کے بھاگ ہوا میں تحلیل ہو جائیں اور اس جھوٹ کا نام ونشان ماسوائے اس کے اپنے نامۂ اعمال کے کہیں باقی نہ رہے، بلکہ اسے ضبط میں لا کر صفحۂ قرطاس پر محفوظ بھی کر ڈالتا ہے۔ ''مفکر قرآن'' صاحب کے ایسے اکاذب واباطیل یوں تو ہر عنوان اور ہر پہلو سے موجود ہیں لیکن یہاں موضوع کی مناسبت سے ان کا ایسا جھوٹ پیش کیا جا رہا ہے جو قطعی بے اصل، بے بنیاد اور بے حقیقت ہے اور جس میں صداقت کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

''مذہبی پیشوائیت'' کے ظالمانہ اور مستبدانہ اقتدار کی قباحت وشناعت کی نہایت گھناؤنی تصویر پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> ''جس زمانے میں ہماری مذہبی پیشوائیت، ذی اقتدار تھی مسئلہ تقدیر کے ضمن میں خون مسلم کی جس قدر ارزانی ہوئی اور جو قتل وغارت گری اس فتنۂ ارتداد کو دبانے کے لئے روا رکھی گئی، اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔'' ❶

اب معلوم نہیں کہ ''مفکر قرآن'' صاحب، اگر زندہ ہوتے تو ان سوالات کا کیا جواب دیتے کہ مذہبی پیشوائیت، کس دور میں ''ذی اقتدار'' تھی؟ کس سرزمین میں ''ذی اقتدار'' تھی؟ وہ کون سی تھیا کریٹک شخصیت تھی جو ''ذی اقتدار'' تھی؟ مذہبی پیشوائیت کے ''ذی اقتدار'' ہونے کا سن وسال کیا تھا؟ اور اُس ''ملا'' کا نام کیا تھا جو ''ذی اقتدار'' تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ خلافت راشدہ سے لے کر، دور حاضر تک کبھی کوئی عالم دین، کوئی مفسر قرآن، کوئی محدث ذی شان اور کوئی فقیہ عالی مقام، کسی مقام پر، کبھی بھی، ''ذی اقتدار'' نہیں رہا۔ یہ صرف ''مفکر قرآن'' کا اپنا خود ساختہ جھوٹ ہے، جس کی کوئی تائید، مسلمانوں کی تاریخ کی کسی گری پڑی کتاب سے بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ ہم اس کذب خالص کا نرا جھوٹ ہونا، طلوع اسلام ہی کے اوراق سے پیش کئے دیتے ہیں، تاکہ اس دروغ بے فروغ پر ایمان لانے والے، اس تحریر کے آئینے میں ''مفکر قرآن'' کا سراپا ملاحظہ فرما سکیں۔

---

❶ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۴۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"چودہ صدیوں میں کبھی بھی مسلمانوں نے مولویوں کے ہاتھ میں حکومت نہیں دی۔ اس لئے کہ وہ حکومت چلانے کی ضروری تربیت سے محروم تھے۔" ❶

اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ "مفکر قرآن" جھوٹ بولنے میں کس قدر جری اور جارح واقع ہوئے ہیں۔ نازیوں کے گوئبلز بھلا ہمارے اس "قرآنی گوئبلز" کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

مذہبی پیشوائیت ہے کیا؟

اب اس کے بعد، یہ بھی دیکھ لیجئے کہ مذہبی پیشوائیت کی تعریف (Definition) بیان کرنے میں وہ کس طرح دور کی کوڑی لاتے رہے ہیں۔ چونکہ یہ اصطلاح ان کی اپنی خود ساختہ تھی، اس لئے اس کی تعریف بھی ان ہی کے نہاں خانۂ دماغ کی پیداوار تھی۔ چونکہ ان کے دماغ میں ہر آن خیالات و گمانات کی نئی لہریں اٹھتی رہتی تھیں، اس لئے یہ تعریفات بھی ہر جدید لہر کے ساتھ بدل جایا کرتی تھیں۔

پھر یہ تعریفات کسی بے لاگ تجزیہ کے بعد علمی تحقیق پر مبنی نہیں ہوا کرتی تھیں، بلکہ یہ کسی مُلّا یا اس کے حلیہ یا اس کے طرزِ عمل کے ردِ عمل پر موقوف ہوا کرتی تھیں۔ علماء کرام چونکہ اتباعِ سنت نبوی میں ڈاڑھی رکھنے کے عادی ہیں اس لئے ایسے باریش علماء کا کسی ایک جگہ اس طرح انعقادِ احتفال کرنا کہ اس میں کوئی بے ریش فرد نہ ہو، "مفکر قرآن" کے نزدیک "پریسٹ ہڈ" قرار پاتا تھا۔ چنانچہ اسلامی دستور کے خاکہ کی تیاری میں اکتیس علماء کا جو اجتماع کراچی میں منعقد ہوا تھا، اس کے "پریسٹ ہڈ" ہونے کی وجہ، صرف یہ تھی کہ اس میں کوئی ایک فرد بھی بے ریش نہ تھا، سب کے سب ڈاڑھی والے تھے۔

> "خود ان اکتیس علماء کی فہرست کو اٹھا کر دیکھئے، جنہوں نے کراچی میں، اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا تھا، اور جو آج کل دستور سے متعلق تنقیدی بحث کے لئے پھر کراچی میں جمع ہوئے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کسی دینی درس گاہ کی باضابطہ سند نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ دین میں Authority کا درجہ

---

❶ طلوع اسلام، اگست ۱۹۸۱ء، صفحہ ۲۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں اس کے برعکس، اس فہرست میں، کسی ایک داڑھی منڈے کا بھی نام نہیں۔ یہ ہے "پریسٹ ہڈ"۔" ❶

ایک اور مقام پر ملائیت کی تعریف Definition ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"ملائیت کے معنی یہ ہیں کہ دین کے احکام کے لئے، نظام اسلامی کے مرکز کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، افراد کی طرف رجوع کیا جائے، اور یہ حق نمائندگان ملت کو نہ دیا جائے، بلکہ دوسرے افراد کو دیا جائے کہ وہ ملت کے لئے شریعت کا قانون مرتب کریں، یہ ہے پیشوائیت یا ملائیت۔" ❷

اب ظاہر ہے کہ ملائیت کے بالمقابل "قرآنیت" یہ ہے کہ:

"احکام دین کے لئے قرآن سے استنباط و استخراج کیا جائے اور یہ کاوش بھی انفرادی نہیں بلکہ نمائندگان ملت کی اجتماعی کاوش ہوگی۔" ❸

تین قابل غور امور

یہاں تین باتیں، قابل غور ہیں:

اولاً...... یہ کہ اسلامی زندگی کے احکام کا مصدر ومخرج، تنہا قرآن نہیں بلکہ قرآن وسنت، دونوں ہیں۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں جو اسلامی حکومت قائم تھی، اس کا آئین و دستور بھی تنہا قرآن نہیں، بلکہ قرآن کے ساتھ، سنت رسول بھی تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ یہ اقتباس ایک کٹر منکر حدیث، اسلم جیراجپوری صاحب کا ہے، جو "مفکر قرآن" صاحب کے استاد تھے اور جس کتاب سے یہ اقتباس ماخوذ ہے وہ طلوع اسلام ہی کے ایک ادارہ میزان پبلی کیشنز کی شائع شدہ ہے:

"خلافت راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآن اور سنت پر تھی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا جس کے بارے میں کوئی صریح حکم ان دونوں میں نہ ملتا تو امثال اور نظائر

---

❶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۷ ❷ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۶

❸ خلاصۂ عبارت ماخوذ از طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵۹ + اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۲۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قیاس کر کے اس کا حکم نکالتے تھے۔ خلیفہ استنباط مسائل میں دیگر علماء و مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتا تھا، بلکہ اکثر خود ان سے سوال کرتا یا اپنے اجتہاد میں مدد لیتا تھا۔ اگر کسی امر میں سب لوگ متفق ہو جاتے تو اس کا اتباع لازمی ہو جاتا۔ اسی کو اصطلاح فقہ میں اجماع کہتے ہیں اور اگر باہم اختلاف ہوتا تو خلیفہ ان میں سے کسی صورت کو ترجیح دے کر اس کے مطابق حکم دیتا تھا۔ الغرض خلیفہ کو کوئی تشریعی اختیار یا کوئی اس قسم کی دینی ریاست حاصل نہ تھی کہ وہ جو چاہے حکم دے دے، وہی مذہبی مسئلہ قرار پا جائے، بلکہ وہ احکام دینی کو صرف نافذ کرنے کا مجاز تھا۔'' ❶

لہٰذا، پہلی بات تو یہی غلط ہے کہ خلافت راشدہ میں قوانین و احکام کا سرچشمہ صرف قرآن تھا اور سنت رسول، ماخذ اسلام نہ تھی۔

ثانیاً ...... خلافت فاروقی میں عرب و ایران اور عراق و مصر پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض مملکت میں لوگوں کے لئے یہ بات نہ تو عملاً ممکن ہی تھی اور نہ ضروری ہی تھی کہ اپنے ہر مسئلے کے حل کے لئے وہ ''مرکز ملت'' کی طرف رجوع کرتے اور وہاں سے ''نمائندگان ملت کے اجتماعی اجتہاد'' پر مبنی فیصلہ پا کر واپس لوٹتے۔ لامحالہ صورت حال یہی تھی کہ ہر جگہ کے لوگ اس عالم ہی طرف رجوع کرتے تھے جو علم و تقویٰ، فہم و فراست، درک و بصیرت اور اجتہاد و استنباط میں دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ ایسے صاحب علم و فضیلت لوگوں کو حضرت عمرؓ مختلف امصار و دیار میں معلم بنا کر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ عامۃ الناس کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی شہادت کے وقت اللہ کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان میں ایک، تعلیم سنت رسول کا عمل بھی تھا۔

((قال اللهم انی اشهدك علی امراء الامصار فانی انما بعثتهم ليعلموا الناس دينهم و سنة نبيهم .)) ❷

❶ تاریخ الامت، ج ۲ ص ۲۵۷ ❷ ابن سعد، ج ۳، ق اوّل، صفحہ ۲۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"(عمر رضی اللہ عنہ نے کہا) "خدایا! میں تجھ کو شہروں کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائیں......"

اگر کسی جگہ کا حکمران، دینی بصیرت کے اعتبار سے یا سیرت کے لحاظ سے، ان اصحاب علم وتفقہ سے کمتر ہوتا، تب بھی عقل اسے باور کرنے سے گریز کرتی ہے کہ صاحب معاملہ، فہم و فراست والے علماء کو چھوڑ کر اُسی خام بصیرت حکمران ہی سے اپنے مسائل کا شرعی حل دریافت کرتا۔ محض اس لئے کہ حکمران ہی "نمائندگان ملت کے اجماع" پر مبنی شرعی حکم دینے کا مجاز تھا اور علماء کا شرعی مسئلہ بتانا، اولاً انفرادی حیثیت سے ہوتا۔ ثانیاً "قرآنیت" کے مخالف ہوتا، ثالثاً "ملائیت" کے مطابق ہوتا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کے عہد حکومت میں کوفہ کا گورنر ولید بن عقبہ بن ابی معیط تھا جو علم وعمل کے اعتبار سے، اسی مقام پر موجود، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے بلند پایہ صاحب علم وفضل، اصحاب رسول سے بہت فروتر تھا، ایسی صورت میں:

"وہاں اگر کسی کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا ہوگا تو وہ اس معاملہ کے متعلق شریعت کا حکم پوچھنے کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص یا ابوموسیٰ اشعری جیسے صحابۂ کبار کی طرف رجوع کرتا ہوگا یا ولید بن عقبہ کی طرف؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے کوئی شخص، ولید بن عقبہ کی طرف نہیں جاتا تھا بلکہ سب مسلمان، ان عظیم المرتبہ حضرات صحابہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔" ❶

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں جلیل القدر صحابہؓ، جنہوں نے براہ راست قرآن حضور سے سیکھا تھا، قرآن کا اتنا فہم بھی نہیں رکھتے تھے جتنا ہمارے "مفکر قرآن" صاحب کو حاصل ہے، اور وہ ہر آنے والے کو اس کے ہر معاملے کا حکم شریعت، "انفرادی طور پر" بتاتے رہے، حالانکہ نہ وہ "مرکز ملت" تھے، اور نہ ہی "نمائندگان امت" تھے اور کبھی کسی پوچھنے والے کو یہ

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کہا کہ ''...... بھائی! ''قرآنی حکومت'' میں، میں انفرادی اجتہاد کے ذریعہ تمہیں حکم شریعت نہیں بتا سکتا۔ تمہیں میرے پاس آنے کی بجائے، خلیفۂ ثالث کے پاس جانا چاہئے جو ''مرکز ملت'' کی حیثیت سے آج کا ''اللہ اور رسول'' ہے، کیونکہ وہی ''نمائندگان ملت کے اجتماعی اجتہاد'' کے ذریعہ تمہیں حکم شریعت بتانے کا مجاز ہے'' ...... اور اس پر مستزاد استعجاب بالائے استعجاب یہ امر ہے کہ لوگ بھی ان ''ملاؤں'' کی ''مذہبی پیشوائیت'' کو قبول کیے ہوئے تھے اور کسی بھی ''مفکر قرآن'' نے اُس دور میں ان رفیع المرتبت صحابہ کرام کو یہ نہیں بتایا کہ۔

''مذہبی پیشوائیت کا تصور ہی قرآن وسنت کے خلاف ہے۔'' ❶

اب ایک طرف تو یہ کچھ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف بڑے دھڑلے سے خلافت راشدہ کی خوبی ہی یہ بتائی جاتی ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں مذہبی پیشوائیت کا نام تک نہیں ملتا۔'' ❷

اس اقتباس میں، مذہبی پیشوائیت کے وجود کی نفی ...... عہد رسالت مآب ...... اور ...... خلافت راشدہ دونوں کے ادوار میں کی گئی لیکن ''مفکر قرآن'' نے ایک اور جگہ، عہد نبوی میں غیر مستعدی ''مذہبی پیشوائیت'' کے وجود کا یہ کہہ کر انکشاف کیا ہے کہ:

''اس وقت جو کچھ اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اسے قرآن کے ترازو میں تول کر دیکھ لیا جائے۔ جو کچھ اس پر پورا اترے، اسے صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا جائے، جو کچھ غلط ثابت ہو اسے مسترد کر دیا جائے۔ لیکن مذہبی پیشوائیت نہ نزول قرآن کے زمانہ میں اس کے لئے آمادہ ہوئی تھی نہ اب آمادہ ہوگی۔'' ❸

رہا خلافت راشدہ کا دور، تو دین ودنیا میں تفریق وثنویت کا دروازہ (جس کے نتیجہ میں ''ملائیت'' اور ''ملوکیت'' پیدا ہوئی) کھلا ہی دورِ عثمانی میں تھا جس کا حوالہ مع اقتباس آگے

---

❶ خلاصۂ عبارت، طلوع اسلام، اپریل ۱۹۵۹ء، صفحہ ۱۲ ❷ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۶۷ء، صفحہ ۳۲

❸ طلوع اسلام، اگست ۱۹۷۳ء، صفحہ ۳۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ رہا ہے۔

ثالثاً...... یہ کہ ہمارے ''مفکرِ قرآن'' کا اپنا طرزِ عمل بھی ''خلافِ قرآن'' تھا اور ملائیت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا وہ خود، نہ تو پاکستان میں ملت اسلامیہ کے ''مرکزِ ملت'' تھے اور نہ ہی یکے از ''نمائندگانِ ملت'' تھے۔ وہ اس کے باوجود اپنے ''انفرادی اجتہاد'' ہی سے لوگوں کو ان کے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم بتایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے طلوعِ اسلام میں ''باب المراسلات'' کا ایک مستقل عنوان قائم کر رکھا تھا تاکہ ان کے مسائل و مشکلات کا شرعی حل (اپنے انفرادی ''اجتہاد'') سے دے سکیں۔ انہوں نے کبھی کسی سائل اور مستفسر کو یہ نہیں کہا کہ...... میاں! میں نہ تو ''مرکزِ ملت'' ہی ہوں اور نہ ہی ملت اسلامیہ کا ''نمائندہ'' ہوں۔ لہٰذا میں اپنے ''انفرادی قیاس و اجتہاد'' کی بناء پر تمہارے مسائل کا شرعی حل پیش کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ اگر میں ایسا کروں تو یہ ''ملائیت'' ہوگی، ''قرآنیت'' نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہم سب کے لئے شرعی طرزِ عمل، صرف یہی ہے کہ ''مرکزِ ملت'' کو وجود میں لانے کی جان توڑ جدوجہد کریں اور جب تک یہ نہیں ہوتا، اس وقت تک تمہارے مسائل کے شرعی حل بھی اور خود قرآن کریم بھی معطل رہیں گے۔''

کیا ستم ظریفی ہے کہ اگر ''مفکرِ قرآن'' صاحب، نکاح و طلاق، وراثت و وصیت، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، قربانی و اضاحی، معیشت و معاشرت، سیاست و عمرانیات، مزارعت و مخابرت، حدود و تعزیرات اور عدلیہ و انتظامیہ وغیرہ کے متعلق امور پر قلم کشی کرتے جائیں، تو ان سب کا مجموعہ ''قرآنی فیصلے'' قرار پاتے ہیں۔ لیکن اگر فقہاء کرام قرآن و سنت کی بنیاد پر تدبر و تفکر فرمائیں اور اپنے نتائج فکر کو قلمبند کریں تو یہ ''مذہبی پیشوائیت'' کا ''عجمی اسلام'' قرار پائے۔

خلاصۂ بحث

الغرض، حقائق کی روشنی میں اگر بے لاگ تحقیق کی جائے تو ''ملائیت'' کا ادارہ طلوعِ اسلام کا ادارہ ہے، نہ کہ جماعت اسلامی کا۔ اس لئے کہ اقتدارِ وقت کے ساتھ ''ملی بھگت'' اور راہ و رسم کا رویہ اوّل الذکر ہی نے اپنائے رکھا ہے نہ کہ مؤخر الذکر نے۔ اور اس لئے بھی کہ اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مفکرِ قرآن'' کے نزدیک ''ملائیت'' اس چیز کا نام ہے کہ...... دین کے احکام جاننے کے لئے نظامِ اسلامی کے مرکز کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، افراد کی طرف رجوع کیا جائے، اور یہ حق نمائندگانِ ملت کو نہ دیا جائے، بلکہ دوسرے افراد کو دیا جائے کہ ملت کے لئے شریعت کا قانون مرتب کریں۔ تب بھی ''مفکرِ قرآن'' خود ایسا کرنے کی بنا پر ''ملائیت'' کے مصداق قرار پاتے ہیں۔ لیکن کرو خود، مگر الزام دوسروں پر لگاؤ'' کی پالیسی کے تحت ''ملائیت'' ''مذہبی پیشوائیت'' ''پریسٹ ہڈ'' اور ''تھیا کریسی'' کی اصطلاحات کی آڑ میں، وہ نشانہ علماء کرام، محدثین عظام اور مفسرین و مجتہدین کو بناتے رہے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تین وجوہ ہیں۔

اولاً...... یہ کہ قرآن و سنت پر اساس پذیر، جس دین کے علماء کرام علمبردار ہیں وہ دین چونکہ ''مفکرِ قرآن'' صاحب کے اس مذہب سے کلی منافات رکھتا ہے، جس کے معاشی نظام کو اشتراکیت سے اور معاشرتی طور طریقوں کو تہذیبِ مغرب سے قرآن کریم کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ اس لئے قرآن و سنت پر مبنی اسلام کی مخالفت کے لئے ''ملا'' اور ''ملائیت'' کی اصطلاحات وضع کی گئی ہیں تاکہ اسلامی شعائر اور دینی ثقافت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کے لئے ان اصطلاحی الفاظ سے پردے کا کام لیا جائے اور کھلے عام دین اور اسلام کا نام لے کر اسے مطعون کرنے کی بجائے ''ملائیت'' کی آڑ میں اسے نشانہ بنایا جا سکے۔

ثانیاً...... یہ کہ ''مصلحت'' اور ''حسنِ تدبیر'' کا بھی یہی تقاضا تھا کہ براہ راست اسلام اور اس کے مبادیات و مبانی اور اس کے ثقافتی علائم و آثار کو نشانہ نہ بنایا جائے تاکہ مسلمان، مشتعل نہ ہونے پائیں۔ اس لئے اسلام سے تنفر اور گریز پیدا کرنے کے لئے حکمتِ عملی یہ اپنائی گئی کہ اس کی ایک ایک چیز کو مطعون تو کیا جائے، لیکن اسلام کے نام پر نہیں بلکہ ''ملائیت'' کے نام پر ایسا کیا جائے۔

ثالثاً...... یہ کہ چونکہ قرآن و سنت پر مبنی اسلام کے علمبردار، علماء کرام ہیں۔ اس لئے عامۃ الناس کو ان سے برگشتہ کرنے کے لئے جس اصطلاح کو کارگر سمجھا گیا، وہ ''ملا'' کی اصطلاح تھی۔ اس لفظ میں سارے جہان کی نفرتوں کو سمیٹ کر اسے ہر اس عالمِ دین پر چسپاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا گیا، جو پرویزی نظریات کا مخالف اور قرآن وسنت کا شیدائی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ پراپیگنڈہ کیا گیا کہ "ملا" قرآن سے جاہل، کتاب اللہ کا منکر، فہم وفراست سے عاری، عقل ودانش کا دشمن اور تقاضاء وقت سے نابلد ہے اور کبھی دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے، اس لفظ کو کسی گندی اور گھناؤنی صفت کا موصوف بنا کر، مرکب توصیفی کی صورت میں پیش کیا گیا۔ مثلاً کوڑھ مغز ملا وغیرہ۔ پھر اس لفظ (ملا) کی کمان سے جو تیراندازی کی جاتی ہے اِس کا نشانہ اور ہدف صرف دور حاضر کے علماء کرام ہی نہیں بنتے ہیں بلکہ سلف وخلف کے جملہ اکابرین تک اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث، حضرت عثمان بن عفانؓ بھی اس تیرافگنی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ دین ودنیا کی تفریق اور ثنویت کے نتیجہ میں "ملائیت" کی جو عمارت آج منکرین حدیث کو دکھائی دے رہی ہے۔ اس کی پہلی اینٹ، انہوں نے ہی رکھی تھی، کب؟ جب (بقول پرویز صاحب) صحابہ کرامؓ کو انہوں نے مدینہ سے باہر جانے کی کھلی چھٹی دے دی تھی اور وہ مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے تھے۔

> "اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روزمرہ کے معاملات کے متعلق لوگ، صحابہؓ کی بیان کردہ روایات کو معمول بہا بنانے لگ گئے اور نمائیدگان حکومت کے فیصلوں کا دائرہ سمٹتے سمٹتے انہی امور تک محدود ہو کر رہ گیا جن کا تعلق سلطنت کے انتظامی امور سے تھا۔ اس سے نہ صرف اجتماعیت کی جگہ انفرادیت ہی آ گئی، بلکہ اِس سے دین ودنیا کی ثنویت کی پہلی اینٹ بھی رکھی گئی جس نے آگے چل کر وہ تباہی پیدا کی جس سے مسلمان اس وقت تک نہیں پنپ سکا۔" [1]

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے فرد اعمال میں ہمارے "مفکر قرآن" صاحب یہ جرم بے گناہی صرف اس لئے ڈال رہے ہیں کہ اپنا اُلو سیدھا کر سکیں اور ایسا کرنے کے لئے انہیں کبھی بھی مسخِ حقائق، تقلیبِ امور یا تنکیسِ واقعات میں دریغ نہیں ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد دین ودنیا میں جس ثنویت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے وہ کسی مفسر قرآن، محدث

[1] طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذی اکرام، فقیہہ ذی شان یا عالم دین کی پیدا کردہ نہیں تھی بلکہ اس دور کے ''مرکز ان ملت'' کی ایجاد تھی۔ لیکن پھر بھی علماء کرام پورے اسلام کو بلا کم و کاست پیش کرتے رہے ہیں اور امت مسلمہ میں مرور ایام کے ساتھ جو مسائل بھی پیدا ہوئے وہ انہیں مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ قرآن وسنت کی بنیاد پر حل کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ زمانہ نے کروٹ بدلی اور امت میں روحِ اجتہاد اور جذبۂ جہاد سرد پڑتا چلا گیا۔ شاید یہ صدیوں کی حکومت کے بعد تھک کر سو جانے کا نتیجہ تھا اور جب یہ غفلت کے ماتے، نیند سے بیدار ہوئے، تو مسیحی یورپ، سیف وقلم کے ساتھ، عالم اسلام پر دھاوا بول رہا تھا اور مسلمانوں کی بستیاں پے در پے کفار کے قبضہ میں جا رہی تھیں۔ مغرب کی غالب اور مستولی اقوام اپنے مقبوضات میں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنا فکر و فلسفہ رائج کرنے کے لئے، نظام تعلیم کے ساتھ ساتھ پورا نظام حیات لے کر آئے تھے، جس کے نتیجہ میں مفتوح اقوام کے خیالات اور طبائع میں عظیم الشان انقلاب واقع ہوا۔ جدید تعلیم اور جدید تہذیب نے اسلام اور اس کے اصول وقوانین میں قرآن اور اس کی تعلیمات، سنت رسولؐ اور اس کی ہدایات میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے جو قلب و روح میں بے چینی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ ایمان و عمل میں بھی اضمحلال کا باعث بن گئے۔

ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ:

اس صورت حال میں ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے جو عقلیت کا بڑا دعویدار ہے، ایک ایسی روش اختیار کی جو سراسر عقل کے خلاف ہے، اس روش پر چلتے ہوئے، اس میں ایسے متناقض اصول جمع ہو گئے ہیں جن کے مجموعہ کو عقلیت سے موسوم کرنا عقلیت کو بے عقلیت کا ہم معنی بنا دینا ہے۔ عقلیت کا اولین اور بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں بھی کوئی رائے بلا تحقیق قائم نہ کی جائے اور تحقیق کا معنی یہ ہے کہ انسان دوسروں کی جیب میں اپنے ایمان ڈال کر، ان کی اندھی تقلید کرنے کی بجائے خود اپنی سعی و کاوش سے حقیقت کا سراغ لگائے اور جس مسئلہ کی حقیقت وہ معلوم کرنا چاہتا ہے اس کی بابت زیادہ سے زیادہ صحیح اور معتبر ذرائع سے معلومات فراہم کرکے ان سے بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ پھر ایک صاحب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل و دانش، محقق کی شان یہ ہے کہ (۱) نہ وہ وہم و گمان اور شک و شبہ پر اپنی رائے کی بنیاد رکھتا ہے، اور (۲) نہ ہی وہ دوسروں کی عبارات میں اپنے ہی خیالات کو پڑھنے کا خوگر بنتا ہے اور (۳) نہ ہی وہ یہ بددیانتی کرتا ہے کہ اپنے مخالفین کو مطعون کرنے کی خاطر ان کے قوی دلائل سے صرف نظر کر کے، کمزور باتوں کو زور آزمائی کے لئے تلاش کرتا ہے، اور (۴) نہ ہی وہ چند سنی سنائی باتوں اور چند کتابوں کے سرسری مطالعہ سے سطحی معلومات حاصل کر کے ان پر اعتماد کرتے ہوئے، رائے قائم کرتا ہے۔ لیکن ہمارے دور کے علمبرداران عقلیت اور عقل و دانش کی بنیاد پر قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے دعویدار، ان تمام رذائل و معائب میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ عقلیت کے نام پر، بلا تحقیق، سرسری اور سطحی معلومات پر اپنی رائے قائم کر کے، انہیں بلا تکلف شائع کر ڈالتے ہیں تاکہ اپنے شکوک و شبہات کو دوسروں تک متعدی کر دیں۔ اس مقصد کے لئے خیانت و بددیانتی، دجل و فریب اور کذب و افتراء کے حربے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

ہمارے تعلیم یافتہ طبقے میں سے پرویزی گروہ کا اصل مرض یہ ہے کہ وہ ''تعلیم بلا معلّم''، ''کتاب بدون پیغمبر'' اور ''قرآن بغیر محمدؐ'' کا نرالا مسلک ایجاد کرتے ہیں اور کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے باہمی تعلق کو کاٹ پھینکتے ہیں۔ ان کے نزدیک، ہدایت و نجات کے لئے صرف کتاب اللہ ہی کافی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے براہ راست لوگوں تک پہنچانے کی بجائے، یہ فعل عبث کیا کہ اسے نبی کے واسطہ سے پہنچا دیا اور پھر دوسری غلطی (معاذ اللہ) خدائے قدوس نے یہ کی کہ اقوال و افعال رسول پر مشتمل اسوۂ رسولؐ کی پیروی کے ''اغلال و اصر'' میں لوگوں کو جکڑ دیا۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ یہ برخود غلط لوگ اپنی کوتاہی کو محسوس کرتے جو مغرب کی ذہنی غلامی کے باعث اور حقیقت دین سے بے بہرہ ہونے کے باعث پیدا ہوئی تھی، لیکن انہوں نے اپنی غلط روش پر برقرار رہتے ہوئے کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ یا بالفاظ دیگر قرآن و سنت کے باہمی تعلق کو نظر انداز کر دیا۔ علوم حدیث کا خود تحقیقی مطالعہ کرنے کی بجائے، مستشرقین کی اندھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقلید پر اعتماد کیا۔ احادیث کو پرکھنے اور اس سے اخذ مسائل کے طریقوں کو جاننے کی رتی بھر کوشش نہیں کی۔ کتب احادیث کا مطالعہ اس ذہنیت کے ساتھ کیا، جس کے ساتھ عیسائی، مشنریوں اور آریہ سماجی تحریکوں نے کبھی قرآن کا مطالعہ کیا تھا۔ فقہ کے مآخذ اور اس کے اصولوں کو معلوم کرنے کے لئے معمولی اور قلیل وقت بھی صرف نہیں کیا۔ مگر حال یہ ہے کہ ناقص اور غیر معتبر معلومات کی بنا پر یہ لوگ خود مجتہد مطلق بن کر ایک رائے قائم کرتے ہیں اور پھر بڑے فاضلانہ طمطراق کے ساتھ ایک ایسا مضمون تحریر فرماتے ہیں جس کی ابتداء مولوی پر سب و شتم اور انتہاء اپنے اعلان اجتہاد و تفقہ پر ہوتی ہے۔ ان کے مضامین پڑھنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے کہ جن امور پر یہ لوگ بحث کرتے ہیں ان کی ابجد تک سے ناواقف ہیں لیکن اپنے جہل و بے علمی پر پردہ ڈالنے کے لئے حربہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ اپنے فکری مخالفین کے خلاف طعن و تشنیع کا ایسا شور مچا دیا جائے کہ عامۃ الناس کی نگاہیں ان کے علمی افلاس کی طرف متوجہ ہی نہ ہو پائیں۔ اس امر کی بہترین مثال ''مفکر قرآن'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز کی ذات میں پائی جاتی ہے جو اگرچہ مستشرقین کی اندھی تقلید میں طعن بر حدیث کے سلسلہ میں ان ہی کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کو جب اپنے منہ سے اگلتے ہیں تو انہیں ''دلائل'' کا نام دیتے ہیں، حالانکہ خود ''مفکر قرآن'' صاحب فن حدیث کی ابجد تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ گولڈ زیہر اور شاخت وغیرہ نے تو ممکن ہے کہ اعتراض ڈھونڈنے کے لئے احادیث کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کیا ہو، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' صاحب کا اس فن کے بارے میں اتنا بھی مطالعہ نہیں ہے کہ مبادیات فن ہی سے شناسا ہوں۔ علم حدیث کی بالکل ابتدائی اصطلاحات تک سے قطعی ناواقف اور مطلق بے خبر تھے اور یہ تک نہیں جانتے تھے کہ ضعیف حدیث کسے کہتے ہیں اور اپنی جہالت کی بناء پر وہ ''ضعیف حدیث'' کا معنی ''غلط حدیث'' سمجھتے تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے (بقول طلوع اسلام) یہ فرمایا تھا کہ:

''ایک ضعیف حدیث، اگر کسی مضمون کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کے ضعف سند کی بناء پر اس کا حکم بھی ضعیف ہوجاتا ہے، لیکن اگر متعدد ضعیف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث، ایک مضمون کے بیان کرنے میں متفق ہوں تو چاہے ان میں سے ہر ایک فرداً فرداً بلحاظ اسناد کتنی ہی ضعیف ہو، ان کا مشترک مضمون قوی ہو جاتا ہے۔'' ❶

''مفکر قرآن'' نے اگر واقعی علم حدیث کا (تحقیقی نہ سہی) سرسری مطالعہ ہی کیا ہوتا، تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ضعیف حدیث کا معنیٰ ''غلط حدیث'' نہیں ہے، بلکہ وہ حدیث مراد ہے جس میں صحیح حدیث کی شرائط خمسہ میں سے بعض شرائط مفقود ہوں۔ لفظ ضعیف کا سادہ مدلول ہی یہ واضح کر دیتا ہے کہ اس کا مفہوم ''کمزور'' ہونا ہے، نہ کہ ''غلط'' ہونا۔ لیکن منکرین حدیث کا یہ ''علامہ وفہامہ مفکر قرآن'' ضعیف حدیث کو غلط حدیث کا ہم معنیٰ قرار دیتے ہوئے اپنے جاہل قارئین اور اندھے مقلدین کے سامنے مولانا مودودیؒ کے بیان کردہ اصول حدیث پر یوں تبصرہ اور نکتہ آرائی کرتا ہے۔

''غور فرمایا آپ نے اس اصول پر کہ غلط بات، اگر ایک جگہ لکھی ہوئی ملے تو وہ غلط ہوتی ہے، لیکن اگر وہ دس جگہ لکھی ہوئی ہو تو اسے صحیح سمجھنا چاہیے۔'' ❷

اس ''علامۂ دہر'' کی فن حدیث کے بارے میں علمی بے بضاعتی کی یہی وہ حالت ہے جس کے باعث وہ احساس کمتری کا شکار تھے، اور جو انہیں اس امر پر مجبور کرتی رہی ہے کہ وہ اپنے علمی افلاس کی کسر کو پورا کرنے کے لئے اپنے مخالفین کے خلاف طعن وتشنیع اور استہزاء و تضحیک کی کثرت سے کام لیں۔ طلوع اسلام اور پرویز صاحب کی اس نفسیات کو جناب افتخار احمد بلخی مرحوم نے بایں الفاظ خود واضح کیا ہے۔

''رہی تیسری خدمت یعنی ذوق دشنام طرازی کی تسکین اور اس کے مقتضیات سے عہدہ برآ ہونے اور اخلاقی بضاعت کے افلاس پر فریب و ریاء کے پردے ڈالے جانے کی خاطر جو گالیوں کو باضابطہ ایک ''فن شریف'' بنا کر پیش کئے

---

❶ ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۲۴ بحوالہ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۰

❷ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۷۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے کی صورت میں پوری سرگرمی کے ساتھ انجام دی جا رہی ہے، وہ دراصل اس دور ترقی و تجدد کا ایک مرض ہے جس کے متواتر وپیہم دورے پڑتے رہتے ہیں۔ اس مرض کو آپ ''ملاخولیا'' کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس مرض کی علت وہ احساس کمتری ہے جو تحت الشعور میں جاگزیں ہے یا کتاب و سنت میں درک و بصیرت کے فقدان کا ایک ردعمل ہے جو اس شکل میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔'' ❶

ذوق دشنام طرازی کو ایک فن بنا کر طعن و تشنیع، طنز واستہزاء اور تضحیک کی وہ تیسری خدمت ہے جو تقسیم کار کے اصول سے اس ادارہ (طلوع اسلام) نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

چنانچہ کتاب کے ساتھ، سنت کو بھی دینی حیثیت باور کرنے والے دین دار طبقہ اور اسلام اور شعائر اسلام کی توہین و تذلیل کی خاطر جو ایک اصطلاح ''ملا اور ملائیت'' کی وضع کی گئی ہے، اس اصطلاح کی آڑ میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے، اس فن دشنام طرازی کی بے محابا نمائشیں کی جاتی ہیں۔

یہ تیسری خدمت، اس لئے بھی پوری دلچسپی کے ساتھ ایک مہم کے انداز میں انجام دی جا رہی ہے کہ اخلاقی بضاعت کے افلاس پر فریب و ریاء کے پردے ڈالے جائیں، اور احساس کمتری کے جو یہ حضرات شکار ہیں، تو اس باب میں تسکین خاطر کے کچھ سامان فراہم ہو سکیں۔

اس کے علاوہ علم وفن میں اپنی ناپختہ کاری کی پردہ پوشی بھی اس تیسری خدمت کے پس پردہ مطلوب ہے۔'' ❷

اب رہا قرآن، جسے پیغمبر قرآن سے منقطع کر کے ہتھیایا گیا ہے تو اس کی تشریح و توضیح

---

❶ فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، حصہ سوم، صفحہ ۲۹

❷ فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، حصہ سوم، صفحہ ۴۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تفسیر و تفصیل اس ''عقلِ عیار'' کی روشنی میں کی گئی ہے، جو مغربی علمیات کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے، اور جسے ''مفکرِ قرآن'' صاحب اپنی ''قرآنی بصیرت'' کہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے نام سے انہوں نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے وہ فرنگی معاشرت اور مارکسی اشتراکیت میں بغیر کسی قرآن کے، پہلے سے ہی موجود ہے۔ ان دونوں مآخذ سے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ لے کر، ''مفکرِ قرآن'' صاحب نے، بھان متی کا وہ کنبہ جوڑا ہے، جسے وہ ''قرآنی اسلام'' کہا کرتے تھے۔ قرآن کے نام پر، متفرق اجزائے کفر کو مشرف بالاسلام کرنا، ان کی وہ ''عربی سازش ہے'' ہے، جسے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے ''عجمی سازش'' کے پراپیگنڈے کی ڈھول اڑائی جاتی ہے۔

❀❀❀❀

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۸

جناب غلام احمد پرویز کے ''ایمان بالقرآن'' کی حقیقت

(غیر مطبوعہ مقالہ)

شیطان، اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ وہ اپنی دعوتِ ضلالت کو، ضلالت کے نام سے، اگر پیش کرے گا، تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ ہمیشہ یہ حربہ اختیار کرتا رہا ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت کے روپ میں پیش کرے، جھوٹ کو لباسِ صدق پہنائے، بے دینی کو دین کے بھیس میں سامنے لائے، اور خلقِ خدا کو دھوکہ دینے کے لیے، فریب کار کی بجائے ناصحِ دردمند کا بہروپ اپنائے۔ اگر، وہ، فساد کو صلاح کا نقاب نہ اوڑھائے، اور خود بے نقاب ہوکر سامنے آئے، تو کوئی اس کے فریب میں نہ آئے۔ وہ، اپنی شیطنت کو پارسائیت کے پردے میں پیش کرتا ہے، اور یوں، وہ، ابناءِ آدم کو اپنی مفاد پرستیوں کی بھینٹ چڑھاتا ہے۔ اس ٹیکنیک سے، وہ، بنی نوعِ انسان کو، جس تباہی و بربادی سے ہمکنار کرتا ہے، اس کے سامنے، ہلاکو اور چنگیز خان تو رہے ایک طرف، ہٹلر اور امریکی بش کی تباہیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔

نہ صرف تاریخِ انسانیت، بلکہ اسلام کی سرگزشت بھی، اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ہر عصر و مصر میں، ملحد اور بے دین لوگوں نے، ہدایت کے نام پر ضلالت کو، اسلام کے نام پر بے دینی کو، سچ کے نام پر جھوٹ کو، اور قرآن کے نام پر خلافِ قرآن، افکار و نظریات کو پھیلانے کی مذموم کوششیں کی ہیں۔ ان ہی کوششوں میں ایک کوشش، وہ بھی ہے جو ہمارے دور میں، مغربیت کی ذہنی غلامی اور اشتراکیت کی فکری اسیری میں مبتلا ہوکر، چوہدری غلام احمد پرویز نے، قرآن کریم کے نام پر دامِ ہم رنگِ زمین بچھا کر کی ہے، اس کے نتیجہ میں مغربی معاشرت کے عادات و اطوار کو، اشتراکیت کے معاشی نظام کے ساتھ ملا کر، اس قرآن کے نام پر پیش کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جس کے بغیر ہی، ان سب امور کو، عصر حاضر کی گمراہ قومیں، اپنائے ہوئے ہیں۔

جناب غلام احمد پرویز، تہذیبِ غالب کے یکے از خدّامِ بے دام تھے یا زرخرید غلام تھے؟ اسے ہم، اللہ پر چھوڑتے ہیں جو عالم الغیب و الشھادہ اور علیم بذات الصدور ہے، لیکن یہ بات، بہر حال، واضح ہے کہ جو کام، مغربی ممالک کے ملحد فلاسفہ اور بے دین دانشور، مسلم معاشروں میں، براہِ راست خود نہیں کر سکتے تھے، وہ کام، ہمارے ''مفکر قرآن'' ''قرآنی دانشور'' بن کر کرتے رہے ہیں۔ ان کی پچاس سالہ ''قرآنی خدمات'' کا مغز اور خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ زبان اپنی استعمال کرتے تھے مگر بولی غیروں کی بولتے تھے۔ دماغ تو ان کا اپنا تھا مگر اس میں فکر غیروں کی تھی۔ الفاظ تو وہ قرآن ہی کے استعمال کرتے تھے، مگر ان کے پیکروں میں تصورات، اشتراکیت اور مغربی معاشرت سے مستعار و مستورد تھے، چنانچہ وہ اپنی جن ''قرآنی خدمات'' پر، گولڈن جوبلی منا کر، سطحِ ارض سے بطنِ زمین میں منتقل ہوئے، ان پر یہودی علماء و پیشوا، نصرانی احبار و رہبان، الحاد و دہریت کے پشتی بان، زندقہ و سیکولرزم کے علمبردار، سب خوش و خرم ہو کر، ان کی تعریف و تحسین میں رطب اللسان ہو کر، انہیں، ہدیہ تبریک اور گلہائے تہنیت پیش کرتے ہیں، جب کہ عالمِ اسلام کے علماء، بیک زباں ہو کر، ان پر فتوائے کفر عائد کرتے ہیں۔

''مفکر قرآن'' کی تعلّی آمیز انانیت:

''مفکر قرآن'' صاحب، جس قدر، قرآن، قرآن، کی رٹ لگایا کرتے تھے، اسی قدر، وہ، قرآن سے گریزاں، اور کتاب اللہ سے کنارہ کش تھے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ، اپنے مقابلے میں، جملہ اہل علم کو، قرآن سے بے خبر اور جاہل قرار دیا کرتے تھے، چنانچہ، انانیت کے ساتویں آسمان پر محو پرواز ہوتے ہوئے، وہ، بلا استثناء، تمام علماء کرام کے متعلق، یہ اعلان کیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات، قرآن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ ❶

---

❶ طلوع اسلام، جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور مقام پر، علماء کے خلاف بڑا تحقیر آمیز رویہ اپناتے ہوئے، لیکن غرور و تکبر کی انتہائی بلندیوں پر، براجمان ہوکر، یہ فتویٰ داغتے ہیں

> ہمارا ملا، طلوع اسلام میں، پیش کردہ دعوت کا جواب، دلائل و براہین سے تو دے نہیں سکتا (اس لیے کہ یہ دعوت، قرآن کی دعوت ہے، اور ملا بے چارہ، قرآنی نور سے محروم ہوتا ہے۔) ❶

ایک اور موقع پر، اسی اہانت آمیز لب و لہجہ میں، جو علماء کے خلاف ان کا مستقل وطیرہ تھا، یہ فرماتے ہیں۔

> ملا کے پاس، نہ علم ہوتا ہے، نہ بصیرت، نہ دلائل ہوتے ہیں، نہ براہین۔ ❷

اور مولانا مودودیؒ جن کی گھٹیا مخالفت میں ''مفکر قرآن'' صاحب، مرتے دم تک، پرویزی حیلے اختیار کرتے رہے ہیں، کے متعلق یہ فتویٰ داغتے ہیں

> یہ صاحب، قرآنی حقائق و تصورات کی ابجد تک سے لابلد ہیں۔ ❸

ایک اور مقام، مولانا مودودیؒ ہی کے خلاف، یہ فتویٰ بھی رسید کیا گیا ہے۔

> ہم، مودودی کو، نہ دین کا عالم مانتے ہیں، نہ کوئی مفکر۔ ❹

چنانچہ ''مفکر قرآن'' صاحب، اپنے عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں، علماء کرام پر، ''قدامت پرستی'' کا لیبل لگا کر، اپنے متعلق تعلی آمیز خودستائی کا اظہار، بایں الفاظ کیا کرتے تھے۔

> جو کچھ میں، قرآن سے پیش کرتا ہوں، اس کی تردید کے لیے، چونکہ ہمارے قدامت پرست طبقہ کے پاس، دلائل و براہین نہیں ہوتیں، اس لیے وہ خود بھی مشتعل ہوتا ہے، اور عوام کو بھی مشتعل کرتا ہے۔ ❺

---

❶ طلوع اسلام مئی ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۷۔

❷ طلوع اسلام، ۵ فروری ۱۹۵۵ء۔

❸ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء صفحہ ۳۱۔

❹ طلوع اسلام، جون ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۔

❺ طلوع اسلام، اگست ۱۹۷۳ء صفحہ ۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

— اعلم الناس بالقرآن کی پندار افزائی:

"مفکرِ قرآن" صاحب، خود "اعلم الناس بالقرآن" کے پندار میں مبتلا ہو کر یہی پندار، اپنے مقلدین میں بھی پیدا کیا کرتے تھے، اور انہیں، اس زعم میں مبتلا کیا کرتے تھے، کہ تیرہ چودہ صدیوں بعد، جو قرآنی آواز، طلوع اسلام کے ذریعہ بلند ہو رہی ہے، آپ لوگ ہی اس کے واحد امین ہیں، باقی ساری دنیا، اس آواز کا گلا گھونٹتی چلی آ رہی ہے۔

(۱) تیرہ سو سال کے بعد، پھر سے خالص قرآن کی آواز، طلوع اسلام کی وساطت سے بلند ہونی شروع ہوئی ہے۔ ❶

(۲) اس سرزمین سے تیرہ سو سال کے بعد، پہلی بار قرآن کی آواز اٹھی ہے، اور قدرت کو یہ منظور ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد، ایک بار پھر قرآنی نظام، اپنی عملی شکل میں سامنے آئے۔ ❷

(۳) اس وقت، ساری دنیا میں، قرآنِ خالص کی آواز، صرف آپ کی اس ننھی سی جماعت کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ ❸

(۴) صدرِ اول کے بعد، ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ قرآنی نظام کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ ❹

(۵) پورے عالم اسلام میں، ادارہ طلوع اسلام ہی، وہ، واحد ادارہ ہے، جس نے چاروں طرف سے چھائی ہوئی مایوسیوں میں، مسلمانوں کو پکارا اور بتایا کہ ان کی ذلت و رسوائی کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ، خدا کی دی ہوئی کتاب اور اس کی عطا فرمودہ روشنی سے دور جا پڑے ہیں۔ مسلمانوں کی باز آفرینی کے لیے، یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ جس طرح خدا کی دی ہوئی روشنی نے اس قوم کو، آج سے چودہ سو سال پہلے، ترقی اور عروج کے بامِ ثریا تک پہنچا دیا تھا، یہ قوم پھر اسی

---

❶ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۳۔
❷ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۱۔
❸ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۸۷۔
❹ طلوع اسلام، جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۷۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مینارۂ نور سے کسب ضیاء کرے، اور اپنی زندگی کو، اسی قالب میں ڈھال لے۔
ادارہ طلوعِ اسلام، قریب تیس سال سے قرآن کریم کی آواز کو بلند کر رہا ہے۔ ❶
چنانچہ ایک مقام پر ''مفکرِ قرآن'' اپنے منہ آپ میاں مٹھو بنتے ہوئے، اپنے حلقۂ احباب کو یہ باور کرواتے ہیں کہ:

(٦) اس وقت ملک میں خالص فکری تحریک، صرف آپ کی ہے، باقی سب وقتی ہنگامہ آرائیاں ہیں، جن میں اسلام کا نام لیا جاتا ہے جیسے خطوں کی پیشانی پر ۷۸٦ لکھ دیا جاتا ہے، لیکن نفسِ مضمون سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ❷

(۷) اس وقت ساری دنیا میں، صرف آپ کی یہ مختصر سی جماعت ہے، جو پیغام خداوندی کی مئے بے درد و صاف کو شفاف اور بے رنگ پیمانوں میں پیش کر رہی ہے۔ ❸

ایک اور مقام پر، خود نمائی اور خود ستائی کے ساتویں آسمان پر پرواز کرتے ہوئے، ''مفکرِ قرآن'' یوں تعلّی آمیز انداز میں فرماتے ہیں

ہمارے ہاں، نہ کوئی ایسا صاحبِ فکر نکلا جو یہ سوچ سکے کہ قوم کی یہ حالت کیوں ہو گئی، اور نہ کوئی ایسا صاحبِ عمل، جو اس بے راہ ہجوم کا ہاتھ پکڑ کر، اسے راستہ پر لگا دے۔ سارے ملک میں لے دے کے، ایک طلوعِ اسلام کی آواز تھی (اور ہے) جو صحراء میں کھوئے ہوئے، اس کارواں کے منتشر افراد کے لیے، بانگِ درا تھی۔ ❹

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، طلوعِ اسلام نے بھی، اپنے قارئین کو اس فریبِ یقین میں مبتلا کیا کہ ''آؤ لوگو! یہیں نورِ خدا پاؤ گے''

اس وقت، ملک جن ہنگامی حالات سے دو چار ہے، ان میں قوم کو قرآنی راہنمائی

---

❶ طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹٦۹ء صفحہ ۳۷۔
❷ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹٦۷ء صفحہ ۵۲۔
❸ طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹٦۹ء صفحہ ~~۲۸~~۔
❹ طلوعِ اسلام، اکتوبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اشد ضرورت ہے، اور یہ راہنمائی، اسے طلوع اسلام کے علاوہ، اور کہیں سے نہیں مل رہی ہے۔ ❶

راہنمائی، قرآن کی طرف یا تہذیب مغرب کی طرف؟

حالانکہ جس چیز کو "مفکر قرآن" اور طلوع اسلام، قرآنی راہنمائی، قرار دیتے ہیں، وہ قطعاً اور ہرگز ہرگز قرآنی راہنمائی نہیں ہے، بلکہ وہ صرف مارکسی اشتراکیت ہے جس پر قرآنی ٹھپہ لگا کر، مغربی معاشرت کے عادات واطوار کے ساتھ، اسی طرح ملا کر پیش کیا گیا ہے، جس طرح، اکبر بادشاہ نے، مذاہب شتّٰی کے بے جوڑ عناصر کو ملا کر، "دین الٰہی" بنا کر پیش کیا تھا۔

ایمان بالقرآن کے دعاوی پرویز

جہاں تک "مفکر قرآن" کے، ایمان بالقرآن کا تعلق ہے، تو اس کی اصل حقیقت، ذَالِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ سے زیادہ نہیں ہے، وہ اگرچہ اپنے ایمان بالقرآن کا ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے، اور قرآن کریم ہی کو واحد اتھارٹی اور سند قرار دیا کرتے تھے، لیکن، عملاً اُن کے ہاں، سند و معیار، علماء مغرب کی تحقیقات ہی تھیں۔ نظریاتی اور قولی و قلمی حیثیت سے، ایمان بالقرآن کی بابت، اُن کے بلند بانگ دعاوی کی ایک جھلک، مندرجہ ذیل اقتباسات میں ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) صحت وسقم کا معیار، میزانِ قرآنی ہے، نہ میرا دعویٰ، نہ غیر کی تردید۔ اس لیے اگر کوئی میری گزارشات کو باطل ٹھہراتا ہے تو اسے کہو کہ اس کے لیے، قرآن کی بارگاہ سے سند لائے۔ ❷

(۲) ہمارے نزدیک، دین کا معیار، فقط کتاب اللہ ہے، جو عقیدہ یا تصور، اس کے مطابق ہے، وہ صحیح اور جو اس کے مطابق نہیں، وہ بلا تامل و تذبذب غلط اور باطل ہے۔ (خواہ، اس کی تائید میں ہزار حدیثیں بھی، ایسی کیوں نہ پیش کر دی جائیں، جن کے راویوں میں جبرائیل و میکائیل تک کا بھی نام

❶ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۲ء، ۴۵۔ ❷ طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۲ء صفحہ ۴۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل کر دیا گیا ہو۔ ❶

(۳) صحیح اور غلط کے پرکھنے کا ایک ہی معیار ہے، یعنی یہ کہ اس کے متعلق، قرآن کا کیا فیصلہ ہے، جسے قرآن، صحیح قرار دے وہ صحیح ہے، خواہ اسے ایک آدمی بھی صحیح نہ مانتا ہو، اور جسے وہ غلط قرار دے، وہ غلط ہے، خواہ اسے ساری دنیا، مسلمہ کی حیثیت سے جانتی ہو۔ ❷

(۴) قانون کے صحیح ہونے کی سند، نہ زید ہے نہ بکر، نہ اسلاف ہیں نہ اخلاف۔ اس کی سند ہے، اللہ کی کتاب، جو اس کے مطابق ہے، وہ صحیح ہے، جو اس کے خلاف ہے، وہ غلط ہے، خواہ، اسے کسی کی بدنیتی یا نادانی، کسی بڑی سے بڑی ہستی کی طرف بھی منسوب کیوں نہ کر دے۔ ❸

(۵) سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے ''درحقیقت صحیح'' ہونے کا معیار کیا ہے؟ قرآن کی رو سے، وہ معیار، یہ ہے کہ جو بات، کتاب خداوندی کے مطابق ہو، وہ صحیح ہے اور جو اس کے خلاف ہو، وہ غلط ہے۔ ❹

(۶) کسی بات کے لیے، اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے لیے، کسی انسان کی سند کافی نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے سند صرف خدا کی کتاب کی ہونی چاہیے۔ ❺

(۷) ہمارے پاس، خدا کی کتاب موجود ہے، جس کی روشنی میں، ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جو کچھ کسی اور انسان نے کہا ہے (خواہ وہ اس وقت موجود ہے یا ہم سے پہلے گزر چکا ہے) اسے پرکھے۔ اگر وہ اس کتاب کے مطابق ہے تو اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے، اگر اس کے خلاف ہے تو مسترد کر دیا جائے۔ ❻

(۸) طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ حق اور باطل کا معیار، قرآن ہے۔ ہر وہ

---

❶ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۷۔
❷ اسلام، فروری ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۵۔
❸ طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۹۔
❹ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۶۔
❺ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۸۔
❻ طلوع اسلام، جون ۱۹۶۷ء صفحہ ۶۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات جو قرآن کے مطابق ہے، صحیح ہے، جو اس کے خلاف ہے، غلط ہے۔ ❶

(۹) دین کے معاملہ میں حق و باطل اور صحیح و غلط کا معیار، قرآن کریم ہے۔ ❷

(۱۰) ہمارے سامنے، ہدایت و ضلالت کا معیار، قرآن مجید ہے۔ ❸

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

''مفکر قرآن'' کے وسیع لٹریچر میں سے، مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر، یہ وہ چند اقتباسات ہیں، جن میں، فقط قرآن ہی کے واحد معیار، اسی کے تنہا سند ہونے، اور اسی کے پیمانہ رد و قبول اور اسی کے کسوٹی حق باطل ہونے اور اسی کے فرقانِ صحت و سقم ہونے اور اسی کے میزانِ ہدایت و ضلالت ہونے کے خوش کن دعاوی مرقوم ہیں۔ ان ''خوش کن دعاوی'' کی حیثیت، دراصل، کسی بددیانت اور فریب کار تاجر کی دکان میں موجود، ان اصلی اور کھری چند اشیاء کی سی ہے، جنہیں، وہ، اپنے جعلی اور کھوٹے سرو سامان کی بہتات میں، مصلحتاً رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ اعلانات، ''مفکر قرآن'' کے، فی الواقع، ہاتھی کے وہ دانت ہیں جو صرف دکھانے ہی کے کام آتے ہیں۔

دنیا میں ہر شخص، اچھے سے اچھا خیال، بہتر سے بہتر نظریہ، خوب سے خوب تر فکر، مستحسن سے مستحسن تر فلسفہ، ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن زمانے کا بے رحم صراف، ایسے کسی خیال، نظریئے، فکر یا فلسفے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، جو عمل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ ہمارے ''مفکر قرآن'' کے یہ سب خوش کن دعاوی، اس وقت، بے وقعت اور بے وزن ہو کر رہ جاتے ہیں، جب وہ، مسائلِ حیات کے حل کے لیے، قرآن کریم کی بجائے، مغربی تحقیقات کی طرف یہ کہتے ہوئے رجوع فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ تو تقلیدی جمود کا شکار ہے، جسے دیکھ کر، ان جیسے ''نابغہ عصر'' اور ''مجتہد مطلق'' کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ اور پھر یہی کوفت، ان الفاظ کا روپ دھار لیتی ہے۔

---

❶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۶۸ء صفحہ ۶۰۔
❷ شاہکار رسالت، گزرگاہِ خیال، صفحہ ۳۹۔
❸ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۵۹ء، صفحہ ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلیم! تمہیں اپنا سینہ چیر کر، درد و کرب کی ان تلاطم خیزیوں کو کس طرح دکھاؤں، جنہوں نے مجھ پر، راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر رکھا ہے۔ سلیم!

میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالہ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز

تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں پاکستان کے وسیع و عریض خطہ پر نگاہ ڈالتا ہوں تو عام طور پر یہ دیکھتا ہوں کہ

نہ کہیں لذت کردار☆ نہ افکار عمیق☆

اور ایک ٹھنڈی سانس سے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں کہ

آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق ❶

اطاعتِ قرآن کی بجائے تقلیدِ مغرب:

چنانچہ ہمارے ''مفکر قرآن'' صاحب، جو، امت مسلمہ کو کیفیتِ جمود اور حالتِ تقلید میں دیکھ کر، ٹھنڈی سانس لے کر یہ کہہ کر خاموش ہو جایا کرتے تھے کہ ''آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق'' وہ، تفسیر قرآن کی کوہ کنی میں، ''اپنے دیدۂ تر کی بے خوابیوں کو''، ''اپنے پوشیدہ دل کی بے تابیوں'' کو، ''اپنے نالہ نیم شب کے نیاز'' کو، اور اپنی ''خلوت و انجمن کے گداز'' کو وقفِ راہِ تقلیدِ مغرب کئے ہوئے تھے، کیونکہ مغرب میں ''زوالِ تحقیق'' کی بجائے، ''عروجِ تحقیق'' موجود ہے۔ وہ قرآنی حقائق کی بجائے، تحقیقاتِ مغرب کو حتمی، قطعی اور یقینی قرار دیا کرتے تھے۔ وہ ''ابہاماتِ قرآن'' کو تہذیب غالب کے انکشافات و اکتشافات کی روشنی میں کھولا

☆ خود پرویز صاحب، جس ''لذت کردار'' کے مالک تھے، اسے جاننے کے لیے میری کتاب ''جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں'' کا مطالعہ فرمایئے اور ان کے ''افکار عمیق'' سے واقفیت پانے کے لیے، میری جملہ کتب اور بالخصوص ''تنبیہ مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ'' کا مطالعہ فرمایئے۔

❶ سلیم کے نام ج ۱، صفحہ ۵۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے۔ جہاں کہیں، قرآنی حقائق اور مغربی تحقیقات میں ٹکراؤ ہوتا تھا، وہ، وہاں، تحقیقاتِ مغرب کو شرف تقدم عطا کر کے، قرآن کریم کو، اُن کے مطابق ڈھال دینے پر جت جایا کرتے تھے، تا کہ خدا کی کتاب ''جدید تقاضوں سے ہم آہنگ'' ہو جائے، اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ از منۂ مظلمہ میں نازل ہونے والی یہ کتاب، آج کے ''روشن دور'' کے ''علم و بصیرت'' کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔

اس امر کے اثبات میں اگرچہ متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن مقالے کی تنگ دامنی کے باعث چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی مثال: انسانوں میں تصورِ خدا کیسے پیدا ہوا؟

بنی نوع انسان میں، خدا کا تصور، عقیدۂ الوہیت، اور ایمان باللہ کا نظریہ کیسے پیدا ہوا؟ اس سوال کا واضح اور اطمینان بخش جواب، از روئے قرآن، یہ ہے کہ ایسا وحی خداوندی کی بناء پر ہوا، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' کی عقل و دانش اور ''قرآنی بصیرت''، اس کا کوئی اور ہی جواب فراہم کرتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ جواب۔

> جب انسانی شعور نے آنکھ کھولی، تو اپنے آپ کو عجیب دنیا میں پایا۔ سر پر آتش باری کرنے والا ایک عظیم اور مہیب گولہ، چاروں طرف بڑے بڑے پہاڑ، ادھر ادھر ساحل نا آشنا سمندر، اور اس کی خوفناک تلاطم انگیزیاں، یہاں وہاں کف برداں اور سیلاب در آغوش دریاؤں کی خوف سامانیاں، میلوں تک ڈراؤنے جنگل اور ان میں بڑے بڑے خطرناک درندے اور اژدہے، کبھی بادل کی لرزہ خیز گرج، کبھی زلزلوں کی تباہ کاریوں کا ہجوم، شش جہات میں اس قسم کی خوفناک بلاؤں کا ہجوم واژدہام، اور ان کے اندر گھرا ہوا بے یار و مددگار اور بے سر و سامان تنہا ابن آدم۔ آپ سوچئے کہ ان حالات میں خارجی کائنات کے متعلق، اس کا ردِ عمل، اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ جو بلا سامنے آئے، یہ گڑگڑانا شروع کر دے، جہاں کوئی خطرہ آنکھ دکھائے، یہ اس کے سامنے سرنگوں ہو جائے، اس طرح،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطرت کی مختلف قوتیں، اس کا "اِلٰہ" اور یہ ان کا پرستار بن گیا۔ چاند، سورج، ستارے، گرج، کڑک، بارش، آندھی، آگ، دریا، سانپ، شیر، حتیٰ کہ وبائی امراض، سب دیوی دیوتا تصور کر لیے گئے، اور ان کی بارگاہ میں نذر و نیاز، منت و سماجت اور مدح و ستائش سے، انہیں خوش رکھنے اور راضی رکھنے کی تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔ یہ تھا (اُس ماحول میں) انسان کا اوّلین ردِعمل، خارجی کائنات کے متعلق۔ رفتہ رفتہ اسی ردعمل نے مذہب کی شکل اختیار کر لی، اور آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی عقیدہ یا تصورّ، مذہب کی شکل اختیار کر لے تو حالات کتنے ہی کیوں نہ بدل جائیں، اس میں تبدیلی نہیں آیا کرتی، چنانچہ دنیا کے بیشتر مذاہب، کائنات کے متعلق انسان کے اس اولین ردّعمل کے مظاہر ہیں۔ ❶

"مفکرِ قرآن" کا قطعی خلافِ قرآن فلسفہ:

"مفکرِ قرآن" کا یہ اقتباس، اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء، عقیدہ توحید سے نہیں، بلکہ نظریہ شرک سے کی تھی۔ یہ نظریہ، دراصل، دین بیزار، اسلام دشمن، توحید مخالف اور دہریت پسند قوموں کا فلسفہ ہے، جسے انہوں نے "خدا سے بیزار عقل" کی کسوٹی پر پرکھ کر پیش کیا ہے اور ہمارے "مفکرِ قرآن" نے، اپنی فکری اسیری اور ذہنی غلامی کی بناء پر، اسے من و عن قبول کر لیا ہے، حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ انسان نے اپنے سفرِ حیات کی ابتداء، اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں، عقیدۂ توحید کی روشنی میں کی تھی، نہ کہ کفر و شرک کی ظلمت میں۔ انسان کو پیدا کرنے کے بعد، اس کی راہنمائی کرنا، خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں بکثرت مقامات پر خدائے قدوس کی اس ذمہ داری کو بیان کیا گیا ہے، مثلاً:

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ﴾ (النحل: ۹)

"اور راہ راست دکھانا اللہ ہی کے ذمہ ہے جب کہ ٹیڑے راستے بھی موجود

---

❶ اسلام کیا ہے؟ صفحہ ۱۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔"

﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ﴾ (الیل : ۱۲)

"اور ہم پر ہی یہ لازم ہے کہ ہم راہنمائی کریں۔"

اس بناء پر، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا انسان جو پیدا کیا، تو اسے علمِ وحی سے نوازا، مرتبہ نبوت عطا فرمایا، تاکہ وہ، علم کی روشنی میں، نہ کہ جہالت و بےخبری کی تاریکی میں، اپنے سفر حیات کا آغاز کرے۔

تنقید بر "دلائل پرویز"

رہے "مفکرِ قرآن" کے وہ دلائل، جو انہوں نے "خارجی کائنات کے متعلق، انسان کے اوّلین ردّعمل" کے ضمن میں پیش کیے ہیں، تو وہ، دراصل، "دلائل" نہیں بلکہ دانشورانِ مغرب کی چچوڑی ہوئی وہ ہڈیاں ہیں، جنہیں، منکرینِ حدیث، اپنے منہ سے اگل رہے ہیں اور حیرت بالائے حیرت یہ امر ہے کہ تہذیب مغرب کے سحر میں گرفتار، یہ غلام فطرت لوگ، اپنی اسلامی حس اور تنقیدی قوت کو سرے سے ہی کھو چکے ہیں، یہاں تک کہ مغرب سے جو کچھ بھی آتا ہے، اسے وحی سمجھ کر، من وعن قبول کر لیا جاتا ہے، اس کی بہترین مثال، اسی زیر بحث معاملہ میں دیکھی جا سکتی ہے، کہ انسانی دنیا میں، خدا اور مذہب کے تصور کی پیدائش میں، کس طرح فلاسفہ مغرب کی اندھی تقلید کی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محض، خوف کی "پیداوار" قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ کاروانِ انسانیت کے سفر کا آغاز، علم وحی کی روشنی میں نہیں بلکہ جہل و بےعلمی کی تاریکی میں ہوا تھا، اور نہیں معلوم کہ سفر ارتقاء کی کتنی منزلیں طے کر ڈالنے کے بعد اور مدت دراز کی کتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد، اس کارواں کو توحید و اسلام کی روشنی دکھائی دی۔ یہ سب کچھ، در اصل، اسلامی فلسفۂ تاریخ سے قطعی جہالت و ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور ساتھ ہی فلسفہ مغرب سے شدید فکری مغلوبیت اور ذہنی مرعوبیت کا بھی۔ بیدار مغز مسلم مفکرین نے، جنہیں تہذیب مغرب کی چمک دمک کبھی متاثر نہ کر سکی، اپنی جاندار تنقید سے، مغربی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا ہے، ملاحظہ فرمایئے درج ذیل اقتباس۔ مولانا امین احسن اصلاحی (مرحوم)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں:

یہ بات کہ مذہب کا آغاز، ان دیکھی قوتوں کے خوف سے ہوا ہے، اور یہی جذبہ، انسان کے جذبات میں اولین اور قدیم جذبہ ہے، بالکل بے سروپا ہے۔ انسانوں میں جو خوف پایا جاتا ہے، اس کی اصل حقیقت، زوالِ نعمت کا اندیشہ ہے۔ خوف کا تجزیہ کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ خوف نام ہے اس چیز کا، کہ آپ کو کسی ایسی چیز کے چھن جانے یا اس سے محروم ہو جانے کا اندیشہ یا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، جو آپ کو حاصل بھی ہے اور عزیز بھی ہے۔ مثلاً انسان کو اپنی زندگی عزیز ہے۔ زندگی کا سرو سامان عزیز ہے۔ اپنے بیوی بچے عزیز ہیں۔ اس لیے وہ ان چیزوں کی طرف سے اندیشہ میں ہوتا ہے کہ کہیں یہ چیزیں چھن نہ جائیں، دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر خوف سے پہلے، کسی نعمت کا شعور بھی لازمی ہوا، اور پھر اس کی شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہونا بھی ناگزیر ہوا۔

اس نظریہ کی تائید، اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جو چیزیں، انسان کے اندر خوف کی حالت پیدا کرتی ہیں، وہ دنیا کے عام واقعات میں سے نہیں۔ زلزلے روز نہیں آیا کرتے۔ آتش فشاں پہاڑ روز نہیں پھٹتے، بجلیاں روز نہیں کڑکتیں، وبائیں روز نہیں پھوٹتیں، اور طوفان کا شور بھی کوئی روز مرہ کا واقعہ نہیں۔ اس کے برعکس تارے روز چمکتے ہیں، سورج روز چمکتا ہے، چاند روز چمکتا ہے، اور اپنی روپہلی چاندنی کی چادر روز دشت وجبل میں بچھاتا ہے، آسمان کی نیلگونی ہر لحہ باصرہ نوازی کرتی ہے، ابر کرم کی تر دستیاں اور درختوں کی ثمر باریاں ہر موسم میں موجود رہتی ہیں، پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مظاہر فطرت کی گاہ گاہ کی گھرکیاں اور دھمکیاں، تو، انسان کو اس درجہ مرعوب کر دیں کہ وہ ان کی پوجا کرنے لگ جائے، لیکن منعم غیب کی ساری فیاضیاں بالکل بے اثر ہو کر رہ جائیں، اور انسان میں شکر وسپاس کا کوئی ولولہ پیدا نہ کریں۔ اس لیے انسان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاہدۂ کائنات اور مشاہدۂ انفس کی فطری راہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ نعمتوں اور رحمتوں کے مشاہدہ سے، اس پر ایک منعم حقیقی کی شکرگزاری کا جذبہ اور احساس طاری ہوا اور پھر اس جذبہ کی تحریک سے، وہ اُس کی بندگی کی طرف مائل ہوا، گویا دین کا آغاز، توحید سے ہوا، اس میں کجی پیدا کر کے شرک کی راہ، انسان نے بعد میں اختیار کی۔ ❶

ہمارے ''مفکر قرآن'' چونکہ ذہناً اور قلباً، فلسفۂ مغرب سے مرعوب و مسحور تھے، اس لیے وہ مقہور و مجبور تھے کہ اس سوال کے جواب میں، کہ بنی نوع انسان میں، خدا کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ وہی فلسفہ اپنائیں، جس کی روشنی میں، اہل مغرب کے ہاں، انسان کا سفرِ حیات (توحید کی روشنی میں نہیں، بلکہ) شرک و کفر کی تاریکیوں میں ہوا تھا، اور پھر اسی فلسفۂ باطلہ کی لاج رکھتے ہوئے، انہوں نے اپنی فکری مرعوبیت اور ذہنی غلامی کا کھلا کھلا ثبوت فراہم کر ڈالا ہے۔ یہ طرزِ عمل، خود، اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ہے کہ ''مفکر قرآن'' کس طرح، قرآن کا نام لے کر، فکرِ فرنگ اور فلسفۂ مغرب کی پیروی کیا کرتے تھے۔

عمر بھر کے مطالعہ قرآن کے بعد بھی، قرآن سے بے خبری:

''مفکر قرآن'' اپنی ستائش، آپ کرتے ہوئے، اکثر اپنی عمر بھر کی قرآنی تحقیق و ریسرچ کا ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے، مثلاً:

> میں، اے برادران گرامی قدر! قرآن کریم کا طالب علم ہوں، میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ، اس کتاب عظیم کی روشنی میں، اپنی بصیرت کے مطابق، اسلام کے بنیادی تصورات کا مفہوم متعین کرنے میں صرف کیا ہے، اور میری اس کوشش کا ماحصل، میری تصانیف کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ❷
>
> مہ و سال کے شمار سے، میں ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو، اپنی عمر رواں کے پچھتر (۷۵) سال پورے کر رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں تھا جس کا خصوصیت کے

---

❶ فلسفے کے بنیادی مسائل، صفحہ ۳۵۔ ❷ طلوع اسلام، جنوری ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ساتھ، طلوع اسلام کے صفحات میں ذکر جاتا۔ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی موجودہ قرآنی فکر اور اس کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں پچاس سال پورے کر رہا ہوں۔ عام اصطلاح میں اسے گولڈن جوبلی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ پچاس سالہ ''جوبلی'' دنیا کی ہر متاع سے زیادہ گراں بہا ہے اور اس کی یاد، سب سے زیادہ وجۂ نشاطِ روح ہے، اور نشاط وانبساط کے یہی وہ احساسات ہیں جن میں اپنے بے شمار دیدہ و نادیدہ احباء و رفقاء اور متفقین کو شریک کرنے کے لیے میں نے اس کا تذکرہ ضروری سمجھا ہے۔ میں جب ساحلِ عمر کے ریگِ رواں پر ان پچاس سالہ نقوش کو مرتسم دیکھتا ہوں تو حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے مجھ پر ایک عجیب والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مسرت اس احساس سے کہ میں نے زندگی میں، جو مشن اپنے سامنے رکھا تھا، اس میں مجھے اس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس سے میرا سرِ نیاز، اس بارگاہ کے عتبہ عالیہ پر بے ساختہ جھک جاتا ہے جس کی عطا کردہ راہنمائی کے بغیر، اس کامیابی کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوسکتا تھا، اور حیرت اس پر کہ تمام دنیاوی علائق کے باوجود (جن میں کم وبیش تیس سال ملازمت کے بھی شامل ہیں) میں نے، انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تن تنہا یہ طویل مسافت کیسے طے کر لی۔ ❶

بلاشبہ ''مفکر قرآن'' نے قرآنی مطالعہ وتحقیق میں پچاس سال صرف کر ڈالے، لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ وہ لغت ہائے حجازی کے قارون تو بن گئے، لیکن قرآن کی روح، ان پر بے نقاب نہ ہوسکی۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان کی آنکھوں پر ایک مخصوص رنگ کی عینک چڑھی ہوئی تھی اور دورانِ مطالعہ، انہیں ہر چیز، اُسی عینک ہی کے رنگ میں دکھائی دیتی رہی اور قرآن کریم کی وہ واضح آیات، جو فکرِ مغرب کی تردید کرتے ہوئے، یہ اعلان کرتی ہیں کہ کاروانِ انسانیت نے اپنا سفر، کفر وشرک اور جہالت و بے علمی کی تاریکیوں میں نہیں بلکہ عقیدۂ

❶ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۷۸ء صفحہ ٦۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توحید اور علم وحی کی روشنی میں، شروع کیا تھا، اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہی رہیں۔ صرف دو آیات ملاحظہ فرمائیے۔

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ (یونس : ۱۹)

''اور لوگ تو ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا۔''

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ﴾

(البقرۃ : ۲۱۳)

''(ابتداء میں) سب کچھ لوگ، ایک ہی طریقے پر تھے۔ (پھر یہ حالت باقی نہ رہی، اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو بشیر اور منذر تھے۔''

یہ دونوں آیات، فکرِ پرویز کی تردید کرتی ہیں، جو انہوں نے ''مفکر قرآن'' کی حیثیت سے، مغرب سے اپنی ذہنی مرعوبیت کے باعث اپنا رکھا تھا، پہلی آیت کے تحت، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

ضمناً، اس سے جدید فلسفیوں کے اس نظریہ کی بھی تردید ہوگئی کہ انسان نے دین کا آغاز، شرک سے کیا، پھر درجہ بدرجہ ارتقاء کرتے ہوئے توحید تک پہنچا۔ قرآن اس کے برعکس یہ کہتا ہے کہ خدا نے شروع ہی سے انسان کو توحید کی تعلیم دی، لیکن گمراہوں نے اس میں اختلاف پیدا کر کے، فتنے کھڑے کر دیئے، ہم نے فلسفۂ جدید کے اس باطل نظریہ کی تردید، اپنی کتاب ''حقیقت توحید'' میں تفصیل سے کی ہے۔ ❶

اور دوسری آیت کے تحت، مولانا عبدالماجد دریا بادی، فرماتے ہیں:

آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی ''محققین'' حسب معمول مدتوں اس بات میں بھٹکتے رہے اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب، شرک یا تعدد الٰہہ تھا۔ شروع شروع میں، وہ، ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا،

❶ تدبر القرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور عقیدۂ توحید تک نسل انسانی، بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد اور عقلی اور دماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسل انسانی، آغاز فطرت میں، دینی حیثیت سے ایک اور واحد تھی اس میں ''مذہب'' و ''ادیان'' کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ امہ واحدہ میں، جس وحدت کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس سے دینی واعتقادی وحدت ہی مراد ہے، کانوا علی شریعة من الحق (ابن جریر، عن ابن عباس)۔ انھم کانوا علی دین واحد وھو الایمان والحق، ھذا قول اکثر المحققین (کبیر)۔ صدیوں کے الٹ پھیر، اور قیل وقال کے بعد، اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات واجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا اولین دین، دین توحید تھا۔ ❶

''مفکر قرآن'' کی اندھی تقلید مغرب:

لیجئے، اب تو مغربی مفکرین بھی، اپنی تحقیقات کے بعد، اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ انسان کا اولین دین، دین توحید تھا۔ لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' ماڈرن ہو کر بھی، ابھی تک، اس مسئلہ میں ''قدامت پرستی'' پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ دراصل۔ ''مفکر قرآن'' صاحب، یہاں کے اُس جدید طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ذہنوں پر، مغرب کی اندھی پیروی کے باعث، ایسا جمود و تعطل طاری ہو گیا ہے کہ اگر وہاں سے کوئی، غلط بات بھی صادر ہو جائے تو اسے ''وحی'' قرار دے کر۔ ہاتھوں ہاتھ لے لیا جاتا ہے، اور مسائلِ حیات کے حل کے لیے، پوری مقلدانہ سعادت مندی کے ساتھ، اُن ہی نسخوں کو آزما ڈالا جاتا ہے، جو دراصل، یہاں کے لیے بنائے ہی نہیں گئے تھے، اہل مغرب، دورِ حاضر کی غالب تہذیب کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے، اپنے مجوزہ نسخوں کو، مجتہدانہ بصیرت سے برتتے ہیں، اور حسب ضرورت، ان میں ترمیم بھی کر

❶ تفسیر ماجدی، صفحہ ۸۳، حاشیہ ۲۷۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیتے ہیں، لیکن یہاں کے مقلد، تو، ایسے کور چشم واقع ہوئے ہیں کہ اپنے وطن، ماحول، حالات، الغرض، ہر چیز سے آنکھیں بند کرتے ہوئے، مریض کی آخری ہچکی تک، وہی نسخہ استعمال کرتے رہیں گے الا یہ کو خود، وہیں سے ترمیم کی کوئی اطلاع آ جائے، لیکن بعض ضدی قسم کے عطائیوں کا تو یہ حال ہے کہ جس غلط بات کو ایک مرتبہ تقلیدِ یورپ میں اختیار کر لیا ہو، اسے پھر دانتوں سے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعد ازاں، اب اگر وہاں کے مفکرین کی تحقیقات میں بھی وہ غلط قرار دی گئی ہو تو بھی یہاں کے مقلدین، اس کی تردید و تکذیب پر آمادہ نہیں ہوتے۔ فماکانوا لیو منوا بما کذ بوا من قبل۔

اب یہاں دیکھیے، مفکرین مغرب مثلاً سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ وغیرہ، اپنی جدید تحقیقات کے باعث، سابقہ نظریہ کو ترک کر کے، اس تحقیق و انکشاف پر متفق ہو رہے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کا آغاز، کفر و شرک کی ظلمتوں اور جہالت و بے خبری کی تاریکیوں میں نہیں کیا تھا بلکہ عقیدۂ توحید اور علمِ وحی کی روشنی میں کیا تھا، لیکن ہمارے ہاں تجدد پسند دانشور، ابھی تک مغرب کی پرانی تحقیق پر جمے ہوئے ہیں جو صریحاً خلافِ قرآن ہے۔

دوسری مثال۔ انکارِ نبوتِ آدم:

ملت اسلامیہ کا چودہ صدیوں پر محیط لٹریچر، اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ہر دور کے مفکرین و مجتہدین، مفسرین و محدثین، علماء و فقہاء، مورخین و اصحابِ سیر نے، حضرت آدم علیہ السلام کو ہمیشہ، اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ پیغمبر اور نبی تسلیم کیا ہے، لیکن ہمارے "مفکر قرآن"، انہیں، نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس کے لیے بایں الفاظ دلیل پیش کرتے ہیں۔

> سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قصہ آدم میں کہا گیا ہے کہ خدا نے آدم کو بالتصریح ایک حکم دیا، اور آدم نے اس سے معصیت برتی، اس قسم کی معصیت کسی نبی کا شیوہ نہیں ہوسکتا...... حضرات انبیاء تو رہے ایک طرف، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ ابلیس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ
>
> ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۱۵-٤٢)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔'' ❶

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں

اولاً یہ کہ...... آدم علیہ السلام کی یہ معصیت تھی کس قسم کی؟ جس کے متعلق، خود پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ ''اس قسم کی معصیت، کسی نبی کا شیوہ نہیں ہوسکتی۔''

حقیقت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام، نہ تو معصیت کوش تھے اور نہ ہی نافرمانی رب کا وہ کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ بات صرف یہ ہوئی کہ بقولِ پرویز صاحب:

> وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین ''شیطان نے قسمیں کھا کر کہا، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں۔ میں یہ سب کچھ تمہاری خیر خواہی کے لیے کر رہا ہوں۔'' ❷

اور حضرت آدم علیہ السلام، جن کے حاشیۂ خیال میں بھی، یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی فرد، اللہ کے نام کی قسم کھا کر بھی کسی کو دھوکہ دے سکتا ہے، اپنی فطری سادگی کی بناء پر، اس شیطانی چکمہ کا شکار ہوگئے۔ پھر یہ دھوکہ دہی کی واردات بھی پہلی ہی تھی کہ اس سے قبل، انہیں، کبھی کسی فریب دہی اور دھوکہ بازی کی صورتِ حال کا سامنا نہ ہوا تھا، بلکہ اس وقت تک، آدم علیہ السلام، اپنی فطرت کی سادگی اور پاکیزگی پر قائم تھے کہ جھوٹ، دھوکہ اور فریب جیسے رذائل سے، اُن کا تعارف ہی نہ ہوا تھا، اس لیے وہ شیطان کے فریب میں آگئے۔ پھر کیا حضراتِ انبیاء، عالم الغیب ہوتے ہیں کہ کسی بد باطن کے دھوکہ میں نہ آئیں؟ کیا یہ واقعی، اس قسم کی معصیت تھی جس سے انبیاء کرام بالاتر ہوا کرتے ہیں؟ آخر وہ کسوٹی اور معیار تو بیان کیا جاتا، جس کی رو سے انبیاء کی معصیت اور غیر انبیاء کی معصیت میں فرق کیا جاسکے۔

لغزش یونس اور پرویز

پھر از روئے قرآن، حضرت یونس علیہ السلام سے جو کچھ سرزد ہوا، کیا وہ آدم علیہ السلام کی لغزش

❶ تفسیر مطالب الفرقان، جلد۲، صفحہ۶۳۔

❷ مفہوم القرآن، آیت ۷۔۲۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بڑی لغزش نہ تھی، حالانکہ نبوتِ یونس علیہ السلام کے خود پرویز صاحب بھی قائل ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی متعلق، خود پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

(..... وہ قوم کی مخالفت سے سخت گھبرا گیا، اور پیشتر اس کے کہ اسے خدا کی طرف سے ہجرت کرنے کا حکم ملتا) وہ اپنے فرائضِ منصبی کو چھوڑ کر، وہاں سے روانہ ہو گیا..... ❶

پھر ایک اور مقام پر، حضرت یونس علیہ السلام کی لغزش کی وضاحت، بایں الفاظ کرتے ہیں۔

خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم، اُس وقت ملا کرتا ہے جب اس قوم کے حق و صداقت کو قبول کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔ اس سے پہلے وہاں سے چلے جانا، گویا اپنے فرائض منصبی کو چھوڑ دینا ہے۔ یہی یونس کی اجتہادی غلطی تھی۔ ❷

اب غور فرمائیے، کہ حضرت یونس علیہ السلام سے جو کچھ سرزد ہوا، وہ ان کی اپنی طرف سے بغیر کسی ''ناصح'' کی پھسلاہٹ کے واقع ہوا، اور انہوں نے بطنِ ماہی میں لا الــٰـه الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین کہہ کر اعترافِ لغزش بھی کیا اور معافی بھی مانگی۔

دوسری طرف، حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا، وہ ان کی آزادانہ مرضی کا نتیجہ نہ تھا۔ ابلیس کے اس فریب کا نتیجہ تھا جو اس نے ناصحِ مشفق کا روپ دھار کر، خدا کی قسمیں کھا کر دیا تھا، اگر ابلیس، انہیں یہ چکمہ نہ دیتا، تو ان سے یہ امر سرزد ہی نہ ہوتا۔ بخلاف ازیں، حضرت یونس علیہ السلام سے جو کچھ وقوع پذیر ہوا، اس میں ابلیس یا کسی اور ''شفیق ناصح'' کا عمل دخل تھا ہی نہیں، لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' صاحب، حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ...... ''اس قسم کی معصیت کسی نبی کا شیوہ نہیں ہو سکتا'' یعنی کسی کی قسموں پر اعتبار کر کے، اسے شفیق ناصح جان کر، اگر کسی سے لغزش ہو جائے، تو یہ تو، نبی کا شیوہ نہیں ہو سکتا، لیکن اگر کسی نبی سے، ایسے حکم خدا کی نافرمانی ہو جائے، جو سب انبیاء کے لیے، ہجرت کے لیے ایک مستقل ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، تو ایسی نافرمانی، ''نبی کا شیوہ ہو سکتی ہے۔'' قربان جائیے۔ ''مفکر قرآن'' کی اس ''قرآنی فہم و بصیرت'' کے۔

---

❶ برقِ طور، صفحہ ۲۸۹۔ ❷ برقِ طور، صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً یہ کہ...... پرویز صاحب کا یہ استدلال کہ...... "شیطان نے آدم پر غلبہ پا لیا، جبکہ نبی تو رہا ایک طرف، وہ، اللہ کے مخلص بندوں پر بھی حاوی نہیں ہو سکتا۔" از حد لغو استدلال ہے، جو "مفکر قرآن" کے غلبۂ شیطان کی حقیقت سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

غلبۂ شیطان یا مسِ شیطان؟

غلبۂ شیطان کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان، اپنی زندگی کے جملہ امور میں نہیں، تو، اکثر و بیشتر معاملات میں شیطان کا پیرو بن جائے، اور شیطان کو، اُس پر اس حد تک قابو حاصل ہو جائے، کہ وہ، راہ راست پر نہ رہنے پائے۔ رہا کسی ایک آدھ معاملے میں، شیطانی وسوسہ یا ابلیسی نسیان کا شکار ہو جانا، تو اسے غلبۂ شیطان سے تعبیر کرنا، سوئے تعبیر ہے۔ اسے بیش از بیش، "مس شیطان" کہا جا سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید خود "غلبۂ شیطان" اور "مسِ شیطان" میں فرق کرتا ہے، وہ، اول الذکر کے متعلق یہ کہتا ہے کہ ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (۱۵۔۴۲) "یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔" اور "مس شیطان" کے بارے میں، خود قرآن کریم ہی میں یہ مذکور ہے کہ اہل تقویٰ حضرات بھی، بعض اوقات، اس سے محفوظ نہیں رہ پاتے، تاہم خدا کی یاد جب اُن کی آنکھیں کھول دیتی ہے، تو ان کی خفیہ یا مدھم بصیرت میں بیداری یا جلاء پیدا ہو جاتی ہے، اور "مسِ شیطان" کے اثر سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ قرآن مجید، اس سلسلہ میں، یہ فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (الاعراف۔ ۲۰۱)

"بے شک جو لوگ، تقویٰ شعار ہیں، انہیں جب شیطان کی طرف سے وسوسہ پہنچتا ہے، اللہ کو یاد کرتے ہیں، تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔"

جو لوگ "غلبۂ شیطان" اور "مسِ شیطان" میں فرق و امتیاز کی تفصیلی وضاحت چاہتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ میری کتاب...... تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ۔" کا مطالعہ فرمائیں۔ اس میں اثباتِ نبوتِ آدم علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکارِ نبوتِ آدم علیہ السلام کی اصل وجہ؟

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کے انکار کی اصل وجہ، دراصل، وہ فلسفۂ تاریخ ہے جسے مغرب نے پیش کیا ہے اور پرویز صاحب، اسے، دل و جان سے قبول کر چکے ہیں۔ نبوتِ آدم کا اقرار و اعتراف اس فلسفۂ تاریخ سے میل نہیں کھاتا، جبکہ اسلامی فلسفۂ تاریخ کی رو سے، آدم علیہ السلام کی نبوت کو قبول کیے بغیر، چارۂ کار نہیں، کیونکہ روئے زمین پر، اولین انسان کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، سلسلۂ رشد و ہدایت کا اجراء و آغاز، رحمتِ خداوندی کا ویسا ہی ناگزیر تقاضا ہے جیسا انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنا۔ قرآن کریم کی رو سے، تخلیقِ بشر (آدم علیہ السلام) کا مقصد ہی، زمین میں بطور خلیفہ، نیابت الٰہیہ کے فرائض کو انجام دینا ہے، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ، جس کا خلیفہ و نائب ہے، اُسی کی مرضی اور ہدایت پر چلے۔ اگر وہ، خدائی راہنمائی سے انحراف کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ خلافت کی بجائے، بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے، بلکہ وہ مستحق سزا بھی ٹھہرتا ہے، اور یہ سزا، دنیا میں ضیقِ قلب اور آخرت میں دخولِ جہنم کی صورت میں ہوگی، لیکن اگر وہ، نیابتِ الٰہیہ کے فرائض، مرضات الٰہیہ کے تابع انجام دیتا ہے، تو دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، انعامِ خداوندی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو زمین پر بطور خلیفہ اتارتے وقت، یہ سب باتیں، اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دی تھیں۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳-۱۲۴)

”اب اگر میری طرف سے تمہیں ہدایت پہنچے، تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا، نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا، اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا، تو اس کے لیے دنیا میں بھی تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز بھی ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ، آدم علیہ السلام، جو ابوالبشر اور اول الانسان تھے، اُسے امورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے، اللہ تعالیٰ نے نورِ ہدایت سے نوازا، اور مقامِ نبوت پر سرفراز فرمایا۔ اس طرح، انسانی معاشرہ کی ابتداء کفر و شرک اور الحاد و دہریت کی تاریکیوں میں ہونے کی بجائے، توحید و رسالت اور رشد و ہدایت کی روشنی میں ہوئی، لیکن "مفکر قرآن" کے قلب و ذہن اور حواس و مشاعر پر، جو فلسفہ، اپنی مضبوط گرفت قائم کر چکا ہے، اس کی رو سے انسانی معاشرہ کی ابتداء، کفر و شرک یا الحاد و دہریت سے ہوئی تھی، اور پھر رفتہ رفتہ، یہ معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا، توحید تک پہنچا۔ اس طرح بہت بعد میں کہیں جا کر، سلسلہ وحی و رسالت آغاز پذیر ہوا۔ ابتدائی انسانی معاشرہ کے متعلق، پرویز صاحب فرماتے ہیں۔

> قوموں کے عروج و زوال میں، اس بات کو بڑا دخل ہے کہ خارجی کائنات اور Outer Space کے بارے میں، ان کا نظریہ کیا ہے؟ انسان کے شعور نے جب پہلے پہلے آنکھ کھولی، تو فضا اور ماحول، اس کے خلاف تھا۔ سر پر آگ برسانے والا شعلہ، آندھیاں، جھکڑ، بجلی کی کڑک، بادلوں کی گرج، بپھرے ہوئے دریا، اور ان کے درمیان نہتا اور تنہا انسان۔ نہتا یوں کہ فکر و دانش میں پختگی پیدا نہ ہوئی تھی، وہ فطرت کی طاقتوں کے سامنے جھکنے لگا، انسان کا یہ ابتدائی مذہب (خود ساختہ) خوف کا پیدا کردہ تھا۔ اس وقت انسان، حوادث کے اسباب و علل سے بھی واقف نہ تھا، فطرت کے مظاہر، ہر جگہ، خدا کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ ❶

علم الانسان کے اس فلسفہ کی رو سے، جب انسانی معاشرہ کا آغاز، مظاہر فطرت سے مرعوبیت کی بنا پر، انہیں خدا ماننے کے صورت میں ہوا، تو ظاہر ہے کہ اس فلسفہ کی رو سے، ابتدائی انسانی زندگی میں، نبوت و رسالت اور خدائی رشد و ہدایت کو ماننے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، جسے قرآن، پیدائش آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی آغاز پذیر قرار دیتا ہے، اور ہمارے "مفکر قرآن" چونکہ مغربی فلسفہ و تحقیق سے بری طرح مرعوب و مغلوب ہیں، اور اہل مغرب کی فکری

---

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلامی اور ذہنی اسیری میں مبتلا ہیں، لہٰذا، وہ کسی ایسی صورتِ حال کے قائل نہیں ہو سکتے، جس میں انسانی معاشرہ کی ابتداء، نورِ وحی اور ضیاءِ ہدایت میں ہونا قرار پائے، کیونکہ وحی و ہدایت کا وجود، نبوت و رسالت کے وجود کو مستلزم ہے۔ "مفکرِ قرآن" کی طرف سے انکارِ نبوت آدم علیہ السلام، کی تہہ میں، یہی مغربی فلسفہ کارفرما ہے۔ وہ، قرآن کے حقائق اور جدید تحقیقات میں کہیں تضاد و تصادم پائیں، تو ان کا رویہ یہ نہیں ہوتا کہ قرآنی حقائق کو حتمی، قطعی اور یقینی قرار دے کر، "جدید تحقیقات" کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ...... "یہ تحقیقات، ابھی خام ہیں، ممکن ہے مستقبل کے علمی انکشافات، انہیں رد کر کے وہ چیز پیش کر دیں جو مطابق وحی ہو"...... بلکہ وہ یہ روش اختیار کیا کرتے ہیں کہ...... "قرآن کے اس مقام کی تشریح ممکن ہے کہ آئندہ کے علمی انکشافات اور آثارِ قدیمہ کے حقائق سے ہو جائے"...... اس طرح، وہ، ہمیشہ قرآن پر، ان تحقیقات کو شرفِ تقدم بخشا کرتے تھے جو اہل مغرب نے پیش کی ہوں، انکارِ نبوتِ آدم میں بھی، یہاں یہی لِــــمْ کارفرما ہے۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ "مفکرِ قرآن" کا راسخ ایمان، قرآن کریم پر تھا؟ یا تحقیقاتِ مغرب پر؟

تیسری مثال...... عمرِ نوح علیہ السلام:

قرآن کریم، بنصِ صریح یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، ساڑھے نو سو سال، اپنی قوم میں رہے۔ ہر دور کے علماء، مفکرین، فقہاء و مجتہدین، اہل سیر و مورخین، نوح علیہ السلام کی عمر، نو سو پچاس (۹۵۰) سال لکھتے اور مانتے چلے آ رہے ہیں، حتیٰ کہ اس مسئلہ میں، اُن معتزلہ تک نے بھی انکار نہ کیا تھا، جنہیں عقلی تیر تکے لڑا کر، دور کی کوڑی لاتے ہوئے، نرالی اُپج اختیار کرنے کا شوقِ فضولیات، بمقدارِ وافر ملا تھا، مگر دورِ جدید میں، معدودے چند لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ اس قدر طویل العمر نہیں تھے۔ بس زیادہ سے زیادہ، دواڑھائی سو سال تک، ان کی عمر تھی، یہ بات، انہوں نے کسی علمی تحقیق و تفتیش کی بناء پر نہیں کہی بلکہ صرف اس لیے کہی کہ محسوسات کے خوگر انسان کو، اس قدر لمبی عمر، عقلاً مستبعد دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ عقل کے یہ غلام، قرآنی نصوص میں، قیاسی تیر تکوں سے کام لے کر، اس طویل العمری کو، اس قدر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصیر العمری میں بدلنے پر جت گئے جس سے ان کے عقلی استبعاد کا ازالہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں، آنجہانی غلام احمد پرویز کی عمر بھر کی قرآنی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ملاحظہ فرمائیے، لیکن پہلے وہ آیت ایک نظر دیکھ لیجئے جس میں عمر نوح علیہ السلام ۹۵۰ سال مذکور ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ (العنكبوت : ١٤)

"ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، تو وہ، پچاس سال کم، ایک ہزار برس، ان کے درمیان رہا۔"

اب قرآن کریم کی اس صراحت کے بعد "مفکر قرآن" صاحب، مفہوم آیت کو مسخ و تحریف کا نشانہ بنانے کی خاطر، خواہ مخواہ یہ سوال اٹھاتے ہیں

اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام کی عمر، ساڑھے نو سو سال تھی۔ ❶

نہ معلوم کہ یہ سوال کہاں سے اور کیونکر پیدا ہو گیا؟ جب کہ قرآن کریم نے بالفاظِ صریح، خود ساڑھے نو سو سال کی عمر بیان کر دی ہے۔ حتیٰ کہ خود، پرویز صاحب کا اپنا ترجمۂ آیت بھی، اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

اور ہم نے نوح علیہ السلام کو، اُس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں پچاس برس کم، ہزار سال رہا۔ ❷

اس کے بعد، اپنے موقف کے اثبات کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر، رکیک تاویلات پیش کی ہیں۔ جن کی تردید کی یہاں گنجائش نہیں، جو اہل علم اس پوری بحث کو دیکھنا چاہیں، وہ، میری کتاب "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ" کا مطالعہ فرمائیں۔

انکارِ طولِ عمر کی لِم:

"مفکر قرآن" کے نزدیک، خدائے قدوس کی بیان کردہ کسی حقیقت کی تردید کے لیے

---

❶ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۵، صفحہ ۲۳۷۔ ❷ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۵، صفحہ ۲۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بس یہی بات کافی ہے کہ وہ، اسے عقلاً مستبعد سمجھتے ہوں، چنانچہ، اسی عقلی استبعاد کے ازالہ کے لیے آیت کو اپنی رکیک تاویلات کا نشانہ بناتے ہوئے، وہ فرماتے ہیں

> عربی لغت میں سَــنَة کا اطلاق، فصل پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں، یعنی چار فصلوں کا ایک سال ہوتا ہے، اس اعتبار سے الف سـنة کے معنی ہوں گے اڑھائی سو سال۔ اور عاما پورے سال کو کہتے ہیں، اس لیے اگر خمسین عـامـا (پچاس سال) کو اس میں سے منہا کر دیا جائے، تو باقی دو سو سال رہ جاتے ہیں، اور اتنی عمر، کچھ ایسی مستبعد نہیں۔ ❶

لمبی عمر کو، عقلاً مستبعد جاننا، یہ ہے وہ لم، جو خدا کی بیان کردہ صریح اور واضح مدت کی تاویل بلکہ تحریف کی تہہ میں کارفرما ہے۔ ''مفکرِ قرآن'' کی یہ ''تحقیق''، اپنی پشت پر کوئی علمی قوت نہیں رکھتی، بلکہ یہ محض ظن وتخمین اور قیاس ورائے کا نتیجہ ہے جس کی تہہ میں لمبی عمر کا استبعادِ عقلی ہی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خود بھی، خدا کی صریح اور واضح مدت کے مقابلہ میں، اپنی قصیر العمری کی تاویل پیش کرنے کی جسارت کرتے بھی ہیں، تو انہیں قیاسات سے بالاتر کوئی اہمیت نہیں دیتے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

> یہ بہر حال، قیاسات ہیں، تاریخی تحقیقات، کسی یقینی نقطہ تک پہنچیں گی، تو اس کا حتمی مفہوم سامنے آئے گا۔ ❷

کیا ستم ظریفی ہے کہ فرمان ایزدی فلبث فیھم الف سنة الا خمسین عاما سے تو حتمی مفہوم واضح نہیں ہوتا، اس لیے قیاسات اور ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں، اور ساتھ ہی تاریخی تحقیقات کا انتظار ہو رہا ہے کہ وہ آ کر، قرآن کے ان ''غیر واضح مفاہیم'' میں سے کسی ''حتمی مفہوم'' کا تعین کریں گی

بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبی است،

---

❶ تفسیر مطالب الفرقان، جلد ۵، ص ۲۴۷۔

❷ مفہوم القرآن، صفحہ ۹۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمرِ نوح علیہ السلام اور اقتباساتِ پرویز:

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر، پرویز صاحب ہی کے ماضی کے دو اقتباسات پیش کر دیں، تا کہ ان کی ''مفکر قرآن'' ہونے کی حیثیت کے ساتھ، ''شہنشاہِ تضادات'' ہونے کی حیثیت بھی، واضح ہو جائے۔

> دورِ حاضر کے انسان کے لیے، جو سوا سو سال کے عمر کے آدمیوں کو دور دور سے دیکھنے کے لیے آتا ہے، اور نہایت حیرت و استعجاب سے، اس درازی عمر کے اسباب دریافت کرتا ہے۔ اتنی لمبی عمر، بمشکل باور کیے جانے کے قابل ہے (اس وجہ سے بعض احباب، عاما سے مراد، مہینے لینے پر مجبور ہو رہے ہیں) لیکن حضرت نوح کا زمانہ، قبل از تاریخ ہے، جس کی تفاصیل کے متعلق ابھی تک بالتحقیق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ (تورات کی رو سے) حضرت نوح، حضرت آدم سے دسویں پشت میں آتے ہیں، اور ان کے تمام اسلاف کی عمریں، آٹھ آٹھ نو نو سو سال کی لکھی ہوئی ہیں، لہٰذا ایک ایسے بعید ترین زمانے میں، جب ہنوز، انسان کے اعصاب، دورِ حاضر کے بہق آگیں تمدن اور رعد آمیز فضا کے مہلک اثرات کا شکار نہیں ہوئے تھے، اور اسے ارضی و سماوی آفات کے مقابلے کے لیے، قوی ہیکل جسم اور فولادی عضلات عطا کیے گئے تھے، اتنی لمبی عمریں، کچھ باعثِ تعجب نہیں ہو سکتیں۔ ❶

اس اقتباسِ پرویز میں، دو باتیں بالکل واضح ہیں۔

اولاً یہ کہ...... وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ، قبل از تاریخ ہے'' (حالانکہ مفہوم القرآن کے حاشیہ ۹۱۲ کی رو سے وہ، عمر نوح علیہ السلام کی بابت، ''قرآنی ابہام'' کی وضاحت کے لیے، تاریخی تحقیقات کے منتظر رہے ہیں)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دورِ نوح علیہ السلام کا تعلق، زمانہ قبل از تاریخ سے ہے تو پھر قرآن کے اس صاف اور صریح

---

❶ معارف القرآن جلد ۳، صفحہ ۳۷۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کے بعد، کہ ''نوح علیہ السلام، ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے''، ان تاریخی تحقیقات کا انتظار کس شوق میں کیا جا رہا ہے، جو اگر مل بھی گئیں، تو ان کا مبنی بر ظن و تخمین ہونا واضح ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر صحت و استناد کے پہلو سے دیکھا جائے، تو یہ ''تاریخی تحقیقات'' (جن کی راہ میں ''مفکر قرآن'' صاحب عمر بھی اپنی پلکیں بچھائے رہے) ضعیف سے ضعیف حدیث کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچتیں، لیکن ستیاناس ہو، اس غلامانہ ذہنیت کا، جو مغرب کی طرف سے آنے والی، ہر مبنی بر ظن و تخمین ''تاریخی تحقیق'' کو، تو مستند اور قابل اعتماد سمجھتی ہے، اور احادیث رسول کو ظنی کہہ کر رد کر دیتی ہے، اور رجعت الی القرآن کے نعرہ کے تحت، قرآنی تفسیر کو، ان ہی ''تاریخی تحقیقات'' کی روشنی میں مرتب کرتی ہے، اور یوں مغربی افکار و نظریات کو قرآن پر شرفِ تقدم عطا کرتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص، قرآن کی تفسیر، صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ عمل کی روشنی میں کرے، تو یہی ذہنیت، اسے ''عجمی اسلام'' قرار دیتی ہے، لیکن اس کے برعکس ''مفکر قرآن'' اگر، اشتراکیت اور مغرب کی فساد زدہ معاشرت اور حیا سوز تمدن کی روشنی میں، تفسیر قرآن پیش فرمائیں، تو گویا یہ ''خالص عربی اسلام'' ہے۔

ثانیاً یہ کہ...... پرویز صاحب، تورات کی بیان کردہ، اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ......

''حضرت نوح علیہ السلام، آدم علیہ السلام سے دسویں پشت میں آتے ہیں''...... اس سے یہ واضح ہے کہ آدم ایک مخصوص فرد کا نام ہے، ورنہ اگر آدم علیہ السلام سے مراد، ہر فرد بشر لیا جائے (جیسا کہ پرویز صاحب کا عقیدہ ہے) تو نوح علیہ السلام اور ان کے درمیان، دس پشتوں کا یہ فاصلہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

ازالۂ استبعادِ عقلی کے لیے ایک اور اقتباسِ پرویز:

حضرت نوح علیہ السلام کی درازیٔ عمر پر عقلی استبعاد کے ازالہ کے لیے، پرویز صاحب، مزید یہ فرماتے ہیں

چین کے مشہور مذہب Taoism کا ایک بہت بڑا مبلغ اور رشی Kawag (جس کی پیدائش، چوتھی صدی ق، م کی ہے، اپنی کتاب میں سمجھاتا ہے کہ عمر بڑھانے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ کیا ہے؟ اس کے بعد، وہ لکھتا ہے کہ...... "میں بارہ سو سال سے، اسی طریق کے مطابق، زندگی بسر کر رہا ہوں، اور اس پر بھی میرا جسم روبہ انحطاط نہیں ہے۔ ❶

(Sacred Book of The East Taoism Translated By James Lecle Page-25)

نیرنگیٔ دوراں دیکھئے کہ کل تک، پرویز صاحب، خود درازیٔ عمر کے عقلی استبعاد کا ازالہ کرنے والوں میں تھے، اور آج وہ خود، اس عقلی استبعاد کا شکار ہو کر، دور خیز اور خود ساختہ اُن ہی رکیک تاویلاتِ قرآن پر اتر آئے ہیں، جن کی وہ کل تردید کیا کرتے تھے۔

مزاجِ پرویز کا ایک بنیادی پہلو:

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے، مزاجِ پرویز کے ایک بنیادی پہلو کی نشاندہی ضروری ہے، جس کا ظہور و صدور، دیگر مقامات پر بالعموم اور یہاں بالخصوص ہوا ہے۔

پرویز صاحب، اگر واقعی قرآن کو حجت اور سند سمجھتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ الف سنۃ الا خمسین عاما سے، ۹۵۰ سال ہی مراد لیتے، پھر جو کوئی اس طویل العمری پر شک و شبہ کا اظہار کرتا، تو اسے یہ ہدایت فرماتے کہ...... وہ علمی انکشافات کا ابھی اور انتظار کرے تا آنکہ قرآن (وحی) کا یہ مفہوم ثابت ہو جائے"...... یہی رویہ، ان کے لیے، زیبا تھا، اور ایک مقام پر، خود انہوں نے اسے اختیار بھی کیا تھا، چنانچہ قصہ صاحبِ موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں، انہوں نے یہی ہدایت فرمائی کہ

> عقل، اپنی محدود معلومات کی بناء پر، وحی کے کسی حکم کے خلاف اعتراض کرتی ہے، لیکن جب اس کی معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو کچھ وحی نے کہا تھا وہ سچ تھا۔ لہٰذا عقل کے لیے صحیح روش یہی ہے کہ وہ وحی کی بات تسلیم کرے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتی رہے، جب اسے صحیح معلومات حاصل ہو جائیں گی، تو وہ خود بخود وحی کی تصدیق کر دے گی۔ ❷

---

❶ معارف القرآن، جلد ۲، حاشیہ بر صفحہ ۳۷۷۔

❷ مفہوم القرآن صفحہ ۶۷۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وہ اصولی بات ہے جس کی وہ تلقین کیا کرتے تھے، لیکن یہاں ان کا اپنا طرزِ عمل، اس تلقین کے برعکس، یہ ہے کہ وہ، اب وحی کی بیان کردہ عمرِ نوح علیہ السلام کو عقلاً مستبعد سمجھتے ہیں، اور قیاسات کی بناء پر، آیات کی رکیک تاویلات پر تل جاتے ہیں، اور قرآنی الفاظ میں، عمر نوح علیہ السلام کے متعلق ایک نیا تصور داخل کرتے ہیں، اور زبانِ حال سے یہ فرماتے ہیں کہ......"ان قیاسی مفاہیم کو قبول کرلو، یہاں تک کہ علمی تحقیقات، عمرِ نوح علیہ السلام کے کسی قطعی مفہوم کو سامنے لے آئیں۔ رہا قرآن کریم کا بیان کردہ مفہوم، تو وہ "غیر واضح" ہے۔"

اب ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل، وہی شخص، اختیار کرسکتا ہے، جو قرآنی بیان پر یقین کرنے کی بجائے، خارج از قرآن، نظریات کے سامنے سر جھکا چکا ہو، اور پھر اس کوشش میں جت گیا ہو، کہ قرآن کو چھیل چھال کر، اپنے دل و دماغ میں رچے بسے خیالات کے مطابق ڈھال دیا جائے، ورنہ قرآن مجید پر، پختہ یقین اور مستحکم ایمان رکھنے والا کوئی شخص، یہ طرزِ عمل، کبھی اختیار نہیں کرسکتا۔

چوتھی مثال......قتل ابناءِ بنی اسرائیل:

یہ ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ فرعونِ مصر نے ولادتِ موسیٰ سے قبل، ابناءِ بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا ظالمانہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا، خود قرآن مجید بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے، مگر طلوعِ اسلام کے روحِ رواں، جناب غلام احمد پرویز کو اس سے انکار ہے، چنانچہ قرآن کریم کے ہر اُس مقام پر، جہاں فرعون کے ہاتھوں، ابناءِ بنی اسرائیل کا قتل مذکور ہے، انہوں نے یہ تاویل (بشرطیکہ اسے تحریف کی بجائے تاویل کہا بھی جاسکے) فرمائی ہے کہ فرعون اور آلِ فرعون، فرزندانِ بنی اسرائیل کو "جوہرِ انسانیت سے محروم رکھنے کی کوشش" کیا کرتے تھے، نہ کہ انہیں جان سے مار دینے کی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں

یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم (۲۸-۴)

اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ "وہ ان کے ابناء کو قتل کرتا اور ان کی نساء کو زندہ رکھتا اور اس طرح ان میں فساد برپا کرتا رہتا۔" یہ الفاظ دو ایک دیگر مقامات پر بھی آئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں (مثلاً (۲، ۴۰۔۱۴)

ہمارے ہاں، ان الفاظ کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جتنے بچے بھی پیدا ہوں، ان میں سے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ یہ مفہوم صحیح نہیں۔ اسے تورات سے لیا گیا ہے۔ [1]

ہمیں افسوس ہے کہ مقالہ کی تنگدامنی نہ تو ہمیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اقتباس بالا میں سوءِ تعبیر کے ذریعہ جو کرشمہ سازی کی گئی ہے، اس کا پردہ چاک کیا جائے اور نہ ہی اس بات کی کہ موقفِ پرویز کے جملہ دلائل کا تفصیلی ردّ پیش کیا جائے، اور نہ ہی اس امر کی کہ علماءِ سلف و حلف کے موقف کا دلائل و براہین سے اثبات کیا جائے۔ ان جملہ امور پر تفصیلی بحث کے لیے میری کتاب ''تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ'' کا مطالعہ فرمائیے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ''مفکر قرآن'' کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کیا ہے۔

انکارِ قتل ابناء بنی اسرائیل کی وجہ:

چنانچہ وہ جس وجہ سے ابناءِ اسرائیل کا انکار کرتے ہیں، وہی، اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ وہ، فی الواقع، قرآن کو مانتے ہیں؟ یا غیر قرآن کو؟

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اس وقت تک، مصر کی قدیم تاریخ سے، جس قدر پردے اٹھے ہیں، اُن میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دینے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے، ممکن ہے، جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں، تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو، اس وقت تک صرف تورات میں یہ ملتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو مارنے کا حکم دے رکھا تھا (کتاب خروج)، لیکن تاریخی نقطہ نگاہ سے موجودہ تورات کی جو

[1] تفسیر مطالب الفرقان، جلد۲، صفحہ۱۷۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت ہے، وہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ❶

''مفکرِ قرآن'' کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری:

اقتباس بالا نے، پرویز صاحب کی مغرب کے مقابلے میں، ان کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔

قرآن کریم، بالفاظِ صریحہ، فرعون کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَ هُمْ (۴۔۴۸) ''وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کیا کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔''

فرعونیوں کے متعلق بھی قرآن صراحت سے بیان کرتا ہے کہ ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ﴾ (البقرہ: ۴۹) ''وہ تمہارے بچوں کو ذبح کیا کرتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔''

الغرض، قرآن کریم نے يُذَبِّحُوْنَ کہا ہو یا يُقَتِّلُوْنَ، دونوں کا معنی ''جان سے مار ڈالنا'' ہی ہے۔ لیکن ہمارے ''مفکرِ قرآن'' کو یہ حقیقی اور عام فہم مفہوم، قابلِ قبول نہیں، کیوں؟ محض اس لیے کہ ابھی تک حجری اور اثری انکشافات نے، اس معنی کی تصدیق نہیں کی۔ گویا اصل قابلِ اعتماد ماخذ، الفاظِ کلام اللہ نہیں ہیں بلکہ تاریخی آثار اور انکشافاتِ آثارِ قدیمہ ہیں۔ لہٰذا، قرآنی مفہوم، ان ہی کی روشنی میں متعین کیا جائے گا۔ یعنی قرآنی الفاظ کا مفہوم قطعی نہیں، بلکہ تاریخی آثار و کتبات سے برآمدہ شدہ مفہوم قطعی ہے، یہ رویہ، مغرب کی انتہائی ذہنی غلامی کا غماز ہے۔ ''مفکرِ قرآن''، پڑھتے تو قرآن ہی رہے ہیں مگر سوچتے رہے ہیں تہذیب غالب کی تحقیقات کی روشنی میں۔ آنکھیں تو اُن کی اپنی تھیں، مگر دیکھتے رہے ہیں مغرب کے زاویہ نگاہ سے۔ کان تو ان کے اپنے ہی تھے، مگر سنتے رہے ہیں علمائے مغرب کی سخن سازیاں۔ الفاظ تو وہ قرآن ہی کے اپنی زبان سے ادا کرتے رہے ہیں مگر ان کے اندر معانی وہ فکرِ جدید سے لے کر داخل کیا کرتے تھے۔ زبان تو ان کی اپنی تھیں، مگر بات غیروں ہی کی کیا کرتے تھے۔ دماغ تو

---

❶ لغات القرآن، صفحہ ۶۹۳۔۶۹۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا اپنا ہی تھا مگر اس میں سوچ اور فکر، اغیار ہی کی تھی۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف۔ ۱۷۹)

مزید برآں، ہمارے ''مفکر قرآن'' ہوں، یا دیگر منکرین حدیث، ان کی یہ بات کس قدر قابلِ تعجب ہے اور موجبِ صد حیرت ہے کہ یہ لوگ، رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق، بخاری، مسلم، موطا اور دیگر کتب حدیث کی شہادتوں کو بلا تکلف رد کر دیتے ہیں، اور محققینِ فرنگ کی آثارِ قدیمہ سے ماخوذ، تاریخی شہادات کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ یہ تاریخی شہادتیں، اُن شہادات کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتیں، جو نبی اکرم ﷺ کی احادیث و سنن کی چھان بین میں پائی جاتی ہیں۔ منکرینِ حدیث، مغرب کی جن تاریخی شہادتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان میں سے قوی سے قوی ذریعہ بھی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی کی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلہ میں بھی ہیچ ہے۔ لیکن بُرا ہو ذہنی غلامی کا، ستیاناس ہو دماغی مغلوبیت کا، بیڑہ غرق ہو فکری اسیری کا، جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ......

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

ہمارے ''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں کہ قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل کو مقتول و مذبوح قرار دینے والی آیات میں ''جان سے مار ڈالنے'' کا مفہوم، اس لیے قابل قبول نہیں کہ...... ''اس وقت تک، مصر کی قدیم تاریخ سے، جس قدر پردے اٹھے ہیں، ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے، ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں، اس کے متعلق کوئی ذکر ہو...... کیا یہ عجیب بات نہیں کہ قرآنی الفاظ کے قطعی مفہوم کو نظر انداز کر کے، مصر کی تاریخ پر سے، مزید پردوں کے اٹھنے کا انتظار کرتے کرتے، وہ شخص مر گیا، جو اٹھتے بیٹھتے، قرآن، قرآن کی رٹ لگائے رکھتا تھا، اور قرآن کے اول و آخر سند ہونے کی دہائی دیا کرتا تھا۔ اب گویا، حیات پرویز ہی میں، جب اثری تحقیقات میں سے، کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی شہادت مل جاتی، جو ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کے وقت، اسرائیلی بچوں کو "جان سے مار ڈالنے" کا انکشاف کر ڈالتی، تو پھر "مفکرِ قرآن" ایک اور قلابازی کھاتے اور مفہومِ قرآن، از سرِ نو بدل کر، کچھ اور ہو جاتا، اور جب تک کوئی ایسی شہادت نہیں مل پاتی، اس وقت تک، "پیروانِ دعوت قرآنی" پر لازم ہے کہ وہ "مفکرِ قرآن" کے انداز اُبتائے ہوئے، قیاسی معانی ہی کو سینے سے لگائے رکھیں۔

تورات اور پرویز:

اور یہ بھی کیا خوب کہا ہے کہ...... "اسرائیلی بچوں کو سچ مچ مار ڈالنے کا فرعونی حکم، صرف تورات میں پایا جاتا ہے مگر موجودہ تورات، ساقط الاعتبار ہے"...... یہاں ہمارے "مفکرِ قرآن" کا یہ دو رُخا پن بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے جب اور جہاں چاہا، تورات کے اُن واقعات کو بھی، جو مطابق قرآن ہیں، یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "یہ واقعات، تورات جیسی ساقط الاعتبار کتاب سے ماخوذ ہیں" (مثلاً یہی قتل ابناءِ بنی اسرائیل کے واقعات)، لہٰذا نا قابل قبول نہیں۔ لیکن دوسری طرف، تورات محرفہ کے، جن واقعات کو، وہ، اپنے منسوب الی القرآن تصورات کے موافق پاتے ہیں، انہیں، وہ، ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیتے ہیں (مثلاً نظامِ یوسفی میں اقتصادی نظام)، پھر اُس وقت، نہ تورات انہیں تحریف شدہ نظر آتی ہے، اور نہ ہی ساقط الاعتبار۔

پھر "مفکرِ قرآن" صاحب کا یہ دورخا پن بھی ملاحظہ ملایئے کہ قرآن کریم اگر یہ کہہ دے کہ...... "فرعون، ابناءِ بنی اسرائیل کو قتل اور ذبح کیا کرتا تھا، اور ان کی خواتین کو زندہ رکھا کرتا تھا" تو یہ قرآنی بیان، "مفکرِ قرآن" کے لیے قابل قبول نہیں ہے، اور اسے مردود قرار دینے کے لیے یہ فرماتے ہیں کہ "یہ تورات جیسی ساقط الاعتبار کتاب سے ماخوذ تصور ہے" لیکن دوسری طرف، وہ خود، ایک ایسی ہی حقیقت کو، جب اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے پیش کرتے ہیں تو بغیر کسی تردد، دغدغہ، تامل اور حیل و حجت کے "حقیقت واقعہ" قرار دیکر قبول کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں

انجیل متی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہیرودیس نے بہت لحم اور اس کی سرحدوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام بچوں کو، جن کی عمر، دو برس یا اس سے کم تھی، قتل کر دیا تھا۔ ❶

غور فرمایئے، انجیل متی کی سند پر ہیرودیس کا قتلِ اطفال، مسلّم ہے، لیکن قرآن کی سند پر، قتلِ اطفال بنی اسرائیل، غیر مسلّم ہے۔

شعور و فکر کی یہ کافری معاذ اللہ!

ایک قابل غور امر:

قرآن کریم نے ابناءِ بنی اسرائیل کی ہلاکت کے سلسلہ میں، تقتیل اور تذبیح، کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو قتل اور ذبح کے سادہ الفاظ سے نکل کر باب تفعیل سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قتل یا تقتیل (جس کے ''مفکر قرآن'' نے چھ معانی کے چوہے، جبل لغات سے کھود نکالے ہیں) کی وضاحت، ذبح (یا تذبیح) کے لفظ سے فرما دی ہے، جس کا واحد معنی ''جان سے مار ڈالنا'' ہی ہے۔ ''مفکر قرآن'' اس خدائی وضاحت کو نظر انداز کر ڈالتے ہیں۔ کیوں؟ کس لیے؟ صرف اور صرف اس لیے کہ انہیں، اپنے ''مزعومات'' قرآنی حقائق کی نسبت، زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔ یہ ''مزعومات'' دراصل، وہ تصورات ہیں، جو مغرب کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کے باعث، انہوں نے اپنے قلب و دماغ میں راسخ کر رکھے ہیں، اور اب، ان ہی کی تائید کے لیے، ایک طرف، وہ، تفسیر قرآن کی آڑ میں، حدِ تحریف کو پہنچی ہوئی رکیک و خسیس تاویلات کے درپے رہتے ہیں۔ اور دوسری طرف، مصری کتبات، آثار قدیمہ کی تحقیقات اور مزید تاریخی انکشافات کے منتظر رہتے ہیں، جو ان کے نزدیک، قرآن سے بھی بڑھ کر، قطعی الثبوت ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں تقتیل ابناء والی، قرآنی آیات کے مفہوم کو متعین کیا جا سکے، حالانکہ تاریخ اور قرآن کی حیثیت کو، بتکرار و اعادہ، وہ یوں بیان کیا کرتے ہیں کہ

تاریخ، بہر حال، ظنی ہے، اور اس کے مقابلہ میں، قرآن، ایک یقینی شہادت ہے۔ ❷

لیکن یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ''مفکر قرآن'' جو ہمیشہ عقل و دانش کی روشنی میں، قرآن کی تفسیر، قرآن ہی سے کرنے کے مدعی رہے ہیں، قرآن کی قتلِ اطفال اور ذبحِ ابناءِ بنی

---

❶ شعلہ مستور، حاشیہ بر، صفحہ ۱۴۔ ❷ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسرائیل سے متعلقہ آیات (جو قرآن ہونے کی بناء پر قطعی اور یقینی ہیں) کی تفسیر، تاریخی آثار مصر سے کرنا چاہتے ہیں، جن پر سے اٹھنے والے پردوں کے بعد بھی، جو کچھ سامنے آئے گا، وہ بہرحال، ظنی ہی ہوگا۔

پانچویں مثال واقعۂ قتلِ نفس اور ذبحِ بقرۃ:

سورۃ البقرہ میں، ذبح بقرہ کے واقعہ کے ضمن میں، قتلِ نفس کا واقعہ، بایں الفاظ مذکور ہے۔

﴿وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرہ: ۷۲-۳۷)

"اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ، جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، تب اس ضمن میں باہم جھگڑے اور ایک دوسرے پر الزامِ قتل تھوپنے لگے، اور اللہ، اس امر کو کھولنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے، تب ہم نے کہا، مقتول کی لاش کو، اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ۔ دیکھو! اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتے ہوئے لوگوں کو زندگی بخشتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔"

اس آیت کی تفسیر میں، تقریباً جملہ علماءِ تفسیر نے لکھا ہے کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم، اس سے متصل پہلی آیات میں دیا گیا ہے، اسی کے گوشت سے مقتول کی لاش کو ضرب لگانے کا حکم دیا گیا ہے فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا (البقرہ ۷۳) اس کے نتیجہ میں مقتول، کچھ دیر کے لیے زندہ ہوا، اور اپنے قاتل کا نام بتا کر، ہمیشہ کے لیے پھر موت کی نیند سو گیا، اور قاتل کو اس کے جرم کی سزا دے دی گئی۔

تفسیر قرآن میں احوط و انسب رویہ:

لیکن پرویز صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں، علماء کے اس تفسیری موقف کو نظر انداز کر کے، ایک ایسی بات کہی ہے جو کسی حد تک، ان کے انسب و احوط رویہ کی غماز ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا.. کی تفسیر میں، اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ خواب، کثرتِ تعبیر سے پریشان ہو گیا ہے، لیکن بایں ہمہ، بات ویسی کی ویسی ہی مشکل رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، اور اس کا صحیح مفہوم، تاریخی انکشافات کی روشنی میں ہی متعین ہو سکتا ہے، جس طرح فرعون کی لاش کے محفوظ رکھے جانے کا بیان، ایک تاریخی واقعہ تھا۔ صدیوں تک اس آیت کی تفسیر میں مختلف قیاس آرائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن جب تاریخ نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھایا تو مصر کے تہہ خانہ میں، اس آیت کی تفسیر مجسم نظر آ گئی۔ اسی طرح محولہ صدر واقعہ بھی، تاریخ سے متعلق ہے، قیاس آرائیوں سے اس کا صحیح مفہوم متعین نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت بھی، ابھی متشابہات کی فہرست میں ہے، تاریخ اپنا کوئی اور ورق الٹے گی تو اس وقت یہ آیت محکمات کی فہرست میں منتقل ہو جائے گی۔ قرآنی حقائق و معارف، زمانہ کے شکن در شکن گیسوؤں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ علم انسانی کی نسیمِ سحری، جوں جوں ان پیچوں کو کھولتی جاتی ہے، یہ گوہر آبدار حسین آویزوں کی طرح، وجہِ درخشندگیِ عالم ہوتے جاتے ہیں۔ ❶

یہ تفسیری موقف، پرویز صاحب نے ۱۹۳۵ء میں اختیار کیا تھا، جس کے تحت، ایسی آیات کو متشابہات میں سمجھتے ہوئے، اس کی تفسیر کو، یہ کہہ کر معرض التواء و انتظار میں ڈال دیا تھا کہ ...... ''جب تک تاریخ، اس طرح کی کوئی مجسم تفسیر پیش نہیں کر دیتی، جیسی کہ فرعون کے بدن کو محفوظ رکھنے والی آیت میں پیش کی گئی ہے، اس وقت تک اسے متشابہات میں سے ہی سمجھا جائے گا'' ...... نیز، انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قتلِ نفس، کے زیرِ بحث واقعہ میں بھی ''قیاس آرائیوں'' سے اس کا مفہوم متعین نہیں ہو سکتا۔

کاش! ''مفکرِ قرآن'' اپنے اس اصول پر قائم رہتے، اور تفسیرِ قرآن میں، اپنی رائے، ظن اور گمان کو دخیل نہ بناتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد، ان کی فضائے دماغی میں ایک

---

❶ معارف القرآن، جلد ۳، صفحہ ۳۵۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہراٹھی اور ظن وتخمین اور گمان وتخریص پر مبنی، ایک خالص قیاسی تفسیر، بایں الفاظ صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوگئی۔

ہم جو کچھ سمجھ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ توہم پرستیوں سے لوگوں کی نفسیاتی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ ذرا سے خلافِ معمول واقعہ کا سامنا نہیں کر سکتے، اور اس کے احساس سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت، بنی اسرائیل کی ہو چکی تھی، اور واقعۂ قتل میں ان کی نفسیاتی حالت کو تحقیقِ مجرم کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ مشتبہ ملزموں میں سے، ایک ایک شخص، لاش کے قریب سے گزرے، اور لاش کا کوئی حصہ اٹھا کر، اس شخص کے جسم سے چھوا جائے، ملزم کی پہچان ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مجرم کی جو حالت ہوئی ہوگی، وہ اس کے داخلی احساسات کی غماز بن گئی ہوگی۔ اسی طرح جب مجرم کا تعین ہو گیا تو اس سے قصاص لے لیا گیا۔ قرآن نے قصاص کے متعلق کہا ہے کہ اس میں رازِ حیات ہے۔

یہ بہر حال ہمارا قیاس ہے، حقیقت اس وقت ہی سامنے آئے گی جب تاریخی انکشافات، اس کی نقاب کشائی کریں گے۔ ❶

پھر اس ''قیاسی تفسیر'' کو، جس کے متعلق، خود ان کا اپنا اعتراف ہے کہ...... ''یہ ہمارا قیاس ہے''...... عین مفہومِ قرآن بنا کر، یوں پیش کرتے ہیں۔

ایک طرف تمہاری یہ حالت کہ ایک جانور کو ذبح کرنے میں، اس قدر حیل و حجت، اور دوسری طرف یہ عالم کہ ایک انسانی جان ناحق لے لی، اور اسے خفیہ طور پر مار دیا، اور جب تفتیش شروع ہوئی، تو لگے ایک دوسرے کے سر الزام دھرنے، یعنی تم میں اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ جرم ہو گیا تو کھلے بندوں اس کا اعتراف کر لو۔ لیکن جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، خدا اسے ظاہر کر دینا چاہتا

❶ برقِ طور، صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا، تا کہ جرم، بلا قصاص نہ رہ جائے۔ مشرکانہ توہم پرستیوں سے، جن میں تم مبتلا ہو چکے تھے، انسان کی نفسیاتی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے کسی ذرا سی خلافِ معمول بات کا سامنا کرنا پڑے تو اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج۔ ۳۱) چونکہ خدا تمہاری اس نفسیاتی کیفیت سے واقف تھا، اس نے قاتل کا سراغ لگانے کے لیے ایک نفسیاتی ترکیب بتائی (جو انسان کی اُس زمانے کی ذہنی سطح کے اعتبار سے بڑی خلاف معمول تھی) اُس نے کہا، تم میں سے ایک ایک جاؤ، اور مقتول کے حصہ جسم کو اٹھا کر لاش کے ساتھ لگا دو (چنانچہ جو مجرم تھا، وہ جب لاش کے قریب پہنچا تو خوف کی وجہ سے، اس سے ایسے آثار نمایاں ہو گئے جو اس کے جرم کی غمازی کرنے کے لیے کافی تھے) اس طرح، اللہ نے اس قتل کے راز کو بے نقاب کر دیا، اور مجرم سے قصاص لے کر، موت کو زندگی سے بدل دیا، کیونکہ قصاص میں قوم کی حیات کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔ (۲/۱۷۹)

اللہ اس طرح اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تا کہ تم عقل و شعور سے کام لے کر، ایسے معاملات کو سلجھایا کرو، اور اس حقیقت کو سمجھ لو کہ نفسیاتی تغیر سے (افراد سے آگے بڑھ کر) کس طرح خود قوموں کی حالت بدل جاتی ہے۔ [1]

قرآنی الفاظ کے اختصار کو بھی دیکھئے اور پھر انہی الفاظ کے مفہوم کے طول و عرض کو بھی۔ اور سوچئے کہ اگر یہی قرآنی مفہوم ہے تو کیا عرب کے ان پڑھ اور سادہ مزاج بدوؤں کے حاشیہ خیال میں بھی، یہ مفہوم آ سکا ہوگا، جب کہ اس مفہوم سے، خود ''مفکر قرآن'' بھی، بایں علم و دانش اور حکمت و فضیلت، ۱۹۳۵ء تک محروم تھے۔

پھر اس ''مفہوم القرآن'' کو اس پہلو سے بھی دیکھئے کہ اس میں، کس قدر قرآنی الفاظ کی

---

[1] مفہوم القرآن صفحہ ۲۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعایت پائی جاتی ہے اور کس قدر ''مفکرِ قرآن'' کے اپنے قیاس و گمان کا دخل ہے۔ پھر یہ کہ قیاس و گمان اور لفاظی کا یہ مرکب، ایک سادہ اور عام فہم عرب کو، قرآن سے قریب تر کرے گا؟ یا بعید تر؟ یہ ہر شخص، خود محسوس کر سکتا ہے۔

پرویز صاحب کے اس ''مفہوم القرآن'' کے مقابلہ میں، مندرجہ ذیل، مفہوم آیات کو بھی ملاحظہ فرمائیے، جسے قرآنی الفاظ کی حدود میں رہ کر، اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ قرآنی ترجمہ اور شرح مفہوم میں ربط و ہم آہنگی نمایاں ہو جاتی ہے، اور عبارت بھی، الفاظ کے اسراف و تبذیر سے قطعی پاک ہے۔

> اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کر دیا، پھر (اپنی براءت کے لیے) ایک دوسرے پر ڈالنے لگے، اور اللہ کو اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا، جس کو تم (میں سے مجرم و مشتبہ لوگ) مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے (ذبح بقرہ کے بعد) ہم نے حکم دیا کہ اس (مقتول کی لاش) کو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو (چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہو گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ بمقابلہ منکرین قیامت کے، اس قصہ سے استدلال اور نظر کے طور پر، فرماتے ہیں کہ) اسی طرح، حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ، اپنے نظائر (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں، اس توقع پر، کہ تم عقل سے کام لیا کرو (اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ)۔ ❶

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ''مفکرِ قرآن'' کا کسی ''تاریخی انکشاف'' کا انتظار بھی، کوئی خوشگوار موقف نہیں ہے، لیکن، اس کی بجائے، اپنے قیاس و گمان پر مبنی موقف کو، الفاظ کا بے تحاشا اسراف کرتے ہوئے، لفاظی اور وہم و گمان کے مرکب کی شکل میں، ''مفہوم القرآن'' کے نام سے پیش کرنا، اس سے بھی بدتر عمل ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك۔ یہ بحث اور یہ واقعہ بھی، ''مفکرِ قرآن'' کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کو بے نقاب کر ڈالتا ہے۔

---

❶ تفسیر معارف القرآن (از مفتی محمد شفیع) جلد ۱، صفحہ ۲۴۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹی مثال...... رہبانیت مریم کی بابت خود ساختہ داستانِ پرویز:

یہود بے بہود نے، حضرت مریم علیہا السلام پر، نہایت شرمناک الزامات لگائے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، نقل کفر، کفر نباشد) براہِ راست وَلَد الزنا قرار دیا، لیکن اس کے مقابلہ میں، ''مفکر قرآن'' نے، اپنی ایک من گھڑت داستان کی رو سے، حضرت مریم پر، یہی الزام بالواسطہ، اس طرح عائد کیا:

> حضرت مریم علیہا السلام، ایک راہبہ کی زندگی بسر کر رہی تھیں جسے دنیا دی علائق سے کچھ واسطہ نہیں ہونا چاہئے تھا بلکہ ساری عمر، تجرد میں گزار دینی چاہئے۔ آپ کو خدا کی طرف سے اشارہ ملا کہ انہیں متاہل زندگی بسر کرنی ہوگی، کیونکہ انہیں ایک عظیم الشان رسول کی امین بننا ہے۔ اس طے شدہ امر (امراً مقضیا) کے مطابق، حضرت مریم علیہا السلام نے خانقاہ کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی اختیار کی، لیکن یہودیوں کے نزدیک، یہ کوئی چھوٹا جرم نہ تھا۔ ایک راہبہ کی زندگی چھوڑ کر، متاہل زندگی اختیار کر لینا، مشربِ خانقاہیت میں، ارتداد سے کم نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی، اس جذبۂ انتقام اور شکستِ پندار کو بھی ملحوظ رکھئے جو حضرت مریم علیہا السلام کی اس روش سے، ان کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ انہوں نے ہیکل کے پجاریوں میں سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کی، اور ہیکل سے باہر ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ ان وجوہات کی بناء پر، انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو موردِ طعن و تشنیع بنایا، اور اپنے جوشِ انتقام میں اس پیکرِ عفت و عصمت کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشے۔ ﴿وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ یعنی ان کے نزدیک، ایک راہبہ کا اس طرح کا نکاح، نکاح ہی نہیں قرار پا سکتا تھا، اس لیے اس کی اولاد، کس طرح، مستحسن نظروں سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ❶

اس اقتباس کے پہلے ہی جملے میں واقع لفظ ''راہبہ'' کے تحت، حاشیہ میں ''مفکر قرآن''

---

❶ شعلہ مستور، صفحہ ۱۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب لکھتے ہیں۔

خانقاہیت کی زندگی، مذہب عیسویت کی ایجاد نہیں۔ اس کے آثار، اس سے پہلے یہودیوں کے ہاں بھی موجود تھے، اور مصریوں میں بھی۔ خود حضرت مریم علیہا السلام کی ابتدائی زندگی کے حالات، اس پر شاہد ہیں کہ یروشلم کے ہیکل میں راہب اور راہبات ہوتی تھیں۔ یہ تارک الدنیا لوگ، عبادت میں مصروف رہتے، اور انبیاءِ یہود کی پیشینگوئیوں کے تحت، ایک آنے والے مسیح کا انتظار کرتے۔ ❶

''مفکر قرآن'' کی اس داستانِ زُور کے نتیجہ میں، چونکہ، حضرت مریم علیہا السلام، ایک راہبہ کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اور پھر چونکہ ایک راہبہ کی زندگی چھوڑ کر، ''متاہل زندگی اختیار کر لینا، مشربِ خانقاہیت میں، ارتداد سے کم نہ تھا'' اس لیے، ''اس طرح کا نکاح، نکاح ہی قرار نہیں پا سکتا تھا'' لہٰذا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، اس پرویزی کہانی کی بدولت بھی، ویسی ہی غیر مستحسن تھی، جیسی یہود کے ہاں تھی، فرق اگر ہے تو یہ کہ یہود نے براہِ راست، حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگایا، اور ''مفکر قرآن'' نے اپنی خود ساختہ کہانی کی بنا پر، بالواسطہ، یہی الزام عائد کیا۔

پرویزی داستان میں ''غیر قرآنی اجزاء'':

بہر حال، ''مفکر قرآن'' کی اس من گھڑت کہانی میں، کم از کم، مندرجہ ذیل چار اجزاء، وہ ہیں جو قرآن میں ہرگز ہرگز مذکور نہیں ہیں۔

(۱)...... ایک تو یہ کہ، مریم علیہا السلام، راہبہ کی زندگی گزار رہی تھی۔

(۲)...... ثانیاً یہ کہ، رہبانیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے وجود پذیر تھی۔

(۳)...... ثالثاً یہ کہ، حضرت مریم علیہا السلام، ایسی راہبہ کی زندگی گزار رہی تھیں، جن کو ساری عمر، تجرد میں گزارنا تھی۔

(۴)...... رابعاً یہ کہ، رہبانیت کی زندگی چھوڑ کر، عائلی زندگی گزارنے پر، یہودی انہیں موردِ طعن و تشنیع قرار دیتے تھے۔

---

❶ شعلہ مستور، حاشیہ بر صفحہ ۱۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید سے ان چاروں باتوں کا کہیں سراغ نہیں ملتا، اور ملے بھی کیسے جب کہ یہ ساری داستانِ زُور، تقریباً دو ہزار سال بعد، ''مفکرِ قرآن'' کے سامری دماغ نے خود تراشی ہے، اس کے لیے سارا مواد، محرف انجیلوں اور ان مغربی دانشوروں کی اہواء سے ماخوذ ہے، جن کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں وہ مبتلا تھے، کیونکہ از روئے قرآن، نہ تو حضرت مریم علیہا السلام، راہبہ تھیں (کیونکہ رہبانیت، اس کے بعد، پیروانِ مسیح کی ایجاد تھی)، اور نہ ہی، والدہ مریم علیہا السلام کے ذہن میں انہیں نذرِ ہیکل کرتے وقت، یہ خیال تھا کہ وہ، تجرد کی زندگی بسر کرے گی، اور اس کی اولاد نہیں ہوگی، بلکہ اس کے برعکس، اُن کی ازدواجی زندگی، اور پھر اس کے نتیجہ میں، ان کی ذریت کا شعور رکھتے ہوئے ہی، وہ اپنی دعاءِ اعاذہ میں، ان کا ذکر فرما رہی تھیں۔ إِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَٰنِ الرَّجِيمِ (عمران : ٣٦) نیز نہ ہی، از روئے قرآن، اس وقت، راہبانیت کا نظام رواج پذیر تھا، کیونکہ اس نظامِ رہبانیت کی ابتداء وابتداع، بعد میں پیروانِ مسیح کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ چنانچہ خود ''مفکرِ قرآن'' صاحب، مفہوم آیات کے نام سے، الفاظ کا جو کباڑ خانہ پیش کیا کرتے تھے، ان میں بھی، اس مسلک کو متبعین عیسیٰ علیہ السلام کا ایجاد کردہ مسلک قرار دیا گیا ہے۔

> پھر ہم نے، ان کے بعد، انہی کی نہج پر، اور رسول بھی بھیجے۔ اور (سلسلہ بنی اسرائیل میں) سب سے پیچھے، عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام کو بھیجا اور اسے انجیل دی۔ جو لوگ اس کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے دل میں خلقِ خدا کے لیے شفقت اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا یہ نتیجہ تھا) باقی رہا مسلک رہبانیت (خانقاہیت) جسے تم اس وقت، ان کے ہاں مروج دیکھتے ہو، تو اسے انہوں نے از خود وضع کر لیا تھا۔ [1]

مزید برآں، رہبانیت کی بابت، واقع لفظ ابتدعوا کے مادہ (ب۔د۔ع) کے متعلق، خود پرویز صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ

[1] مفہوم القرآن، جلد ۳، صفحہ ۱۲۸۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البدع۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو، اور اس سے پہلے، اس کی مثال موجود نہ ہو۔ (ابن فارس)...... وہ رسی جسے پہلی بار نئے ریشہ سے بٹا گیا ہو۔ رَكِيٌّ بَدِيْعَةٌ نیا کھودا ہوا کنواں۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں با کے ساتھ دال آئے، ان میں ابتداء اور ظہور کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ ❶

ایمان...... قرآن پر؟ یا غیر قرآن پر؟

یہاں پہنچ کر، "مفکر قرآن" جناب چوہدری غلام احمد پرویزؔ کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ایک طرف، قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلکِ رہبانیت کے موجد، عیسائی تھے، قبل ازیں، اس کا وجود تک نہ تھا، اور دوسری طرف، "مفکر قرآن" صاحب، محض اپنی نرالی اپج کی لاج رکھنے کی خاطر یا علماءِ مغرب کی تقلید میں، یہ کہتے ہیں کہ رہبانیت، عیسائیوں کی ایجاد نہیں ان سے بہت پہلے، یہودیوں اور مصریوں میں یہ مسلک رائج تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان بالقرآن کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کی بات مانی جائے' یا غیر قرآن کی؟ فرمانِ خداوندی قابل تسلیم و اطاعت ہو؟ یا اقوالِ علماءِ مغرب؟ ایک سچی اور محفوظ کتاب کی بات مانی جائے؟ یا مسوخ اور محرف کتاب کی؟ اگر قرآنی حقائق اور اکتشافاتِ مغرب میں تعارض و تضاد پایا جائے، تو کسے قبول کیا جائے؟ اور کسے رد کیا جائے؟...... آپ جو عمل بھی یہاں اختیار کریں گے، وہ آپ کے اصل ایمان و اعتقاد کو ظاہر کر دے گا۔ اگر قرآن کی بات مانیں گے، تو آپ کے ایمان بالقرآن کی عملاً تصدیق ہو جائے گی۔ اگر آپ آراءِ علماءِ مغرب کو تسلیم کر لیں گے، تو (قرآن کی بجائے) اُن پر، آپ کا اعتقاد و ایمان، واضح ہو جائے گا، اور آراءِ مغرب کو شرفِ تقدم بخشنے کا، آپ کا یہ عمل، اس زبانی کلامی ایمان کی تردید کر ڈالے گا، جو قرآن کے بارے میں، آپ ظاہر کرتے ہیں۔ فی الواقع انسان کا عملی رویہ ہی وہ معیار ہے جو یہ واضح کر ڈالتا ہے کہ اس کا ایمان و اعتقاد، قرآن پر ہے یا غیر قرآن پر۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قرآن کے واحد سند اور تنہا حجت ہونے کا ڈھنڈورا "مفکر قرآن"

---

❶ لغات القرآن، ج ۱، ص ۳۰۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیٹا کرتے تھے، اس پر ان کا زبانی کلامی ایمان ہو تو ہو، عمل کی دنیا میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی، اس کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ وہ اپنی عملی زندگی میں قرآن کے نہیں، بلکہ مغرب ہی کے پیروکار تھے۔ قرآن کے نام پر، جو کچھ وہ عمر بھر پیش کرتے رہے ہیں، وہ سب کچھ، بغیر کسی قرآن کے مغرب میں موجود ہے۔ مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب، مرد و زن کی مطلق مساوات (بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر، نظریۂ افضلیتِ اناث) دورانِ خانہ فرائض نسواں کی بجائے، انہیں بیرون خانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعدد ازواج کو معیوب قرار دینا، عورت کو خانگی مستقر سے اکھاڑ کر، اسے مردانہ کارگاہوں میں دھکیل دینا، خانگی زندگی میں، عورت کو، اس کے فطری وظائف سے منحرف کر کے، اسے قاضی و جج بلکہ سربراہِ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا، وغیرہ، جملہ امور میں سے آخر وہ کون سا امر ہے جسے "مفکر قرآن" نے، کتاب اللہ میں سے کشید کر ڈالنے میں زحمت کشی نہ کی ہو، اور وہ مغرب میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ وہ اشتراکیت، جس کا چوہا، جبل قرآن سے کھود نکالنے میں "مفکر قرآن" نے بڑی زحمت اور مشقت اٹھائی ہے، وہ، ان کے ایسا کرنے سے بہت پہلے، روس چین اور دیگر ممالک میں موجود تھی۔ "مفکر قرآن" کا اس باب میں، اصل "اجتہادی کارنامہ" یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے، اسے مغرب کی اصطلاحوں میں پیش کرنے کی بجائے، اپنی اصطلاحوں میں پیش کیا ہے، مثلاً وہ اشتراکیت کو پیش کرتے ہیں تو اس کے اصل نام کے ساتھ نہیں، بلکہ "نظامِ ربوبیت" کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کارل مارکس کی "جدلی مادیت" کا فلسفہ ان کے ہاں، "حق و باطل کی کشمکش" قرار پاتا ہے۔ "تاریخی وجوب" کی قوت کو، وہ، "زمانے کے تقاضے" کہہ دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ زہرِ ہلاہل کی بوتل پر، آبِ حیات کا لیبل چسپاں کر دینے سے، زہر کی اصل حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔

الغرض، قرآن کریم کا بیان یہ ہے کہ رہبانیت کی ابتداء و ابتداع، عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی، لیکن ہمارے "مفکر قرآن" صاحب، اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کا قائم شدہ مسلک قرار دیتے ہیں۔ قرآن کے مقابلہ میں، غیر قرآنی تصورات کو ترجیح دینا، "مفکر قرآن"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کو آفتاب نصف النہار کی طرح، واضح کر دیتا ہے۔

ساتویں مثال...... ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام قرآن اور ''مفکر قرآن''

اس آخری مثال میں، اس امر کا پھر جائزہ لیا جا رہا ہے کہ زیر بحث معاملہ میں، پرویز صاحب، اپنے عقائد و تصورات کو تابعِ قرآن رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس ضمن میں، انہوں نے جو کچھ بھی لکھنا تھا وہ، اپنی کتاب ''شعلہ مستور'' میں لکھ چکے ہیں، کیونکہ باقی ہر جگہ وہ یہی فرماتے ہیں کہ جسے تفصیل درکار ہو، وہ شعلہ مستور کی طرف رجوع کرے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں، ان کے افکار و نظریات کی آخری ترجمان، یہی کتاب ہے۔ اس کتاب میں، وہ لکھتے ہیں:

> اس (قرآن) میں بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، بغیر باپ کے ہوئی تھی، نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ، یوسف کے بیٹے تھے۔ ❶

اب جب کہ قرآن سے بالتصریح یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بن باپ، پیدا ہوئے تھے، یا باپ کے ذریعہ، تو اس کا لازمی اور منطقی تقاضا یہی قرار پاتا ہے کہ مکمل سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ اس بات پر زور دیا جائے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور نہ ہی اس بات پر کہ وہ باپ کے ذریعے متولد ہوئے۔ علمی دیانت بھی، اسی خاموشی کو لازم ٹھہراتی ہے۔ قرآن کریم کے ایک مخلص اور خدا ترس طالب علم کے لیے بھی، صرف اور صرف یہی رویہ شایانِ شان ہے۔ نیز، تقویٰ و پرہیز گاری کے علاوہ، حکمت و مصلحت کے لحاظ سے بھی عافیت، اس طرز عمل میں ہے۔ لیکن ہمارے ''مفکر قرآن'' صاحب، نہ تو قرآن کی حدود میں رہنا پسند کرتے ہیں (کہ آزادی، انسان کا ''بنیادی حق'' ہے، جس سے محروم ہونا انہیں پسند نہیں)، اور نہ ہی سکوت و خاموشی اختیار کرنا چاہتے ہیں (کہ ایسا کریں تو ان کی عقل عیار، بیکار اور ان کا شغلِ قلم کاری، تعطل کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں)، اس لیے، وہ، خود کو مجبور پاتے ہیں کہ قرآنی ''اغلال و اصر'' سے آزاد ہو کر، دنیائے مغرب کے اسلام دشمن، ''محققین'' (مثل رینان وغیرہ)

---

❶ شعلہ مستور، صفحہ ۱۰۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اتباع میں، ابن مریم کو "ابن یوسف" بنا ڈالیں۔ اور پھر اپنی بے معنی نکتہ آفرینیوں، دور از کار موشگافیوں اور خسیس ورکیک تاویلات کے ذریعہ، اپنی ہر لمحہ بدلنے والی عقل عیار کی خاطر، قرآن کریم کے محکم اور اٹل حقائق کو توڑا مروڑا جائے۔ پھر حرام ہے جو کبھی "مفکر قرآن" صاحب، یہ سوچیں کہ قرآنی حقائق کی شکست وریخت کے نتیجہ میں، معارف القرآن، جلد سوم میں، اس مبحث پر، جو کچھ وہ لکھ چکے ہیں، اس کے ساتھ، قدم قدم پر، تضادات و تناقضات کا کس قدر وسیع و عریض خارزار پیدا ہو رہا ہے۔ بس اب ان کے قلب و ذہن پر، ایک ہی دھن سوار ہے کہ واقعہ ولادتِ مسیح علیہ السلام سے معجزانہ پہلو کو زائل کر دیا جائے، خواہ اس کے لیے ترجمۂ آیت اور مفہومِ قرآن میں مسخ وتحریف سے کام لینا پڑے یا قواعدِ زبان کو پس پشت ڈالنا پڑے یا بین القوسین اضافی الفاظ کے ذریعہ، مدلولاتِ آیات کا حلیہ بگاڑنا پڑے، ان کی بلا سے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو، یا درمیاں رہے

قرآن بمقابلہ مغربیت اور رویۂ پرویز:

یہاں "مفکر قرآن" صاحب کے "قرآنی ذوق" اور "علمی مزاج" کا یہ پہلو بھی، قارئین کرام سے مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ قرآنی تصریحات اور مغربی تحقیقات میں، جب تعارض واقع ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک، قرآنی تصریحات کی بجائے، مغربی تحقیقات ہی شرف تقدم کا مستحق قرار پاتی ہیں۔ اس کے لیے، ان کی دلیل یہ ہوا کرتی ہے کہ...... "ہمارے ہاں تو جمود ہی جمود اور تقلید ہی تقلید ہے، تحقیق وریسرچ کا کام تو ہے ہی نہیں، یہ تو صرف مغرب ہی میں پایا جاتا ہے، لہٰذا تحقیقاتِ مغرب کی طرف رجوع ناگزیر ہے...... اس سے قارئین کرام، یہ نہ سمجھیں کہ پرویز صاحب، تقلید سے بے زار اور گریزاں تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ بڑے پختہ مقلد تھے۔ اور انتہائی جامد اور اندھی تقلید میں مبتلا تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ، تقلید کہن کی بجائے، تقلیدِ نو پر قائم تھے۔ وہ تقلیدِ قدیم پر خوب برسا کرتے تھے مگر تقلید جدید کا التزام کیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تقلید کی سخت مخالفت (بلکہ مذمت) کیا کرتے تھے، لیکن ''امام'' کارل مارکس، ''امام'' ماوزے تنگ، ''امام'' چارلس ڈارون اور ''امام'' رینان کی تقلیدِ جامد پر ڈٹے ہوئے تھے، اور وہ بھی اس حد تک کہ اگر کہیں، قرآن اور ائمہ مغرب کے موقف میں (TIE) پڑ جاتی، تو وہ مغرب ہی کے اماموں کی پیروی کو ترجیح دیتے ہوئے، قرآن کو چھیل چھال کر، مطابقِ مغرب بنانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ قرآنی تصریحات کو، وہ، اپنی اس ''عقلِ عیار'' کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے جو مغربیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، اور جسے وہ اپنی ''قرآنی بصیرت'' کا نام دیا کرتے تھے۔ ان ساتوں مثالوں سے یہ واضح ہے کہ ''مفکرِ قرآن'' صاحب، اگرچہ نام، قرآن ہی کا لیا کرتے تھے، لیکن ہدایت و ضلالت کا اصل معیار، ان کے ہاں، تحقیقاتِ مغرب ہی تھیں۔ وہ، صحت وسقم کی جانچ پرکھ کے لیے، اپنے دل و دماغ میں رچے بسے نظریات کو، قرآنِ مجید کو کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے، اکتشافاتِ مغرب ہی کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے۔ اپنے قلبی معتقدات کو، قرآن پر حاوی رکھتے ہوئے، ترازو، باٹ اور تولی جانے والی ہر شئے کو خلط ملط کر ڈالنے کے عادی تھے۔ قرآن، قرآن کی رٹ لگاتے ہوئے بھی، وہ، اپنے قلبی آراء و افکار، ذہنی نظریات و معتقدات اور دماغی خیالات و تصورات کو اصل قرار دے کر، قرآن کریم کو، ان کے مطابق ڈھالا کرتے تھے، نہ کہ ان (تخیلات و مزعومات) کو قرآن کے مطابق۔ پھر ایسا کرتے ہوئے، وہ، ان لوگوں کی روش اپنایا کرتے تھے، جو تفسیر و توضیح کے نام پر قرآن کی تحریف و ترمیم پر کمر بستہ رہتے ہیں اور یہی مشغلہ، ہمیشہ ہی سے ضالین اور بے توفیق لوگوں کا رہا ہے، لیکن بڑی ڈھٹائی اور بلند آہنگی سے، وہ الٹا اعلان یہ کیا کرتے تھے۔

> ہمارے سامنے، ہدایت اور ضلالت کا معیار قرآن مجید ہے۔ اگر ہمیں اپنی ہدایت وضلالت کا اندازہ لگانا ہو، تو اس کے لیے ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ اپنے دماغ میں جو اعتقادات ہوں انہیں قرآن مجید کی کسوٹی پر پرکھیں، اور ایسا کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کا التزام رکھیں کہ اپنے دماغ کے کسی عقیدہ کو قرآن پر اثر انداز نہ ہونے دیں، ورنہ ترازو، باٹ اور جس چیز کو تولا جا رہا ہے، سب خلط

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملط ہو جائیں گے، اور ہم فیصلہ نہیں کر سکیں گے کہ ہدایت کیا ہے، اور ضلالت کیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو تمام مذاہب، آراء و افکار، عقائد و خیالات کے بارے میں، اصل ماننا چاہیے، نہ یہ کہ ہم مذاہب و عقائد کو اصل مان کر، پھر ان پر قرآن مجید کو پرکھیں، اور پھر قرآن مجید میں تاویل و تحریف کریں جیسا کہ ضآلین اور بے توفیق لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔ [1]

''مفکرِ قرآن'' کے اس ''وعظِ دل پذیر'' کے ساتھ، عمل کیا ہے، وہ مذکورہ بالا ساتوں مثالوں سے عیاں ہے۔

❀❀❀❀

[1] طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۹

بیسویں صدی کا "مزاج شناسِ خدا"،

جناب غلام احمد پرویز

(غیر مطبوعہ)

دنیا میں ایسے لوگ، ہمیشہ موجود رہے ہیں، جو دل دادگانِ باطل، فریفتگانِ دروغ، شائقین غوایت اور عشاقِ ضلالت ہیں۔ ایسے لوگوں کو غوایت و ضلالت کا راستہ، اس قدر مرغوب و محبوب ہو جاتا ہے کہ کسی اور راستے پر چل کر، انہیں اطمینانِ قلب نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ان افراد کی مثال، پھر، اُس کیڑے کی سی ہو جاتی ہے جو غلاظت و عفونت ہی میں رہتا ہے۔ گندگی ہی اس کا اوڑھنا اور بچھونا بنے رہتی ہے۔ سنڈاس کی فضاء ہی اس کی طبعی فضاء قرار پاتی ہے۔ وہ کیچڑ میں رہتا ہے اور دوسروں پر بھی کیچڑ اچھالتا ہے۔ وہ خود کذب بیانی کرتا ہے اور دوسروں کو جھوٹ کا نشانہ بناتا ہے۔ الزام تراشی اور بہتان تراشی اس کا اپنا شیوہ ہوتا ہے، لیکن وہ اسے دوسروں کی روش قرار دیتا ہے۔ دھوکہ دہی اور فریب کاری اس کا اپنا وطیرہ ہوتا ہے، لیکن وہ، اس کا الزام اپنے مخالفین پر عائد کرتا ہے۔ خیانت کار اور بددیانت، اگرچہ، وہ خود ہوتا ہے، مگر اس فعلِ بد کی نسبت، وہ اپنے رقیبوں کی طرف کرتا ہے۔ اپنے حریفوں کے اقوال میں سے، وہ، منطق کے زور لگا لگا کر، بدترین معانی نکالنے کی کوشش کرتا ہے، خواہ صاحب قول، کتنی ہی وضاحت کے ساتھ، بتکرار و اعادہ، اپنا مدعا بیان کرے، مگر وہ، یہی اصرار کیے چلا جاتا ہے کہ...... "نہیں، تیرا اصل مدعا، وہ نہیں، جو تو خود بیان کرتا ہے، بلکہ وہ ہے جو میں تیری طرف منسوب کر رہا ہوں"...... گویا وہ کوئی وکیل اشغاثہ ہے، جس نے ملزم کو، کسی نہ کسی طرح پھانسنے ہی کے لیے، اپنے موکل سے فیس لے رکھی ہے، اور ستم یہ ہے کہ یہاں موکل کوئی اور نہیں، بلکہ خود اس کا اپنا نفس بد ہے، جس کی فیس، لذت نفس کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس کی ساری دلچسپی کا محور، صرف یہ ہے کہ اپنے مخالفین کو جس طرح بھی بن پڑے، دشمنِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور مستحقِ جہنم ''ثابت'' کر ڈالے۔ خوفِ خدا سے عاری حکام، جب کسی پر بگڑتے ہیں، تو قانون اور نظم کا دشمن قرار دے کر، پکڑ تے ہیں۔ اقتدار پرست اور خودغرض سیاسی لیڈر، جب کسی کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں، تو اسے ملک اور قوم کا دشمن قرار دے کر، گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ایک خاص مزاج کے ''قرآنی دانشور'' جب کسی پر غضب ناک ہوتے ہیں، تو ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے ساتھ، خدا و رسول کو بھی فریق مقدمہ بنائیں، اور یہ ''ثابت'' کر ڈالیں کہ جس شخص سے ہم ناراض ہیں، وہ کم بخت تو دشمنِ قرآن ہے، جو نری گمراہی کا فتنہ اٹھا رہا ہے۔ اس لیے ہم، یہ سارے پاپڑ، صرف اس لیے بیل رہے ہیں کہ خدا کی کتاب، اس کے شر سے محفوظ رہے۔ یوں وہ اپنے نفس کی جملہ برائیوں اور تمام عیوب کو، اپنے مخالفین کے سر تھوپ دیتا ہے تاکہ کسی کی نگاہ، خود اس کے اپنے عیوب و نقائص کی طرف نہ اٹھ سکے۔ بعض اوقات، اس کی دُوں فطرتی، اس قدر پستی میں گر جاتی ہے کہ وہ، اپنے مخالفین کے ہاتھوں انجام پانے والے شاندار کارناموں کو بھی اپنے ذاتی کارنامے قرار دے ڈالتا ہے تاکہ اس کی یہودیانہ ذہنیت کی تسکین ہو سکے، جسے قرآن مجید، یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ٹھیک یہی کیفیت ہے، جس میں ہم نے منکرین سنت کے ''مفکرِ قرآن'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز کو مدت العمر مبتلا پایا ہے۔ وہ خود جھوٹ بولا کرتے تھے۔ لیکن الزامِ دروغ گوئی اپنے مخالفین پر لگایا کرتے تھے۔ وہ خود، قرآن کے نام پر، باطل پرست تھے، لیکن باطل پرستی کے اس رویہ کو، اپنے معاندین کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ وہ خود، بہتان تراش اور تہمت طراز تھے، مگر اس حرکت کا مرتکب، دوسروں کو قرار دیا کرتے تھے۔ وہ خود تضاد گو تھے، مگر اوروں کو ایسا کہا کرتے تھے۔ اس مقالہ میں، ''مفکرِ قرآن'' کی جملہ قبیح حرکات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، صرف اس حرکتِ بد کا ذکر کیا جا رہا ہے، جس کے تحت، وہ خود، اپنی ''مزاج شناسیٔ خدا'' کو چھپانے کے لیے، دوسروں کے خلاف، ''مزاج شناسِ رسول'' ہونے کا پراپیگنڈہ کیا کرتے تھے۔ اور پھر ایسا کرتے ہوئے، ایک طرف، تو وہ، قطع و برید، شکست

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وریخت، مسخ وتحریف، تقلیبِ امور اور تنکیسِ واقعات کے حربے اپنایا کرتے تھے، اور دوسری طرف، انہیں، اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آیا کرتا تھا، مگر دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے میں وہ بہت حدید البصر واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ استشراقی حربوں اور مخصوص پرویزی حیلوں سے کام لیتے ہوئے، ''مفکر قرآن'' نے ''مزاج شناسِ رسول'' کے نام سے کتاب لکھی تھی، جس کے بارے میں، جب جناب افتخار احمد بلخی سے یہ سوال کیا گیا کہ اس کتاب میں کیا ہے، تو انہوں نے جواباً یہ فرمایا کہ:......

میں کہوں گا کہ آپ یہ سوال نہ کریں کہ کیا ہے، بلکہ دریافت یہ فرمائیں کہ کیا نہیں ہے، اس میں ذاتی پرخاش اور ذاتی خصومت کی آتش حسد بھی ہے۔ اس میں گندگیاں اچھالنے کی فن کاریاں بھی ہیں۔ اس میں تذلیل وتضحیک اور استہزاء کی کارفرمائیاں بھی ہیں۔ اس میں کذب وافتراء کا سیل رواں بھی ہے۔ اس میں اتہام بازی اور اقتدارِ وقت کو اکسا کر تشدد پر آمادہ کرنے کی ہنرمندیاں بھی ہیں۔ اس میں بغض بھی ہے، عناد بھی ہے۔ دھاندلی بھی ہے، غرض۔ وہ سب کچھ ہے جو فسادخواہ، انتشار پسند، اور باطل شکار گروہ کی سرگرمیوں سے توقع کی جاسکتی ہے۔ [1]

مزاج شناسیٔ خدا کی پہلی مثال:

''مفکر قرآن'' جناب غلام احمد پرویز کی قلمکاریوں ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ، مستشرقین سے استشراقی داؤ پیچ سیکھ کر، افسانوں کو حقائق اور حقائق کو افسانوں میں تبدیل کر ڈالتے تھے۔ پھر چونکہ وہ، اشتراکیت کی زلف گرہ گیر کے بھی اسیر تھے، اس لیے وہ سوشلسٹ اخلاقیات کا بھی مکمل مجسمہ تھے، یہ اخلاقیات کیا ہیں؟ ''مفکر قرآن'' ہی کے دیے ہوئے اقتباس میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہم ان تمام اخلاقی حدود وشرائع کی مذمت کرتے ہیں جو کسی مافوق الفطرت عقیدہ کا نتیجہ ہوں۔ ہمارے خیال میں، اخلاق کا نظریہ، ہمیشہ جماعت کے مفاد کی جنگ کے تابع وماتحت ہونا چاہیے۔ ہر وہ حربہ، جو قدیم غاصبانہ نظامِ معاشرت

---

[1] فتنہ انکار حدیث کا منظر وپس منظر، جلد دوم، صفحہ ۲۱۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف اور مزدوروں کی تنظیم کی تائید میں استعمال کرنا ضروری سمجھا جائے، عین اخلاق ہے۔ اشتراکیین کا اخلاق و شریعت تو صرف اسی قدر ہے کہ ڈکٹیٹر کی قوت و سطوتِ کا استحکام و استبقاء کس صورت سے ہوسکتا ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے، سب ناجائز ہے۔ چنانچہ جماعتی مفاد کی خاطر، جرائم کا ارتکاب، دروغ بافی، فریب دہی، عین حق و صداقت ہے۔ نہیں، بلکہ معاندین کے خلاف کذب و افتراء ہی بعض اوقات، سب سے اہم حربے ہوتے ہیں۔ ❶

جو کچھ جماعتی جدوجہد کی تائید میں حلال ہو، عین حلال و درست، اور جو کچھ اس کے راستہ میں مزاحمت کرتا ہو، حرام و ناجائز ہے۔ ❷

یہ حقیقت، آفتاب نصف النہار کی مانند واضح ہے کہ ''مفکر قرآن'' کا اخلاقی سراپا، اسلامی اخلاق کی بجائے، اشتراکی اخلاقیات ہی کا ساختہ و پرداختہ تھا۔ دروغ بافی، کذب بیانی اور زُور زنی، اُن کے نزدیک، عین حق و صداقت تھے، اسی بناء پر، وہ اپنے نظریاتی مخالفین کے خلاف، ہمیشہ افتراء پردازی، بہتان تراشی، تہمت طرازی کا شیوہ اپنائے ہوئے تھے۔ کذب و زور اور دروغ و جھوٹ، ان کی رگ رگ میں رچ بس چکا تھا۔ کتمانِ حقائق، ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ مسخِ واقعات کے ذریعہ، لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا، ان کا دائمی مشغلہ بن چکا تھا۔ خیانت و بددیانتی کے جراثیم، ان کے ذراتِ خون تک میں حلول کر چکے تھے۔ مغالطہ آرائی کے ذریعہ دھوکہ دہی اور دھوکہ دہی کے ذریعہ مغالطہ آرائی، ان کی ہڈیوں کے گودے تک میں اتر چکی تھی۔ ہوسِ شہرت کا بخار، اسی قدر چڑھا ہوا تھا کہ مخالفین کے ہاتھوں وقوع پذیر کارناموں کو بھی، وہ اپنی ذات سے منسوب کرنے کے خوگر ہو چکے تھے۔

یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے، بلکہ ٹھوس حقائق ہیں۔ ان حقائق میں سے ایک ایک حقیقت کا ثبوت، ...... ''جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں'' ......

---

❶ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۹ء، ص ۴۶+تحریک پاکستان اور پرویز ص ۲۹۲۔

❷ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۹ء، ص ۴۷+تحریک پاکستان اور پرویز ص ۲۹۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامی میری کتاب میں، پُرزور دلائل، قوی براہین، ناقابل تردید شواہد اور مضبوط بینات کے ساتھ، پیش کیا گیا ہے۔ کتاب مذکور میں موجود حقائق و واقعات کی تردید، آج تک، وابستگانِ طلوعِ اسلام نہیں کر سکے، اور نہ ہی، ان شاءاللہ العزیز، کبھی آئندہ کر سکیں گے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا. ؏

نہ خنجر اٹھے گا، نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

''مفکرِ قرآن''، مزاج شناسِ خدا:

الغرض ''مفکرِ قرآن'' جناب چودھری غلام احمد پرویز کے سیرت و کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ خود، مزاج شناس خدا ہونے کی اپنی حیثیت کو پس پردہ رکھنے کے لئے، دوسروں پر ''مزاج شناسِ رسول'' ہونے کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اس امر کی پہلی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

انکارِ حدیث کے لیے، پرویز صاحب نے، ایک فلسفہ خود گھڑا ہے، پھر اس فلسفہ کو، خدا کی مرضی اور اسی کا منشا و مقصد قرار دیا ہے۔ پھر اس من گھڑت فلسفے کی کسوٹی پر، جو چیز پوری نہیں اترتی، اسے وہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔

تسویل نفس کے بل پر، ''مفکرِ قرآن'' کے خودساختہ فلسفہ کے مندرجہ ذیل اجزاء ہیں:

(۱)......قرآن، اصول و کلیات کی کتاب ہے۔

(۲)......احادیث و سنن، عہد نبوی کی فروعات و جزئیات ہیں۔

(۳)......اصول و کلیات، ناقابل تغیر و تبدل ہیں، جب کہ فروعات و جزئیات، زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

(۴) فروعات و جزئیات مبنی بروحی نہیں ہوتیں۔ انہیں ہر دور کا ''مرکز ملت'' باہمی مشاورت سے متعین کرتا ہے جب کہ اصول و کلیات پر مشتمل کتاب (قرآن) مبنی بروحی ہوتی ہے۔

(۵) چونکہ ان فروعات و جزئیات کا تعین، مبنی بروحی نہیں ہوتا، اس لیے انہیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کوئی مجموعہ حدیث مرتب نہیں کیا تھا۔ تاہم انہیں قید کتابت میں لا کر محفوظ کر لیا جائے، تو اس سے تاریخی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، دینی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔

یہ ہے وہ فلسفہ جو میڈ ان طلوع اسلام آفس (Made in tolo e Islam Office) ہے، اور جس پر انکار حدیث کا کریملین تعمیر کیا گیا ہے۔ اس فلسفہ کے اجزاء ''مفکر قرآن'' کی مختلف تصانیف میں بکھرے پڑے ہیں۔ تاہم درج ذیل اقتباس میں اس پورے فلسفہ کا جوہر موجود ہے۔

> بات صرف اتنی تھی کہ خدا نے جن احکام کی تفصیل، خود متعین نہیں کی تھی، وہ دانستہ متعین نہیں کی تھی اور اس لیے متعین نہیں کی کہ وہ ان جزئیات کو جامد نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان اصولوں کے تحت، زمانہ کے بدلے ہوئے تقاضوں کے مطابق، نئی نئی جزئیات متعین ہوتی رہیں۔ ورنہ اگر خدا کا منشا یہ ہوتا کہ یہ جزئیات بھی غیر متبدل رہیں، تو اس نے جس طرح بعض دوسرے احکام کی جزئیات کو خود متعین کر دیا تھا، ان احکام کی جزئیات کا متعین کرنا، اس کے لیے دشوار نہ تھا۔ ❶

اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(الف)...... ''مفکر قرآن'' کا یہ فرمان کہ ''خدا نے جن احکام کی تفصیل، خود متعین نہیں کی، وہ دانستہ متعین نہیں کی تھی۔'' اور ان کا پھر یہ فرمان کہ ''وہ چاہتا یہ تھا کہ ان اصولوں کے تحت، زمانہ کے بدلے ہوئے تقاضوں کے مطابق، نئی نئی جزئیات مرتب ہوتی رہیں۔'' یہاں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ خدا کی اس دانست کا، اور اللہ کی اس چاہت و منشا کا ''مفکر قرآن'' کو کیسے علم ہوا؟ کیا خدا نے، اپنی اس چاہت و خواہش اور منشا و دانست کا ذکر، قرآن میں کیا ہے؟ ہرگز نہیں...... پھر کیا رسول ﷺ نے ایسا فرمایا ہے؟ قطعاً نہیں...... تب کیا چوہدری غلام احمد پرویز صاحب بھی، اپنے ہم نام، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح، وحی پانے کے مدعی تھے کہ خدا نے براہِ راست وحی کے ذریعہ، ان پر اپنی دانست کا اظہار فرما دیا؟ بالکل نہیں...... اب اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ''مفکر قرآن'' کا خود ''مزاج شناس خدا'' ہونا واضح ہے، جس کی بناء پر، انہوں

❶ مقام حدیث، صفحہ ۲۱۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے، اللہ کی مرضی، اور منشاء و دانست کو پالیا تھا۔

(ب)...... کیا قرآن، صرف اصول و کلیات ہی کی کتاب ہے؟ اس میں جزئیات و فروعات بالکل نہیں ہیں؟ پھر اس کتاب کے مشتمل بر اصول وکلیات ہونے کا علم، کیا خود خدا نے دیا ہے؟ ہرگز نہیں...... کیا اس کے رسول ﷺ نے یہ اطلاع دی ہے؟ قطعاً نہیں...... پھر کیا ''مفکر قرآن'' کو خدا نے وحی کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ قرآن، صرف اصول وکلیات ہی پر مشتمل کتاب ہے اور اس میں جزئیات نہیں ہیں؟ بالکل نہیں۔...... اب اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے (اور یقیناً نفی میں ہے) تو پھر ''مفکر قرآن'' کے ''مزاج شناس خدا'' ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔؟

نیز، اگر قرآن کریم، جزئیات و فروعات کے بغیر، محض اصول وکلیات ہی کی کتاب ہے، تو پھر ''مفکر قرآن'' کے اس فرمان کا کیا معنی، جس میں، خود انہوں نے، کتاب اللہ میں جزئیات کا موجود ہونا، یہ کہہ کر، تسلیم کیا ہے۔

> جن امور میں قرآن نے جزئیات کی تصریح، خود کر دی ہے ان میں ساری امت کو مل کر بھی، اس کا حق نہیں پہنچتا کہ ذرا سا رد و بدل کر سکے۔ ❶

(ج)...... اور کیا احادیث و سنن، محض فروعات و جزئیات ہی پر مشتمل ہیں؟ ان میں اصولی تعلیم بالکل نہیں ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا یہ بات، اللہ نے بیان کی ہے؟ ہرگز نہیں...... کیا اسے رسول ﷺ نے بیان کیا ہے؟ قطعاً نہیں...... کیا ''مفکر قرآن'' کو آسمان سے وحی آئی ہے کہ احادیث و سنن، اصول و کلیات کے بغیر، محض فروعات و جزئیات ہی پر مشتمل ہیں؟ بالکل نہیں...... اگر ایسا نہیں، تو ''مفکر قرآن'' کے ''مزاج شناسِ خدا'' ہونے میں کیا شک و شبہ رہ جاتا ہے۔

مزاج شناسی خدا کی دوسری مثال:

''مفکر قرآن'' کے مزاج شناس خدا، ہونے کی دوسری مثال، ذبح اسماعیل کا وہ واقعہ

❶ طلوع اسلام، اسلام، نومبر ۱۹۵۳ء، صفحہ ۴۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جسے ''مفکر قرآن'' نے مسخ وتحریف کا نشانہ بنانے کی حد سے گزر کر، خود خدائے قدوس کی تکذیب وتردید کرڈالی ہے۔

قربانی کے خلاف ''مفکر قرآن'' کا جو ذہن بن چکا تھا، اس نے قرآن کریم کے ''ذبح اسماعیل علیہ السلام '' کے واقعہ کو بُری طرح مسخ کرڈالا ہے، حالانکہ یہ واقعہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون کی شاندار تصویر پیش کرتا ہے۔ اس واقعہ کا جس بُری طرح اور جس بے دردی سے حلیہ بگاڑا گیا ہے، اسے ہم، پرویز صاحب، ہی کے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔ تاہم، اقتباسِ پرویز کے بعد، جو کچھ ہم نے لکھا ہے، اسے بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

حضرت ابراہیم کے ہاں کبرسنی میں ایک لڑکا (حضرت اسماعیل) پیدا ہوا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (۱۰۲) جب وہ لڑکا، باپ کے ساتھ کام کاج (بھاگنے دوڑنے) کے قابل ہوا، تو آپ نے اپنے ایک خواب کی رو سے سمجھا کہ خدا نے حکم دیا کہ اس بیٹے کو (اللہ کی راہ میں) قربان کر دیا جائے۔ آپ نے بیٹے سے کہا کہ يَابُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى (سورہ صافات:۱۰۲) ''اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، کہو، تمہارا کیا خیال ہے؟'' بچے نے جواب میں عرض کیا يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (سورہ صافات:۱۰۲) ''ابا جان! جس بات کا اشارہ آپ کو ملا ہے، آپ (اسے حکم خداوندی سمجھتے ہیں، تو) بلا تامل کر گزریئے، انشاءاللہ، آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔'' باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا، چھری ہاتھ میں لی فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ (سورہ صافات:۱۰۳) تو نَادَيْنَاهُ ہم نے اسے آواز دی اور کہا يَا إِبْرَاهِيمُ اے ابراہیم (سورہ صافات:۱۰۴) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (سورہ صافات:۱۰۵-۱۰۶) تو نے اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا (یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارا حکم نہیں تھا، یونہی تمہارا خیال تھا، اس لیے ہم نے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو اس نقصان سے بچا لیا) اس لیے کہ جو لوگ، ہمارے قوانین کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں، ہم انہیں اس قسم کے نقصان سے بچا لیا کرتے ہیں۔ ❶

اس اقتباس میں جو تحریفِ مفہوم کی گئی ہے، وہ کئی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔

(۱)...... ''آپ نے خواب کی رو سے سمجھا۔'' گویا یہ کوئی قطعی حکم نہ تھا جو آپ کو بذریعہ وحی دیا گیا تھا، اور جسے آپ نے جان لیا تھا، بلکہ آپ نے خود ایسا گمان کر لیا تھا، العیاذ باللہ: سوال یہ ہے کہ ''مفکر قرآن'' کو کیسے پتہ چلا کہ ''یہ کوئی قطعی حکم نہیں تھا''؟ کیا انہیں وحی آئی تھی؟ یا وہ خود ''مزاج شناس خدا'' تھے؟

(۲)......اشارہ، نہ قطعی حکم۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

(۳)...... ''آپ اسے حکم خداوندی سمجھتے ہیں تو......'' گویا خدا خود کہہ رہا ہے کہ یہ میرا حکم نہ تھا، اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو...... کیا بدترین تحریف قرآن ہے! خوب سمجھ لیجئے کہ یَـآبَتِ افعل ما تومر کا قطعی مفہوم یہ ہے کہ...... ''ابا جان! جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر گزریئے۔''

(۴)...... ''تو نے اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا''...... یہ گویا، اللہ میاں کا تبصرہ ہے، جو وہ اپنے ''سادہ لوح'' نبی پر فرما رہا ہے، جب کہ وہ بے چارے، اپنی عقل کے اس امتحان میں بری طرح فیل ہو گیا، جس میں وہ بذریعہ خواب آزمایا گیا تھا، اور اس امتحان میں ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم میں نشہ توحید تو بہت زیادہ تھا، مگر فہم و بصیرت، اتنی بھی نہ تھی، جتنی ''مفکر قرآن'' صاحب کو حاصل تھی، اور اسی قلتِ فہم کی بناء پر، وہ ایک خوابی اشارے کو حکم خدا سمجھ بیٹھے۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون.

(۵)...... ''یہ ہمارا حکم نہ تھا، یونہی تمہارا خیال تھا۔'' ہمیں نہیں معلوم کہ ''مفکر قرآن'' کو

❶ تفسیر مطالب الفرقان، ج ۳، صفحہ ۲۵۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کس آسمان سے یہ وحی آئی کہ یہ حکم خدا نہ تھا، محض ایک خواب تھا۔ لقد جئتم شیئاً ادا ۔ یہ ہے دراصل ''مفکر قرآن'' کی مزاج شناسیِ خدا۔

(۶)...... ''حسن کارانہ انداز'' یہ عجیب حسن کارانہ انداز ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو حکم خدا نہ تھا، اسے حکم خدا سمجھ بیٹھے، اور بیٹے کی جان لینے کے درپے ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ، ان کی اس حسن کاری پر، انہیں داد دے رہے ہیں سبحان اللہ، کیا خوب قرآن فہمی ہے!

مفکر قرآن کے زیر بحث اقتباس کو پھر پڑھیے، اور خود سوچیے کہ یہ کلام اللہ کی تفسیر و تشریح ہو رہی ہے؟ یا ابطال و تکذیب؟ سچ ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند

اب آخر میں، انہی آیات کا وہ صحیح ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے، جو متحدہ ہندوستان میں ''مفکر قرآن'' بایں الفاظ پیش کیا کرتے تھے۔ یہ اقتباس مولانا مودودیؒ کے ترجمان القرآن میں چھپنے والے، ان کے ایک مقالہ سے ماخوذ ہے۔

''اے بیٹا! میں نے خواب میں (حکم پایا ہے، اور) دیکھا ہے، کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ کہو، تمہارا کیا خیال ہے؟ ''عرض کیا'' ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، بلاتامل کر گزریئے، ان شاء اللہ العزیز، آپ مجھے صابر پائیں گے۔ جب وہ دونوں ''مسلم'' ہو گئے۔ اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے آواز دی کہ (صد مرحبا) اے ابراہیم! بے شک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دیا۔ نیکو کاروں کو ہم اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں۔ یقیناً یہ امتحان بہت بھاری تھا۔ اس کے بدلے میں ہم تمہیں بڑی قربانی دیتے ہیں جو قیامت تک باقی رہے گی۔ سلام اور درود ہو، ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح، نیک بندوں کو اجر دیتے ہیں۔ بے شک ابراہیم، ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ [1]

[1] ترجمان القرآن، جلد ۳، شمارہ نمبر ۵، جمادی الاولیٰ ۱۹۳۳ء، صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں مثالوں سے یہ بات واضح ہے کہ ''مفکر قرآن'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز، گزشتہ صدی کے بہت بڑے ''مزاج شناسِ خدا'' تھے۔

تیسری مثال، آخرت بمعنی ''دنیاوی مستقبل''

اب ایک تیسری مثال بھی ملاحظہ فرمایئے، قرآن کریم، دنیا اور آخرت کے الفاظ کو، موجودہ زندگی، اور وہ زندگی، جو مرنے کے بعد، ہمیں حاصل ہو گی، ان دونوں اقسام کی زندگیوں کے لیے بالترتیب، بار بار استعمال کرتا ہے۔ قرآن کی زبان میں، موجودہ زندگی، جس میں ہم جی رہے ہیں، دنیا کی زندگی ہے، اور مرنے کے بعد، اگلے جہان میں جو زندگی ہمیں نصیب ہو گی، وہ آخرت کی زندگی ہے۔ آخرت کا لفظ، دنیاوی زندگی کے کسی بھی حصے پر (خواہ، وہ زمانہ حال کا حصہ ہو، یا مستقبل کا) اطلاق پذیر نہیں ہے۔ قرآن مجید، بلا استثناء اس لفظ کو، اگلے جہان کی اُس زندگی کے لیے استعمال کرتا ہے، جو مرنے کے بعد، انسانوں کو حاصل ہو گی۔ موجودہ دنیا کی چار دیواری میں واقع مستقبل کے کسی دور پر بھی، ''آخرت'' کا لفظ، کتاب اللہ میں، کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ ''مفکر قرآن'' نے اس لفظ کو، اپنی ''مفکرانہ دانشوری'' کی بھینٹ چڑھا کر، اس میں ''دنیاوی مستقبل'' کا خود ساختہ معنی پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ ''دنیا'' اور ''آخرت'' کی وضاحت کرتے ہوئے، صحیح، درست اور سلفاً خلفاً پوری امت مسلمہ میں، متفق علیہ مفہوم کو بیان کرتے ہیں، اور پھر ''لیکن'' کے لفظ کے ساتھ، ''آخرت'' کے مدلول میں ''دنیاوی مستقبل'' کا مفہوم، یوں گھسیڑتے ہیں۔

> اس میں شبہ نہیں کہ قرآن، انسان کی پیدائش سے لے کر، اس کی طبعی موت تک کے عرصہ کو، دنیا کی زندگی قرار دیتا ہے، اور موت کے بعد، پھر زندہ ہونے کو، حیاتِ اخروی سے تعبیر کرتا ہے، لیکن (اور یہ ''لیکن'' بہت اہم ہے) دنیا اور آخرت کے الفاظ سے، قرآن کا فقط یہی مفہوم نہیں۔ وہ ان الفاظ کو کچھ اور معنوں میں بھی استعمال کرتا ہے۔ ❶

❶ طلوع اسلام فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدرے اور آگے چل کر، وہ، ان الفاظ کی مزید وضاحت، بایں الفاظ کرتے ہیں:

دنیا کے لفظی معنی ہیں "قریبی"، اور آخرت کے معنی ہیں "بعد میں آنے والا۔" قرآن کہتا ہے کہ دنیا میں دو قسم کے انسان ہوتے ہیں (انسان یا انسانوں کے گروہ، اقوام)۔ ایک وہ، جو ہمیشہ پیش پا افتادہ، قریبی مفاد (Immediategain) کے پیچھے لپکتے ہیں۔ ان کی تمام تگ و تاز، مفادِ عاجلہ کے لیے ہوتی ہے۔ ان کے سامنے صرف اپنا آپ ہوتا ہے۔ انہیں اس کی فکر نہیں ہوتی کہ بعد میں آنے والوں کا کیا حشر ہوگا۔ وہ فقط اپنے عیش و آرام کو سوچتے ہیں۔ انہیں اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ آنے والی نسلوں پر کیا گزرے گی۔ ان کی ساری جدوجہد حال کے لیے ہوتی ہے، مستقبل کی انہیں کچھ فکر نہیں ہوتی۔ قرآن ان پیش پا افتادہ قریبی مفاد عاجلہ کو "دنیا" سے تعبیر کرتا ہے، اور مستقبل کا نام "آخرت" رکھتا ہے۔ لہٰذا، اس کے نزدیک "متاعِ دنیا" سے مفہوم ہوتا ہے وہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات کے لیے تلاش کرتا ہے، اور "سامانِ آخرت" سے مقصود ہوتا ہے وہ متاع، جسے وہ آنے والی نسلوں کے لیے تیار کرتا ہے (قرآن کی رو سے اس باب میں نسل سے مراد، کسی انسان یا خاندان کی اپنی ذریت نہیں، بلکہ آنے والی پوری انسانیت ہے)۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ جو شخص یا قوم، مفاد عاجلہ (صرف اپنے حال کی خوشگواری) کے لیے کوشش کرتا ہے، اس کا حال تو خوشگوار ہو جاتا ہے، لیکن اس کا مستقبل (آخرت) روشن نہیں ہوتا، لیکن انسانیت کی صحیح زندگی یہ ہے کہ انسانی کوششیں صرف حال کی خوشگواری ہی میں صرف نہ ہو جائیں، بلکہ آنے والی انسانیت (یعنی مستقبل) کی خوشگواری کے لیے بھی جدوجہد کی جائے۔ ❶

اب "مفکر قرآن" کی اس تشریح کے مطابق، نہ تو "حیاتِ دنیا" کا مفہوم "انسان کی پیدائش سے لے کر، اس کی طبعی موت تک کا عرصہ حیات" ہی رہا، اور نہ ہی "آخرت" کا

---

❶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۵۲ء، صفحہ ۱۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم ''زندگی بعد الموت'' ''حیاتِ دنیا'' کسی فرد یا قوم کی ''زمانہ حال کی زندگی'' قرار پائی، اور حیاتِ آخرت'' کا مفہوم ''پوری انسانیت کا دنیاوی مستقبل'' قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد، قرآن کریم میں مذکور، ''متاعِ دنیا'' کو ''سرو سامان دنیا'' کی بجائے، ''مفادِ عاجلہ'' کے معنوں میں، اور ''متاع الآخرۃ'' کو ''انسانیت کی مستقبل کی دنیاوی خوشگواریوں'' کے مفہوم میں لے لیا گیا۔ ہم اس طویل بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے۔ قارئین کرام کی توجہ ''مفکر قرآن'' کے ان الفاظ پر مرکوز کرنا چاہتے ہیں۔

......لیکن (اور یہ ''لیکن'' بہت اہم ہے) دنیا اور آخرت کے الفاظ سے، قرآن کا فقط یہی مفہوم نہیں، وہ ان الفاظ کو کچھ اور معنوں میں بھی استعمال کرتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ نہ تو، قرآن کریم میں، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ..... ''دنیا اور آخرت کے الفاظ سے، قرآن کا فقط یہی مفہوم نہیں ہے، وہ، ان الفاظ کو، کچھ اور معنوں میں بھی استعمال کرتا ہے۔'' اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ سے یہ بات منقول ہوئی ہے۔ اور نہ ہی ''مفکر قرآن'' صاحب، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح، اللہ تعالیٰ سے وحی پانے کے مدعی ہیں کہ بذریعہ وحی، انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ ''قرآن، ان الفاظ کو کچھ اور معنوں میں بھی استعمال کرتا ہے۔'' اور نہ ہی، وہ صوفیاء کرام کے ''کشفی والہامی علم'' کے پالینے کے دعویٰ دار ہیں۔ لیکن، اس کے باوجود بھی، اگر ان پر، اس ''حقیقت'' کا انکشاف ہوا ہے کہ..... ''قرآن، ان الفاظ کو، کچھ اور معانی میں بھی استعمال کرتا ہے۔'' تو اس ''کشف حقیقت'' کی وجہ، آخر اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ''مفکر قرآن'' صاحب، خود ''مزاج شناس خدا'' ہیں۔ لیکن اپنی اخلاقی نامردی کی بناء پر اس حقیقت کا برملا اعتراف نہیں کر پاتے، یا پھر مصلحتاً، وہ، اپنی ''مزاج شناسی خدا'' کی ''خوبی'' کو اس لیے مخفی رکھنا چاہتے ہیں کہ اس کا برملا اظہار کر دینے کی صورت میں، وہ اپنے مغضوب و معتوب عالم دین پر، ''مزاج شناسِ رسول'' کا لیبل چسپاں نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ خود کو ''مزاج شناس خدا'' قرار دینے کے بعد، وہ کس منہ سے، دوسروں پر، ''مزاج شناس رسول'' کا لیبل لگا کر، ان کے خلاف طوفانِ بدتمیزی اٹھا سکتے ہیں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۰

بیسویں صدی کا ''مزاج شناس رسول''،

جناب غلام احمد پرویز

(غیر مطبوعہ مقالہ)

اس شخص کا معاملہ، کس قدر عجیب ہے جو خود جھوٹ بولتا ہے۔ مگر الزام دوسروں پر لگاتا ہے۔ خود خیانت کار ہے، مگر اوروں کو ایسا کہتا ہے۔ خود دھوکہ باز ہے مگر اپنے حریفوں کو متہم کرتا ہے، عبارات میں قطع و برید، اس کی اپنی عادت ہے مگر اسے منسوب، دیگر افراد کی طرف کرتا ہے۔ مسخِ حقائق، تحریفِ واقعات اور تقلیبِ امور، اس کا اپنا شیوہ ہے مگر ان اوصافِ سیئہ کو اپنے حریفوں کے کھاتے میں ڈالتا ہے۔ مغالطہ انگیزی اور چکمہ بازی، اس کا اپنا وطیرہ ہے، لیکن ان قبائح کا نشانہ، اپنے رقیبوں کو بناتا ہے۔ جوعِ صیت اور ہوسِ شہرت کا بخار، خود اسے، اس حد تک چڑھا ہوتا ہے کہ دوسروں کے شاندار کارناموں کو بھی، وہ، اپنے کارنامے قرار دیتا ہے، مگر اس کا شکار، وہ، اپنے مخالفین کو قرار دیتا ہے، وہ جی بھر کر گھٹیا اور بازاری زبان اپناتا ہے مگر اسے اپنے مخالفین کی روش ظاہر کرتا ہے۔ وہ خود، غلاظت و گندگی میں رہتا ہے مگر خود پاک باز و نفاست پسند بن کر، اسے دوسروں کی عادت باور کرواتا ہے۔ مخالفین کے اقتباسات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کرتا ہے، مگر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کا مصداق بن کر، یہی الزام، مخالفین پر الٹ دیتا ہے۔ الغرض، وہ خود کیچڑ میں، گندے کیڑے کی طرح، بود و باش رکھتا ہے، مگر پوری قوت اور شدت سے اپنے مخالفین پر صرف اس لیے کیچڑ پھینکتا رہتا ہے کہ خود اس کا اپنا گندگی میں لتھڑا ہوا سراپا، لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔

خدا شاہد ہے کہ میں نے منکرین سنت کے ''مفکر قرآن'' جناب چوہدری غلام احمد پرویز کو، انہی اوصافِ سیئہ، عاداتِ قبیحہ، اعمالِ مذمومہ اور اخلاقِ رذیلہ کا مجسمہ پایا ہے۔ ان تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امور کے ناقابل تردید دلائل اور ناقابل شکست براہین سے، میری کتاب، "جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں" بھری پڑی ہے۔ اس مقالہ میں، میں، اس بات کو ثابت کر رہا ہوں کہ "مزاج شناس رسول" پرویز صاحب خود تھے، مگر الزام شخصِ غیر پر لگایا کرتے تھے۔ اور پھر اس الزام بازی اور بہتان تراشی کو، ہمیشہ اور ہر جگہ، انتہائی کثرت کے ساتھ اعادہ و تکرار کرتے ہوئے، دُہرایا کرتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ نازیوں کے گوئبلز کا یہ مقولہ، ان کا عقیدہ و ایمان بن چکا تھا۔

> جھوٹ کو، اگر سو دفعہ دہرایا جائے تو وہ سچ بن جاتا ہے۔ دنیا اُس کے اِس مقولے پر ہنستی رہی لیکن دوررس نگاہوں نے، اسے قیمتی متاع سمجھ کر، احتیاط سے رکھ لیا، تا کہ بوقت ضرورت، اس سے کام لیا جا سکے۔ ❶

فلسفہ انکارِ حدیث کا ایک جزو

اب ظاہر ہے کہ "مفکر قرآن" سے بڑھ کر، دوررس نگاہ کس کی ہوگی؟ انہوں نے اسے قیمتی متاع سمجھ کر، خوب احتیاط سے رکھ لیا۔ اور بوقت ضرورت، اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا یہاں گوئبلز کے اسی مقولہ سے استفادہ فرماتے ہوئے، "مفکر قرآن" نے، انکار حدیث کے لیے خود ایک فلسفہ تراشا۔ ہم اس کے متعدد اجزاء میں سے ایک جزو کو (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر احادیث کی دینی حیثیت ہوتی تو حضور ﷺ خود، انہیں مرتب فرما دیتے) بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

> میں، رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو، اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں کہ ان کے متعلق یہ خیال تک بھی دل میں لایا جائے کہ فریضۂ ابلاغ دین کے متعلق، ایک کام حضور کو کرنا چاہیے تھا، لیکن اسے حضور ﷺ نے انجام نہیں دیا اور اس کمی کو امام بخاری رحمہ اللہ کی سعی ناتمام نے پورا کرنے کی کوشش کی۔ ❷

الفاظ کی شیشہ بندی سے "مفکر قرآن" یہ سمجھتے ہیں کہ تقلیب امور، تحریفِ واقعات اور مسخ حقائق میں، وہ، کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے الفاظ کی کاٹ سے حقائق، گویا، یوں ذبح

❶ طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۶۰ء، صفحہ ۶۹۔ ❷ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۰ء، ۳۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں گے کہ خون کا کہیں دھبہ تک دکھائی نہیں دے گا اور حقیقت، ان کی مقفی و مسجع عبارتوں کی بھینٹ چڑھ جائے گی، اور اندازِ بیان کی دلکشی، صداقت کا گلا گھونٹ دے گی، اور یوں، حضور اکرم ﷺ کی طرف سے احادیث کی عدم کتابت کے افسانہ کو دنیا ''حقیقت'' سمجھ لے گی۔

حفظِ حدیث کا پہلا طریقہ و ذریعہ

''مفکر قرآن'' نے یہ جو کچھ فرمایا ہے۔ حقائق و واقعات کو پس پشت ڈالتے ہوئے، محض اپنے ہی اوہام وظنون کی دنیا میں گھوم پھر کر فرما دیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ، دین اسلام کا یہ حصہ، خود عہد نبوی میں، دو طریقوں سے محفوظ ہو رہا تھا۔ ایک طریقہ، تو کتابت حدیث کا طریقہ تھا، جب کہ زبانی حفظ و روایت کا طریقہ، تو پہلے ہی سے برقرار چلا آ رہا تھا، چنانچہ آپ کی طرف سے، احادیث کی منعِ کتابت کے مختصر سے وقفہ کے بعد، نہ صرف یہ کہ، حضور ﷺ نے خود، کتابتِ احادیث کی اجازت عام دے رکھی تھی، بلکہ خود صحابہ کرام بھی، آپ کی مجالس میں، احادیث کو قلم بند کیا کرتے تھے۔ اس امر کی پوری تفصیل کے لیے دیکھئے، میری کتاب ''تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ۔''

> ''مفکر قرآن'' صاحب، چونکہ پہلے سے یہ عقیدہ اپنا چکے تھے کہ دین، قرآن میں مکمل ہو گیا ہے۔ جو اس میں نہیں، وہ دین نہیں۔ ❶

اس لیے اگر یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ احادیث کے مجموعے، عہد رسالت ہی میں ضبط تحریر میں لائے جا رہے تھے، وہ تب بھی نہیں مانیں گے، اور گوئبلز کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے یہی رٹ لگائے جائیں گے کہ احادیث، اڑھائی سو سال بعد، زبانی روایات کی رو سے جمع اور مدون کی گئی تھیں۔ اگر عہد نبوی ہی میں، کتابت شدہ مجموعہ ہائے حدیث کو ماننے میں، وہ، مخلص اور نیک نیت ہوتے، تو کم از کم، ان احادیث کی حجیت کو تسلیم کر لیتے، جن کا دور نبوی میں ضبط تحریر میں آ جانا، خود انہوں نے، بایں الفاظ تسلیم کیا ہے:۔

---

❶ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۸۳ء، صفحہ ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ، کچھ اور متفرق چیزیں بھی، حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق قلم بند ہوئی تھیں، مثلاً وہ تحریری معاہدات، احکام و فرامین وغیرہ، جو آنحضرت ﷺ نے قبائل یا اپنے عمال کے نام لکھے، لیکن اس باب میں، جو کچھ آج تک معلوم ہو سکا ہے، وہ فقط اتنا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ، حضور ﷺ کی وفات کے وقت، صرف حسب ذیل تحریری سرمایہ موجود تھا۔

(۱) پندرہ سو صحابہ کے نام، ایک رجسٹر میں۔

(۲) مکتوباتِ گرامی، جو حضور ﷺ نے سلاطین و امراء کو لکھے۔

(۳) چند تحریری احکام، فرامین اور معاہدات وغیرہ۔

(۴) کچھ حدیثیں، جو حضرت عبداللہ ﷺ بن عمرو ﷺ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے طور قلم بند کیں۔ ❶

اب جب کہ یہ حضرات، خود اس بات کے معترف ہیں کہ کم از کم یہ چیزیں، تو حضور ﷺ نے خود لکھوائیں، عہد نبوی میں صحابہ رضی اللہ عنہ نے لکھیں، تو انہیں ہی دینی سند اور حجت تسلیم کر لیا جاتا۔ لیکن ان کو رد کر دیا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ انہیں تسلیم کر لینے سے، احادیث کی دینی حیثیت کو ماننا لازم ہو جاتا ہے، اور یہ چیز، ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ...... ''دین، قرآن میں مکمل ہو گیا۔ جو اس میں نہیں، وہ دین نہیں۔''

''کچھ حدیثیں''

''مقام حدیث'' کے صفحہ ۵ اور ۶ پر سے، جو اقتباس، اس سے قبل درج ہو چکا ہے، اس کا آخری فقرہ ملاحظہ فرمایئے ''کچھ حدیثیں، جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر قلم بند کیں۔'' اس جملہ میں، جن احادیث کو ''کچھ حدیثیں'' کہا گیا ہے، وہ، نہ تو ''کچھ حدیثیں'' ہی تھیں، اور نہ ہی غیر مصدقہ تھیں۔ ''مفکر قرآن'' کی یہ

❶ مقام حدیث، صفحہ ۵ تا ۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
عادت تھی، کہ اپنے قلبی معتقدات ونظریات کی حمایت و پاسداری کے لیے، کسی عبارت سے وہ چیز لے لیا کرتے تھے، جو مفید مطلب ہوا کرتی تھی، اور اس چیز کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، جو خلافِ مقصود ہوا کرتی تھی۔ ان کی اس ذہنی خیانت کا پردہ، مولانا افتخار احمد بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ چاک کیا ہے۔

> حالانکہ نہ ہی وہ "کچھ حدیثیں" تھیں، اور نہ ہی حضور ﷺ کی بے تصدیق شدہ تھیں، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے مجموعہ میں، جس کا نام، انہوں نے "الصادقہ" رکھا تھا، کتنی حدیثیں تھیں؟ اس کا اندازہ، اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ ان میں صرف ان امثال کی تعداد، ایک ہزار تھی، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے۔ پھر جہاں سے ان اصحاب کی کتابت حدیث سے متعلق، معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ ان ہی مآخذ سے، اس کی شہادت بھی ملتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، احادیث کو قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ، تصحیح و اصلاح کی خاطر، انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کرتے رہتے تھے۔ ❶

اور مقام حدیث کے مندرجہ بالا اقتباس میں، یہ جو کہا گیا ہے کہ...... "انہوں نے" اپنے طور پر کچھ حدیثیں قلم بند کیں۔" تو یہ بھی ایک قلبی اور قلمی خیانت کا کرشمہ ہے، تا کہ یہ تاثر اچھالا جا سکے کہ احادیث کی جمع و تدوین اور اس کی حفظ و کتابت، کسی دینی ضرورت اور اسلامی محرک کے تحت، ہدایت پانے اور پھر راہِ راست پر برقرار رہنے کے پیش نظر نہ تھی، بلکہ محض اپنی "ذاتی معلومات" اور صرف "تفننِ طبع" کے لیے، انہوں نے "اپنے طور پر" یہ کام کیا تھا۔

حفظ حدیث کا دوسرا ذریعہ وطریقہ:

حفظ حدیث کا دوسرا ذریعہ وطریقہ وہ تھا، جسے "مفکر قرآن" نے ہمیشہ نظر انداز کئے رکھا، تا کہ نہ یہ پہلو، نگاہوں کے سامنے آئے، اور نہ ہی اس سے شناسائی پیدا ہو، اور نہ ہی اس کی افادیت، لوگوں کے دل و دماغ میں متمکن ہو پائے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ نبی

---

❶ فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر، ج ۳، صفحہ ۱۹۸ تا ۱۹۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

---اکرم ﷺ نے قرآن پڑھ، کر، لوگوں کو سنا دینے کے بعد، ایک معلم، مزکی، حاکم، مقنن، شارح کتاب، قاضی و جج اور سپہ سالار افواج کی حیثیت سے اپنی پیغمبرانہ زندگی میں، جو کچھ کیا، اسی کے نتیجہ میں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب واقع ہوا۔ ایک جیتا جاگتا تمدن اور زندگی بخش معاشرہ وجود میں آیا، اور ایک پوری ریاست کا نظام، عمل میں آیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ آپ ﷺ نے، آسمانی کتاب "قرآن مجید، پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، ہزاروں اور لاکھوں انسان بھی، اور ان پر مشتمل ایک پورا معاشرہ بھی، اور پھر ایک مکمل ریاست بھی "تصنیف" کی۔ اللہ تعالیٰ کی تصنیف، تو صرف الفاظِ قرآن پر ہی مشتمل تھی۔ لیکن اس کتاب کی روشنی میں، حضور اکرم ﷺ نے صحیفۂ دہر کی صورت میں جو کچھ تصنیف فرمایا، وہ (۱) افراد کی انفرادی زندگی (۲) معاشرہ کی اجتماعی حیات، اور (۳) "کامل واکمل ریاست" کے سہ گونہ پہلوؤں پر مشتمل تھی، ان کے جملہ امور و معاملات، وحی کی روشنی میں متعین ہوئے تھے۔ اسلام کے نظامِ حیات کو خواہ، ان تینوں میں سے کسی پہلو سے بھی متعلق ہو جس چیز نے تفصیلی اور عملی شکل میں قائم کیا، وہ، آپ کی وہ سنت تھی جو ابتداء سے لے کر آخر تک، اس پوری عمارت کو، ایک مخصوص نقشے اور رخ پر استوار کرتی رہی ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں، اسلام کے عملی اداروں کا مضبوط بنیادوں پر تعمیر ہونا، اس سنت نبویہ کا مرہونِ منت ہے، جس نے قرآنی ہدایات کے مقصد و منشا کو متعین کر کے، فرزندانِ اسلام کے تہذیبی تصورات اور تمدنی علائم و خصائص کی تشکیل کی ہے۔ کیا حضور اکرم ﷺ کا یہ عملی کارنامہ، سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے کہ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے، آپ ﷺ کے "مدونہ مجموعہ" کو پیش کرنے کی رٹ لگائی جائے۔؟ (اگرچہ ایسے مجموعوں کا وجود بھی ثابت ہے)

مولانا مودودی مرحوم نے، دورِ حاضر کی علمی سطح کے مطابق، دلائل دیتے ہوئے، منکرین حدیث کی ایسی رٹ کو، ایک غیر عملی طرزِ فکر قرار دیتے ہوئے، یہ فرمایا ہے:

> کسی کا یہ کہنا کہ عہد نبوی کے رواجات، روایات، نظائر، فیصلوں، احکام اور ہدایات کا پورا ریکارڈ، ہم کو "ایک کتاب" کی شکل میں مرتب شدہ ملنا چاہیے تھا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درحقیقت، ایک خالص غیر عملی طرزِ فکر ہے، اور وہی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے جو خیالی دنیا میں رہتا ہو۔ آپ قدیم زمانے کے عرب کی حالت کو چھوڑ کر، تھوڑی دیر کے لیے، آج اس زمانے کی حالت کو لے لیجیے، جب کہ احوال و وقائع کو ریکارڈ کرنے کے ذرائع بے حد ترقی کر چکے ہیں۔ فرض کر لیجیے کہ اس زمانے میں کوئی لیڈر ایسا موجود ہے جو ۲۳ سال تک شب و روز کی مصروف زندگی میں ایک عظیم الشان تحریک برپا کرتا ہے۔ ہزاروں افراد کو اپنی تعلیم و تربیت سے تیار کرتا ہے، ان سے کام لے کر ایک پورے ملک کی فکری، اخلاقی، تمدنی اور معاشی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ اپنی قیادت و راہنمائی میں ایک نیا معاشرہ اور ایک نئی ریاست وجود میں لاتا ہے۔ اس معاشرے میں، اس کی ذات ہر وقت ایک مستقل نمونہ ہدایت بنی رہتی ہے۔ ہر حالت میں لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ سبق لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ ہر طرح کے لوگ، شب و روز اس سے ملتے رہتے ہیں، اور وہ ان کو عقائد و افکار، سیرت و اخلاق، عبادات و معاملات، غرض، ہر شعبہ زندگی کے متعلق اصولی ہدایات بھی دیتا ہے اور جزئی احکام بھی۔ پھر اپنی قائم کردہ ریاست کا فرمانروا، قاضی، شارع، مدبر اور سپہ سالار بھی تنہا وہی ہے، اور دس سال تک اس مملکت کے تمام شعبوں کو، وہ خود اپنے اصولوں پر قائم کرتا اور اپنی راہنمائی میں چلاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج اس زمانے میں بھی یہ سارا کام کسی ایک ملک میں ہو، تو اس کا ریکارڈ ''ایک کتاب'' کی شکل میں مرتب ہو سکتا ہے؟ کیا ہر وقت، اس لیڈر کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر لگا رہ سکتا ہے؟ کیا ہر آن، فلم کی مشین، اس کی شبانہ روز نقل و حرکت ثبت کرنے میں لگی رہ سکتی ہے؟ اگر یہ نہ ہو سکے تو کیا آپ کہیں گے کہ وہ ٹھپہ، جو اس لیڈر نے ہزاروں لاکھوں افراد کی زندگی پر پورے معاشرے کی ہیئت پر، اور پوری ریاست کے نظام پر چھوڑا ہے، سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکے؟ کیا آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ اس لیڈر کی تقریریں سننے والے، اس کی زندگی کو دیکھنے والے، اس سے ربط و تعلق رکھنے والے بے شمار اشخاص کی رپورٹیں سب کی سب ناقابل اعتماد ہیں کیونکہ خود اس لیڈر کے سامنے وہ ''ایک کتاب'' کی شکل میں مرتب نہیں کی گئیں اور لیڈر نے ان پر اپنے ہاتھ سے مہر تصدیق ثبت نہیں کی؟ کیا آپ فرمائیں گے کہ اس کے عدالتی فیصلے، اس کے انتظامی احکام، اس کے قانونی فرامین، اس کے صلح و جنگ کے معاملات کے متعلق جتنا مواد بھی بہت سی مختلف صورتوں میں موجود ہے، اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے کیونکہ وہ ''ایک جامع و مانع کتاب'' کی شکل میں تو ہے ہی نہیں۔ ❶

یہ ہے اس لغو مطالبہ کا رد، جو حضور ﷺ کے برپا کردہ سہ گونہ انقلاب کی جملہ جزئیات و فروعات کو پوری اصولی تعلیمات کے ساتھ، ایک مدون ''کتاب'' کی صورت میں پیش کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، اور پھر اس غیر عملی مطالبہ کو، انکارِ حدیث کی بنیاد بنا کر، ہمارے ''مفکر قرآن'' کتاب اللہ کا تیاپانچہ کیا کرتے تھے، اس ''قرآنی بصیرت'' کی بناء پر، جو فی الواقع، وہ ''عقل عیار'' تھی، جو مغربی معاشرت اور مارکسی اشتراکیت کے سانچے میں ڈھل چکی تھی، لیکن اپنی ''عقل عیار'' کی عیارانہ کارکردگیوں پر، پردہ ڈالے رکھنے کے لیے، وہ، مولانا مودودیؒ کے خلاف ''مزاج شناس رسول'' ہونے کا بے ہنگم شور و غوغا اور سوقیانہ پراپیگنڈہ کیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ خود بھی، نہ صرف یہ کہ ''مزاج شناس رسول'' تھے، بلکہ ''مزاج شناسِ خدا'' بھی تھے، ان کی ''مزاج شناسی الوہیت'' گزشتہ باب میں زیر بحث آ چکی ہے، اور ''مزاج شناسی رسالت'' کا جائزہ، اسی مقالہ میں لیا جا رہا ہے۔

''مفکر قرآن'' مزاج شناس رسول:

''مفکر قرآن'' خود کو ''مزاج شناس رسول'' کے روپ میں پیش کرتے ہوئے، فرماتے ہیں۔

---

❶ سنت کی آئینی حیثیت، صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سمجھتا ہوں کہ (۱) جن جزئیات ☆کو، خدا نے خود متعین نہیں کیا تھا، ان کے متعلق، خدا کا منشا یہی تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں، اور (۲) جن جزئیات کو رسول اللہ ﷺ نے متعین کیا تو حضور کا بھی یہ منشا نہیں تھا کہ وہ جزئیات، قیامت تک کے لیے نا قابل تغیر و تبدل رہیں۔ اسی لیے

☆ انکارِ حدیث وسنت کے لیے ''مفکر قرآن'' کے خود ساختہ فلسفہ کا ایک باطل جزو یہ ہے کہ ''قرآن تو اصول وکلیات کی کتاب ہے جو مبنی بروحی ہے، اور احادیث، عہد نبوی کی فروعات و جزئیات ہیں جو مبنی بروحی نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ ہمیشہ کے لیے اٹل قطعی اور غیر متبدل ہے۔ اور جو کچھ احادیث کے مجموعوں میں ہے، وہ تبدیلی زمانہ کے ساتھ، خود تغیر پذیر ہے۔'' حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول وکلیات بھی ہیں اور فروعات و جزئیات بھی۔ اول الذکر، کثیر ہیں جب کہ ثانی الذکر قلیل۔ اسی طرح حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ (اور آپ ﷺ کی سنت) میں بھی، اصول وکلیات اور فروعات و جزئیات دونوں موجود ہیں۔ مقدم الذکر قلیل ہیں جب کہ مؤخر الذکر کثیر ہیں۔ ان دونوں مآخذ میں موجود جزئیات کو بھی بدلا جا سکتا ہے، مگر صرف اس حد تک، جس حد تک متن کے الفاظ کا تقاضا ہو، یا اسلام ہی کی کسی عظیم تر مصلحت کا مطالبہ ہو۔ الغرض دونوں (یعنی قرآن اور اسوہ حسنہ) میں موجود بعض احکام اٹل اور نا قابل تغیر وتبدل بھی ہیں۔ اور بعض وقتی اور قابل تغیر وتبدل بھی۔ اس امر کا ثبوت، علماء سلف وخلف کی بجائے، طلوع اسلام ہی سے حاضر ہے۔

> یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام دو قسم پر مبنی ہیں۔ ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ان کے لیے قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ موجود ہے، لیکن دوسری قسم ان احکام کی ہے جو امت کے عام حالات سے تعلق رکھتے ہیں چونکہ حالات، مزاولتِ زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں، اس لیے ان کے احکام بھی اٹل نہیں ہو سکتے۔

(طلوع اسلام، جنوری ۱۹۴۰ء، صفحہ ۲۵)

اس اقتباس سے یہ واضح ہے کہ قرآن اور اسوۂ حسنہ دونوں میں، دونوں قسم کے احکام (قابل تغیر بھی، اور نا قابل تغیر بھی) موجود ہیں۔

پھر اسی من گھڑت اور باطل فلسفہ کا ایک دوسرا جزو یہ ہے۔ جن امور میں قرآن کریم نے جزئیات کی تصریح خود کر دی ہے، ان میں ساری امت کو مل کر بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ ذرا سا ردو بدل کر سکے (طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۴۱) پھر ''مفکر قرآن'' اپنی خوئے تضاد بیانی کی پاسداری کرتے ہوئے، قرآن میں مذکورہ زکوٰۃ کے ایک جزئیہ کی تبدیلی (بدست عمر رضی اللہ عنہ) کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے صدقات میں مولفۃ القلوب کا حصہ رکھا تھا...... یہ حکم عہد رسالت مآب اور دورِ صدیقی میں جاری رہا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اسے بند کر دیا کہ اب مسلمانوں کے حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں، اس لیے اس امداد کی ضرورت نہیں رہی۔ (شاہکار رسالت صفحہ ۲۷۸)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضور ﷺ نے انہیں محفوظ کر کے، امت کے سپرد نہیں کیا، بلکہ ان کی کتابت تک کی انفرادی کوششوں کو بھی روک ☆ دیا۔ ❶

اس اقتباس میں مذکور، دو شقوں میں سے پہلی شق، ''مفکر قرآن'' کے ''مزاج شناسِ خدا'' ہونے کو، اور دوسری شق ''مزاج شناس رسول'' ہونے کو واضح کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں شقوں میں، اللہ اور اس کے رسول کے جس منشا و مقصد کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا ''مفکر قرآن'' کو علم کیسے ہوا؟ کیا خود خدا نے قرآن میں اپنا منشا بیان کیا ہے؟ کیا رسول ﷺ نے خدا کا یہ مقصد ظاہر کیا ہے؟ کیا ''مفکر قرآن'' کے اس علم کا ذریعہ، ان کا اپنا کشف والہام ہے؟ یا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح، وہ بھی، خدا سے براہِ راست علم پا لینے کے دعوے دار ہیں؟ پھر رسول اللہ کے منشا کا علم، ''مفکر قرآن'' کے کن ذرائع معلومات پر مبنی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسے ظاہر کیا ہے؟ کیا رسول نے خود اپنے اس منشا کو بیان کیا ہے؟ کیا ''مفکر قرآن'' کو بذریعہ کشف والہام، پتہ چلا ہے؟ یا ضلع گورداسپور کی مٹی کا یہ فیض ہے کہ خدا سے براہ راست علم پانے کا دروازہ کھل گیا ہے؟۔ اگر ان سب سوالوں کا جواب، نفی میں ہے، تو پھر صاف ظاہر ہے کہ ''مفکر قرآن'' کو یہ علم، ''مزاج شناسیٔ رسول'' اور ''مزاج شناسیٔ الوہیت'' کے باعث ہی ملا ہے۔ لیکن اپنی اس ''مزاج شناسی'' کو چھپانے کے لیے، وہ، ڈھنڈورہ، یہ پیٹا کرتے تھے کہ مولانا مودودیؒ، مزاج شناسِ رسول ہیں، اور پھر اسے ''ثابت'' کرنے کے لیے، پرویزی حیلوں اور استشراقی ہتھکنڈوں کے ذریعہ، مسخ و تحریف اور قطع و برید کی چالیس چلتے ہوئے، اضافی اور الحاقی، مگر خود ساختہ صغروں اور کبروں کو ترتیب دیا کرتے تھے، ورنہ مولانا مودودی مرحوم کے اپنے الفاظ میں، یہ کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ وہ خود، مزاج شناس رسول ہیں

☆ ''مفکر قرآن'' کو یہ تو یاد رہ گیا کہ ..... ''حضور ﷺ نے احادیث کی کتابت تک کی انفرادی کوششوں کو روک دیا۔'' مگر بعد میں کتابت احادیث کی وہ اجازت بخشی یاد نہ رہی، جس کے تحت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا احادیث کو لکھنا، خود ''مفکر قرآن'' نے ''مقام حدیث'' میں تسلیم کیا ہے۔ یہ ہے وہ مطلب جو یانہ ذہنیت، جس سے حقائق کی تکذیب یا ان کی مسخ و تحریف کا کام لیا جاتا ہے۔

❶ طلوع اسلام، اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۳۹ تا ۴۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ فرمائیے، ان کا اصل اقتباس:

یہ دوسری کسوٹی کون سی ہے؟ ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر، کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ، تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے، اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول ﷺ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے، جس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر، بہ حیثیت مجموعی، شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے، اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد، جب جزئیات، اس کے سامنے آتی ہیں، تو اس کا ذوق، اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر، جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی ردّ وقبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج، عین ذات نبوی کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے، وہ نبی اکرم ﷺ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر، خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے، اور کون سی چیز، سنت نبوی سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں، ان کو قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی، ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش ہوتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لیے کہ اس کی روح، روحِ محمدی میں گم اور اس کی نظر، بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ، اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، اور وہ اسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد، وہ، اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے، اس لیے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی نظر، اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے، اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے، اس لیے کہ اس جام زریں میں جو بادہ معنی بھری ہوئی ہے، وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔'' ❶

یہاں ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ مودودی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ''مفکر قرآن'' کے استدلالی اکاذیب واباطیل کا جائزہ لینا ہے۔

اس اقتباس میں ہر شخص، خود دیکھ سکتا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے محض ایک اصولی بات اور نظریاتی حقیقت پیش کی ہے۔ خود اپنی ذات کے بارے میں ''مزاج شناسِ رسول'' ہونے کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا ہے، لیکن ''مفکر قرآن'' کا ذوقِ تلبیس و خیانت، شوقِ مسخ و تحریف اور مزاجِ اتہام بازی و تہمت تراشی، اس اصولی بات کا مصداق، خود مودودیؒ علیہ الرحمۃ کو قرار دیتا ہے کہ وہ، اپنے متعلق، یہ کچھ کہہ رہے ہیں، چنانچہ ''مفکر قرآن'' صاحب، مولانا مودودیؒ کی اقامتِ دین کی سیاسی جدوجہد کے تناظر میں، یہ فرماتے ہیں:۔

سوچئے کہ زمام اقتدار، اگر ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آجائے، جو یہ کہے کہ صحیح وہ ہے جو میری نگاہ صحیح کہہ دے، اور غلط وہ ہے، جسے میں غلط قرار دے دوں، تو کیا اس کے بعد، یہاں قرآن اور حدیث کی کوئی حقیقت بھی باقی رہ جائے گی؟ ❷

چند سطروں کے بعد، پھر یہ کہا گیا ہے کہ اس اقتباس میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ، مودودی صاحب نے اپنے متعلق کہا ہے۔ چنانچہ ''مفکر قرآن'' صاحب، حامیانِ حدیث کو مولانا مودودیؒ کے خلاف اشتعال دلاتے ہوئے، یہ لکھتے ہیں کہ:

طلوع اسلام تو یہ کہتا ہے کہ صحیح و غلط کا معیار، قرآن ہے، صحیح وہ ہے جسے قرآن صحیح کہہ دے، اور غلط وہ ہے جو اس کے ہاں سے غلط قرار پائے، اسے تو آپ منکر حدیث کہتے ہیں، لیکن اس کے برعکس، ایک شخص یہ کہتا ہے کہ تمہارے اپنے معیاروں کے مطابق، صحیح قرار دیئے ہوئے احادیث کے مجموعے، صحیح قرار نہیں

❶ تفہیمات، جلد اول، صفحہ ۳۶۱ تا ۳۶۲۔

❷ پرویز صاحب کی کتاب ''مزاج شناس رسول'' صفحہ ۱۳۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے جا سکتے جب تک ان کی صحت کے متعلق میری بارگاہ سے فتویٰ صادر نہ ہو جائے۔ ان ذخیروں میں سے، جس کو میں صحیح کہہ دوں، وہ صحیح ہے، اور جسے میں غلط قرار دے دوں، وہ غلط ہے، تو اس شخص کو آپ سب سے بڑا حامیٔ حدیث اور محی السنۃ قرار دے رہے ہیں۔ ❶

صرف یہی نہیں بلکہ، اس سے کہیں آگے بڑھ کر، مولانا مودودیؒ کے خلاف، ''مفکر قرآن'' کا کینہ وکدورت، حسد وعداوت اور حقد وعناد، انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ، جس طرح بھی ہو سکے، مولانا مودودیؒ کو، مرزا غلام احمد قادیانی کے مماثل اور مثنٰی کے طور پر، پیش کریں۔ چنانچہ وہ اس ضمن میں، پہلے مرزا قادیانی کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے، اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے، جس انبار کو چاہے، خدا سے علم پا کر قبول کر لے، اور جس ڈھیر کو چاہے، خدا سے علم پا کر رد کر دے۔ ❷

مرزائے قادیانی کے اس اقتباس کو، مولانا مودودی کے اس اقتباس کے پہلو بہ پہلو رکھ کر، خود ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دونوں اقتباسات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دونوں پر محض سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب، یہ کہہ رہے ہیں کہ ''خدا کی طرف سے حکم ہو کر آنے والا، اور خدا کے ہاں سے علم پا کر آنے والا جس حدیث کو چاہے، قبول کر لے، اور جسے چاہے، رد کر ڈالے۔'' لیکن اس کے برعکس مولانا مودودیؒ یہ فرماتے ہیں کہ۔ ''کثرتِ مطالعۂ قرآن وسیرت سے، صاحب مطالعہ میں جو بصیرت پیدا ہوتی ہے، وہ احادیث کے رد وقبول میں وہی کردار ادا کرتی ہے، جو ایک جوہری کی صلاحیتِ جوہر شناسی، جواہرات کی جانچ پرکھ میں کام کرتی ہے۔'' الغرض، ایک جگہ، خدا سے علم پا کر، خود حکم بن کر، احادیث میں رد وقبول کا دعویٰ ہے۔ اور دوسری جگہ کثرتِ مطالعہ اور تحقیقِ بسیار سے، ہر صاحبِ مطالعہ وتحقیق میں، جوہری کی سی بصیرت کے پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں خدا سے علم پا کر بطور حکم، احادیث میں سے بعض کے اخذ کا اور بعض کے ترک کا

❶ ایضاً صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۴۔ ❷ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۔ مزاج شناس رسول، صفحہ ۱۲۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویہ اپناتا ہوں اور اکتسابی مہارت اور کسی فن حدیث کا محتاج نہیں ہوں، جب کہ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ جو شخص بھی فن حدیث کا بکثرت مطالعہ کرتا ہے، اُسے ایسی ممارست و مہارت اور بصیرت و فراست حاصل ہو جاتی ہے جو احادیث کی جانچ پرکھ اور اخذ و ترک میں، متعدد معیاروں میں سے ایک معیار قرار پاتی ہے۔ اب کیا یہ دونوں باتیں ایک سی ہیں؟ اور ان کے کہنے والے واقعی باہم مماثل اور ایک دوسرے کے مثنٰی ہیں؟ لیکن ''مفکر قرآن'' صاحب، اپنے باطنی عناد و عداوت کے باعث، ایک ایسے وکیل کا کردار اپنا رہے ہیں جس نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے کسی بے گناہ کو پھانسنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ بڑی ڈھٹائی سے، مولانا محترم کو، اپنے ہم نام متنبّی کا مماثل و مثنٰی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> آپ مرزا صاحب کے مذکورہ بالا اقتباس اور مودودی صاحب کی تصریحات کو پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھئے اور سوچیے کہ مودودی صاحب کا یہ مسلک کسی طرح بھی مرزا صاحب کے اس مسلک سے مختلف ہے؟ مزاج شناسی نبوت اور بصیرت نبوی، ❶ ایسی چیزیں ہیں جن پر کوئی دلیل یا سند، نہ پیش کی جا سکتی ہے، نہ مانگی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میری مزاج شناسی نبوت یا بصیرت نبوی کا یہی فیصلہ ہے اور اس کا یہ فیصلہ ❷ بیک جنبش ابرو ''دین'' بن سکتا

---

❶ چھوڑیئے مودودی صاحب کی بصیرت نبوی'' کو، اور دیکھئے'' ''مفکر قرآن'' کی بصیرت کو، جس کی بناء پر، وہ خود ''مزاج شناسِ خدا'' بن کر، احادیث تو رہیں ایک طرف، قرآنی آیات کو وہ معانی پہنایا کرتے تھے کہ بقول اقبال

وے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفٰے را

دیکھئے میری کتاب ''تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ''

❷ ''قرآنی بصیرتِ'' پرویز، نہ صرف احادیث میں، بلکہ قرآن میں بھی ''اپنے فیصلے'' صادر کرتی ہے مثلاً ''ہماری نگہ و بصیرت نے ان دونوں قسم کی روایات کو دیکھا اور بلا ادنیٰ توقف یہ کہہ دیا کہ'' ...... یہ روایات وضعی ہیں (طلوع اسلام، جنوری ۶۸ء ص ۸) اور قرآنی تعلیمات میں ان کی ''بصیرت قرآنیہ'' مخلوط معاشرت کے حق میں فیصلہ صادر کرتی ہے... '' میری قرآنی بصیرت کے مطابق، مردوں اور عورتوں کا ملنا جلنا، ناجائز نہیں......'' (طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۴ء صفحہ ۵۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ یہ ہے وہ مقام جو صرف ایک نبی ہی کو حاصل ہو سکتا ہے کہ وہی اپنی بات کو، بحیثیت دین کے، بغیر کس سند و دلیل کے منوا سکتا ہے۔ ☆ ❶

پھر اسی اقتباس میں چند سطروں کے بعد یہ کہا گیا ہے۔

ان دونوں میں فرق اتنا ہی ہے کہ اول الذکر، اپنی پوزیشن کو ظلی اور بروزی نبوت سے تعبیر کرتا ہے، اور ثانی الذکر ''مزاج شناسی نبوت'' اور ''بصیرت نبوی'' سے، بلکہ اپنی روح کو روح محمدی میں گم ہو جانے، اور اپنی نظر کو، بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جانے سے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ محض تعبیرات کا فرق ہے۔ اس تعبیری فرق سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اس تفصیل کے بعد، ہم ناظرین سے پوچھتے ہیں کہ ان دونوں مدعیوں میں کیا فرق ہے؟ کیا دونوں کا مطمع نظر اور منزل مقصود، ایک ہی نہیں؟ ❷

چنانچہ مرزا صاحب اور سید مودودی رحمہ اللہ کو باہم مماثل اور مثنی قرار دیتے ہوئے، اور دونوں کے مطمع نظر اور منزلِ مقصود کو واحد قرار دیتے ہوئے، مولانا مودودی رحمہ اللہ کو ''نبوت جدیدہ'' کا حامل قرار دیا گیا۔ اس کے لیے جو دلیل تراشی گئی ہے، وہ مئی ۱۹۳۷ء میں شائع ہونے والے، اس اقتباس پر مبنی ہے جو ''مسلک اعتدال'' کے نام سے، چوہدری غلام احمد پرویز ہی کی درخواست پر، سید مودودی نے تحریر فرمایا تھا۔ اس مضمون کی اشاعت پر، نہ تو ''مفکر قرآن'' کو اس میں ''نبوت جدیدہ'' کے جراثیم دکھائی دیئے۔ نہ ہی ''ظلی و بروزی نبوت'' اور ''مزاج شناسی رسول'' میں کوئی تعبیری اتفاق نظر آیا، نہ ہی اس وقت مرزا صاحب اور مودودی صاحب کے ''مطمع نظر اور منزل مقصود'' کی یکسانیت پر نگاہ پڑی، اور نہ ہی اُن دنوں، مودودی صاحب کو

☆ ''نبی اپنی بات کو، بحیثیت دین کے، بغیر کسی سند و دلیل کے منوا سکتا ہے۔'' یہاں تو ''مفکر قرآن'' کا یہ فرمان ہے، لیکن اسی کتاب میں چند صفحات قبل، وہ اس کے برعکس یہ فرماتے ہیں..... ''کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان سے اپنا قول، بطور دینی حکم منوائے..... حتیٰ کہ ایک نبی اور رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی سے یوں کہے کہ دین کا یہ حکم یوں اس لیے ہے کہ میں ایسا کہتا ہوں۔ اس کو بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ دین کا یہ حکم یوں اس لیے ہے کہ خدا کا ایسا ہی حکم ہے۔'' یہ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد کی واضح مثال۔

❶ مزاج شناس رسول، صفحہ ۱۳۳۔ ❷ مزاج شناس رسول، صفحہ ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرزا صاحب کے مماثل اور مثنیٰ کے طور پر ''مفکر قرآن'' نے دیکھا۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک مدعیِ نبوتِ جدیدہ اور اس کے دعاوی (بصورت مزاج شناسی رسالت) کے باوجود، مولانا مودودی اور ان کے مجلّہ ترجمان القرآن پر گلہائے عقیدت، یوں نچھاور کیے جاتے۔

ترجمان القرآن ایک ماہانہ مجلّہ ہے جو چھ سال سے مسلسل اسلام کی صحیح ترجمانی اور قرآن حکیم کی حکیمانہ دعوت کی نشر و تبلیغ کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی فکری اور اسلامی صلاحیتوں کا علم ہے، ان کے لیے بس یہ کہنا ہی کافی ہے کہ آپ ہی ترجمان القرآن کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مولانا موصوف کو، اس زمانہ میں اسلام کی خدمت اور ملت کی تجدید کے لیے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے، اور وہ شرح صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین [1] دیا ہے جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح ادراک کر کے، قرآن کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ ترجمان القرآن کا موضوع قرآن حکیم ہے، ایک طرف وہ قرآن حکیم کی روشنی میں تاریک دلوں کو منور کر رہا ہے، اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کر کے، مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔

قرآن حکیم کو منشاء الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اصولوں پر اس کی نشر و اشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور ان کو عقل سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب [2] نہ ہونا،

---

[1] خدمت اسلام اور تجدید ملت کے لیے بہرۂ وافر، شرح صدر، اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین'' وغیرہ یہ جملہ صفات، اسی مودودی کی بیان کی جا رہی ہے۔ جس کے بارے میں، پاکستان بننے کے بعد ''مفکر قرآن'' نے یہ فتویٰ قرآنی جاری کیا کہ..... ''یہ صاحب قرآنی حقائق و تصورات کی ابجد تک سے نابلد ہیں۔''

(طلوع اسلام، مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۳۱)

[2] وہ مودودی، جو کل تک ''اسلام کے مقابلہ میں، بڑی سے بڑی مخالفت سے بھی مرعوب'' نہ تھا، آج اس کے متعلق طلوع اسلام شیخی بگھارتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ پرویز صاحب جیسے رستم زمان اور سپر مین سے مرعوب و مرہوب رہے ہیں۔ ''مودودی صاحب پرویز صاحب سے خائف تھے۔'' (طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۶۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل، قرآن کریم سے پیش کرنا وہ خصوصیات ہیں جو بحمد اللہ ''ترجمان القرآن'' کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج کل سیاست کے نام پر مسلمانوں میں جو گمراہی پھیلائی جا رہی ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اس سے غافل نہیں ہیں، اور کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی بھی فرما رہے ہیں۔ اس رسالہ کا مطالعہ ہر خیال کے مسلمانوں کے لیے از بس ضروری ہے، خصوصاً ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کے لیے جو فلسفہ جدیدہ، سائنس اور مغربی حکماء کی دانش فرشیوں سے مرعوب ہو چکے ہیں، اور جنہوں نے ❶ مذہب کو عقل و دانش اور ترقی کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ کو اس رسالہ کا مطالعہ سب سے پہلے کرنا چاہیے، بلحاظ نصب العین اور مسلک، ''ترجمان القرآن'' اور ''طلوع اسلام'' ❷ ایک ہی اصل کی دو شاخیں سمجھیے۔ ❸

''مفکر قرآن'' کے ہاتھوں، طلوع اسلام کا جب پہلا شمارہ، مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا، تو اس وقت بھی، انہیں نہ صرف کہ ''مسلک اعتدال'' میں ''نبوت جدیدہ'' کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ بلکہ مولانا مودودی، اس وقت بھی، ایسے بلند پایہ علماء و فضلاء میں سے تھے، جن کی قلمی معاونت، طلوع اسلام کے لیے، نشانِ خوش بختی تھا۔

ہماری خوش بختی ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اہل الرائے اور اہل قلم حضرات کی

---

❶ یہاں مذہب، ''دین'' کے مفہوم میں مستعمل ہوا ہے، اور ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد'' کے مصداق، طلوع اسلام یہ بھول گیا کہ مذہب اور دین میں فرق ہے۔

❷ وللہ در ما قال .... بلحاظ نصب العین اور مسلک، طلوع اسلام اور ترجمان القرآن کو ایک ہی اصل کی دو شاخیں سمجھیے۔'' اگر ایسا ہی ہے، تو پھر ''نبوتِ جدیدہ'' کے شجر کی دوسری شاخ، کیوں نہ طلوع اسلام کو سمجھا جائے؟

❸ طلوع اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۷۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک جماعت کی توجہات وعنایات ہمارے شامل حال ہیں، اور ان میں سے اکثر حضرات کی نہ صرف قلمی معاونت ہی ہمیں رہین منت کرے گی، بلکہ ان کی بالغ نظری اور بلند نگہی ہر مسئلہ میں، ہمارے لیے شمع ہدایت ہوگی۔ اس ضمن میں من جملہ دیگر حضرات، جناب مولانا اسلم جیراجپوری، شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن قبلہ، جناب چوہدری غلام احمد پرویز بی اے، جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مدیر ترجمان القرآن، ڈاکٹر تصدق حسین صاحب خالد، ایم اے، پی ایچ ڈی، بار ایٹ لا، جناب محمد اسد خاں صاحب، اسد ملتانی، جناب راجہ حسن اختر صاحب، پی سی ایس، خاص طور پر ہمارے شکریئے کے مستحق ہیں۔ ❶

اب غور فرمایئے کہ یہی تفہیمات، حصہ اول ہے، جس میں مسلک اعتدال کا وہ مضمون بھی شامل ہے، جس کے ایک اقتباس سے ٹھیک پندرہ سال بعد، ''نبوت جدیدہ'' کی بو کو، ''مفکر قرآن'' کی قوتِ شامہ نے سونگھ لیا ہے۔ لیکن اس وقت، اس کی اولین اشاعت پر، نہ صرف یہ کہ ایسی بو محسوس نہ ہوئی، بلکہ اس پر یہ تحسین افروز تبصرہ بھی شائع کیا گیا۔

تفہیمات یعنی مجموعہ مضامین جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی، مدیر ترجمان القرآن، قارئین طلوع اسلام کے لیے، نہ تو جناب سید صاحب کسی تعارف کے محتاج ہیں، اور نہ ان کے مضامین۔ سید صاحب کے مضامین کا ایک مجموعہ، اس سے پیشتر، تنقیحات کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر کتاب میں، ان اہم مضامین کا ایک حصہ آ گیا ہے جو ترجمان القرآن میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں اور اسلامی تعلیمات کے مہماتِ مسائل پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مضمون سے پورا پورا اتفاق کریں، لیکن یہ ایک سنجیدگی کے ساتھ سوچنے والے اہل علم کے افکار کا مجموعہ ہے، اس لیے قابل قدر۔ ❷

---

❶ طلوع اسلام مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۲

❷ طلوع اسلام، اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے اپنے تجربات کی بناء پر پیشگی اندازہ ہے کہ تفہیمات کو ''اہل علم کے افکار کا ایک قابل قدر مجموعہ'' قرار دینے کے بعد بھی اور باوجود بھی، آج کے منکرین سنت کے دلوں میں، مولانا مودودیؒ کے خلاف، طلوع اسلام کے یکطرفہ ☆ اور مسلسل مطالعہ کی بناء پر، جو کینہ و کدورت، حسد و عناد، اور بغض و عداوت پیدا ہو چکی ہے، اُس کی تسکین کے لیے، ''ڈوبتوں کے لیے تنکے کا سہارا'' کے مصداق، پرویز صاحب کا یہ جملہ کافی ہے کہ...... ''یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مضمون سے پورا پورا اتفاق کریں۔'' لہٰذا، پرویز صاحب نے تفہیمات سے مکمل اتفاق نہیں کیا ہے، بلکہ

☆ طلوع اسلام کو قطعاً یہ بات گوارا نہیں کہ اس کے قارئین کھلے دل سے، ہر مکتبہ فکر کا مطالعہ کر کے، تحقیق و ریسرچ کے بعد، اپنی رائے قائم کریں۔ مجلّہ مذکورہ بھی اور ''مفکر قرآن'' بھی ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ لوگ، ان کے یکطرفہ لٹریچر کے مطالعہ سے یک رخی رائے قائم کر کے ایک مخصوص خول میں بند ہو کر رہ جائیں، اس لیے کہ انہیں یہ خطرہ ہے کہ کسی اور مکتبہ فکر کے لٹریچر کا مطالعہ، ان کے اکاذیب و اباطیل کی قلعی کھول کر، ان کے موقف کی کمزوری کو بے نقاب کر سکتا ہے، چنانچہ وہ اس جدوجہد میں رہے کہ حق و صداقت کی کوئی کرن، ان کے ظلمت کدوں میں راہ نہ پا سکے۔ ''مفکر قرآن'' اپنے حلقہ احباب کے دل و دماغ میں یہ زعم اور پندار راسخ کیا کرتے تھے کہ...... ''اس وقت ساری دنیا میں، قرآن خالص کی آواز، صرف آپ کی اس ننھی سی جماعت کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔'' (طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۸۷)، اس لیے، ''مفکر قرآن'' یہ نہیں چاہتے تھے کہ ''قرآنی فضا'' میں جنم لینے اور پرورش پانے والی اس جماعت کے کانوں میں کوئی ''غیر قرآنی'' آواز پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ، اراکین بزم طلوع اسلام کو یہ ہدایت کیا کرتے تھے کہ آپ کی ''خالص قرآنی مجالس'' میں ایسے افراد نہ آنے پائیں جو سوال و جواب کے ذریعہ، آپ کے لیے فکری انتشار اور ذہنی پراگندگی کا سبب بن جائیں۔ اگر کوئی شخص، یکطرفہ مطالعہ کی بناء پر رائے قائم کرنے کو نامناسب سمجھتا اور معتدل، متوازن اور تحقیقی رائے قائم کرنے کے لیے، دیگر کتب و جرائد کا مطالعہ بھی ضروری سمجھتا، تو ایسا شخص، ''مفکر قرآن'' کی نگاہ میں، پست ذہنی سطح کا آدمی قرار پاتا۔ چنانچہ طلوع اسلام کے خول سے باہر نکل کر، دیگر جرائد کا مطالعہ کرنے والے ایک شخص کو ''مفکر قرآن'' نے یوں ڈانٹا:...... ''آپ جو جی میں آئے پڑھیے، لیکن طلوع اسلام کا مطالعہ کرنے میں، اپنا وقت، توانائی اور پیسہ ضائع نہ کریں۔ آپ کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں کہ آپ طلوع اسلام کی دعوت کو صحیح طور پر سمجھ سکیں، اور اس میں اور مذہبی رسالوں کی دعوت میں فرق کر سکیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ اگر آپ اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو دیکھیں، تو انہیں اپنوں میں سے نہ سمجھیں۔ اگر وہ کسی سازش کے ماتحت ایسا نہیں کہتے۔ نیک نیتی سے ایسا کہتے ہیں تو بھی وہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔'' ...... (طلوع اسلام، نومبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۵)۔ طلوع اسلام اور ''مفکر قرآن'' کے نزدیک ''بلند ذہنی سطح'' کا مالک صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان کا یکطرفہ لٹریچر پڑھے، اور پھر ہر اس شخص اور جماعت کا دشمن بن جائے، جس سے طلوع اسلام کو عداوت ہو، کیونکہ یہی نفرت و عداوت، ''فرقہ انکار حدیث'' کو مضبوط و مستحکم رکھنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ خود ''مفکر قرآن'' فرماتے ہیں۔ ''فرقہ بندی کی نفسیات یہ ہیں کہ اپنے فرقہ کے لوگوں میں، دوسروں کی طرف سے نفرت پیدا کی جائے، جس قدر نفرت شدید ہوگی، اتنا ہی فرقہ زیادہ مضبوط ہوگا۔'' (طلوع اسلام، اپریل ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے اختلاف کو ظاہر کر دیا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا طلوع اسلام یا آج کا کوئی منکر سنت، مسلمہ کذاب اور اسود عنسی کی ''نبوت قدیمہ'' یا مرزا غلام احمد قادیانی کی ''نبوت جدیدہ'' کے ادراک کے بعد، ان کی کسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے، کیا یہی فرمائے گا کہ...... یہ مضامین اسلامی تعلیم کے مہمات مسائل پر مشتمل ہیں۔'' اور یہ کہ...... ''یہ سنجیدگی کے ساتھ سوچنے والے، اہل علم کے افکار کا قابل قدر مجموعہ ہے''......؟ کیا بہاء اللہ نوری اور علی محمد باب شیرازی کے مضامین و نگارشات پر یہ تبصرہ کافی ہوگا کہ...... ''یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مضمون سے پورا پورا اتفاق کریں......''؟

سوال یہ ہے...... اور یہ بہت اہم سوال ہے...... کہ اگر تفہیمات میں ایسا اقتباس موجود ہے، جس میں ''نبوت جدیدہ'' کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور مرزا صاحب اور مودودی صاحب میں مماثلت ظاہر ہوتی ہے اور دونوں کا مطمع نظر اور منزل مقصود، ایک ہی قرار پاتی ہے، تو پھر اس علمبر دارِ قرآن (مجلّہ طلوع اسلام) کا اس وقت، فرض آیا یہ تھا کہ وہ اس مدعی نبوت کی قلمی معاونت کو اپنے لیے خوش بختی قرار دیتا؟...... یا...... یہ کہ اس وقت، ''نبوت جدیدہ'' کے تار و پود کو بکھیر دیتا؟ اس وقت، طلوع اسلام کا ''قرآنی فریضہ'' آیا یہ تھا کہ ''نبوت جدیدہ'' کے اس دعویٰ دار کی دینی بصیرت، اسلامی فراست اور تفقہ فی الدین کو خراج تحسین اور ہدیۂ عقیدت پیش کرتا؟...... یا...... یہ کہ بہانگ دہل یہ اعلان کرتا کہ ''بروزی و ظلی نبوت'' اور ''مزاج شناسیٔ رسول''، تعبیری اختلاف کے باوجود، ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہیں؟

اظہارِ عدمِ اتفاق کی علت:

یقیناً یہاں قارئین کرام کے قلوب و اذہان پر یہ اشکال بار بار رہا ہوگا کہ آخر، تفہیمات پر تبصرہ کے دوران، ''یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مضمون سے پورا پورا اتفاق کریں'' کیوں کہا گیا؟

جن لوگوں نے تفہیمات، جلد اول کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس کتاب میں ایسے مضامین بھی ہیں جو پرویز صاحب کے استاد، اسلم جیراجپوری کی تردید میں لکھے گئے تھے اور بعض مضامین، فتنۂ انکارِ حدیث کی تردید پر بھی مشتمل ہیں۔ اسلم جیراجپوری سے پرویز صاحب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشابهت قلوبھم کے رشتہ میں منسلک تھے، اس لیے ان کے افکار پر مولانا مودودی کی تنقید بھی، پرویز صاحب کے لئے وجہ انقباض تھی اور چونکہ اُن دنوں، پرویز صاحب بھی، دوغلی پالیسی اپنائے ہوئے تھے، اس لیے وہ مصلحتاً، اپنے قلب و دماغ میں چھپے ہوئے، مسلک (انکار حدیث) کو ظاہر نہیں کر رہے تھے، جو افکار و نظریات، مختلف رسالوں میں اپنے مضامین شائع کروا کر ظاہر کر رہے تھے، وہ علماء سلف و خلف کے عقائد و تصورات کے عین مطابق تھے، اور یہ قلب و قلم کی مغایرت، اس لیے اپنائی جا رہی تھی کہ وہ ''پالولر'' ہو جائیں، اور ''پالولر'' ہونے کے لیے جو اصول، کارگر اور مفید ہیں، اس کا ذکر، خود پرویز صاحب نے بایں الفاظ کیا ہے۔

> مختصر یہ کہ اصول ہوں یا فروع، نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو کچھ آپ ہیں، وہ ظاہر نہ ہونے پائے، اور جو ظاہر ہوں وہ حقیقت نہ ہو۔ جو کچھ محسوس کریں وہ کہیں نہیں، اور جو کچھ کہیں، وہ محسوس نہ کر رہے ہوں۔ قلب و زبان میں ہم آہنگی کبھی نہ ہو۔ اور اس روش کا نام پالیٹکس یا مصلحت رکھ لیں، بس پالولر ہونے کی سکیم کا کامیاب ہونا یقینی۔ اور یہ آخری ڈگری ہے، جو اخلاقی یونیورسٹی سے آپ کو مل سکتی ہے۔ ❶

اب چونکہ تفہیمات میں، ایسا مواد بھی موجود ہے، جو پرویز صاحب کے قلب میں مکتوم و مخفی مسلک (انکار حدیث) کی تنقید پر مشتمل ہے، مزید بریں، ان کے استاد، اسلم جیراجپوری کے افکار کی تردید بھی تفہیمات میں موجود ہے، اس لیے اس قلبی انقباض کے زیر اثر، جو اوپر مذکور ہو چکا ہے، پرویز صاحب کو یہ لکھنا پڑا ہے۔ ''یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مضمون سے پورا پورا اتفاق کریں۔''

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر افتخار احمد بلخی کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی نذرِ قارئین کر دیا جائے۔

> سوال یہ ہے کہ اس وقت اس طائفہ قرآنیہ کی غیرتِ قرآنی کو کیا ہوا تھا کہ جب

❶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ''مزاج شناسِ رسول'' کی ''شمع ہدایت'' میسر آ جانے کو، اپنی خوش بختی قرار دی جا رہی تھی؟ اور اس کی اسلامیت کو کیا ہوا تھا جب کہ ترجمان القرآن پر، تحسین وتعریف پر مشتمل تقریظ لکھی گئی؟ اور اس کی ''دینی حمیت'' کہاں سوتی رہی جب کہ تفہیمات پر تبصرہ سپردِ قلم کیا جا رہا تھا؟ آخر اس میں بھید کیا ہے کہ ۳۸ء سے لے کر دسمبر ۱۹۵۰ء تک کے درمیانی، اتنے طویل عرصہ میں، یہی عبارتیں تھیں، اور ان عبارتوں کا یہی مصنف تھا، لیکن اس طائفہ قرآنیہ کے سمع و بصر اور فواد محو خواب رہے؟ اور دسمبر ۱۹۵۰ء میں، اچانک مودودی صاحب کی ''آہنی ڈکٹیٹر شپ'' اور اکتوبر ۱۹۵۲ء میں، ان کے اجراءِ نبوت کے انکشافات شروع ہو گئے؟ ❶

اس بھید پر سے پردہ مولانا افتخار احمد بلخی نے اپنی کتاب ''فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر'' میں خوب اٹھایا ہے، تفصیل کے طالب حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں مگر میں مجبور ہوں کہ اپنے اسپ قلم کو ''مزاج شناسِ رسول'' ہی کی جولانگاہ تک محدود رکھوں۔ ''مفکر قرآن'' صاحب لکھتے ہیں۔

ہمارے دور میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے آپ کو ذاتِ رسالت مآب کا ظل اور بروز بنا کر، پیش کر دیا، اور قطعاً نہ شرمایا کہ اس کی اس جسارت سے، حضور رسالت مآب کی (معاذ اللہ) کس قدر توہین ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی، شرفِ انسانیت کے اس بلند مقام پر ہے جہاں انسان کا تصور بھی نہیں جا سکتا، لیکن اس دعویٰ کے بعد، دنیا نے، اسی ''ظل'' پر ''اصل'' کا قیاس کرنا شروع کر دیا، اور یوں حضور ختمی مرتبت کو، اس پست سطح پر لا کھڑا کر دیا جس کے خیال سے ہمیں جھرجھری آ جاتی ہے، اور اب یہ صاحب (مراد مودودی صاحب ہیں...... قاسمی) اٹھے ہیں، تو اس دعویٰ کے ساتھ کہ...... ''میں مزاج شناسِ رسول

❶ فتنہ انکار حدیث کا منظر، جلد۲، صفحہ ۲۴۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اگر کوئی ایسی بات سامنے آئے جس میں قرآن وسنت سے کوئی چیز نہ ملتی ہو، تو میرے پاس آؤ، جو کچھ میں کہوں، اس کے متعلق یہ سمجھ لو، کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس وقت موجود ہوتے، تو وہ وہی کہتے (جو میں کہتا ہوں)۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ۔ کتنی بڑی ہے یہ گستاخی اور کس قدر شرمناک ہے یہ بے باکی۔ گستاخی اور بے باکی، اس ذات اقدس واعظم کے خلاف، جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش بالاتر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا ❶

''مفکر قرآن'' کی لفاظی دیکھیے، ''عشق رسول'' اور ''حب نبی'' دیکھیے، جو ان الفاظ میں پائی جاتی ہے اور پھر اس احترام کو دیکھیے جو عرش سے نازک تر ادب گاہ کے لیے ظاہر کیا گیا ہے اور پھر اس پورے جملہ کو دیکھیے، جسے متکلم کے صیغوں میں ڈھال کر، مولانا مودودی کے گلے منڈھا گیا ہے اور جسے ''کتنی بڑی ہے یہ گستاخی اور کس قدر شرمناک ہے یہ بے باکی'' جیسے تعجب خیز (Exclamatory Sentencc) جملہ میں بیان کیا گیا ہے اور پھر آخر میں اس ''عظیم گستاخی اور شرمناک بے باکی'' پر، استغفر اللہ، استغفر اللہ کی گردان کو بھی دیکھیے۔

''مفکر قرآن'' کی عظیم گستاخی اور شرمناک بے باکی:

لیکن اب جو کچھ میں کہنے لگا ہوں، اس پر منکرین سنت کو کلیجہ تھام لینا چاہیے، کان کھول کر سننا چاہیے اور دیدے پھاڑ کر، دیکھنا چاہیے، پھر اگر ''مفکر قرآن'' کے فیضانِ نظر کے صدقے میں، عدل وانصاف کی کوئی رمق بھی ان میں باقی ہو، تو جو کچھ میں کہنے لگا ہوں، اس کو میزانِ عدل وانصاف میں تول کر خود فیصلہ کر لینا چاہیے۔

''مسلک اعتدال'' کے مقالہ نگار نے تو ایک اصولی بات کرتے ہوئے، صرف یہ لکھا تھا، اور وہ بھی اپنے متعلق نہیں بلکہ مطلق ہر اس شخص کے متعلق جس نے قرآن وسنت اور اسوۂ حسنہ

❶ مزاج شناس رسول، صفحہ ۱۳۶ تا ۱۳۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا تحقیقی مطالعہ کر کے فراست و بصیرت حاصل کی، اور مزاج اسلام کو سمجھ کر، کسی چیز کے اس کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کی مہارت اور اہلیت پالی اور جن امور و معاملات کے متعلق قرآن و سنت میں حکم نہیں، ان کے متعلق بھی، صاحبِ مطالعہ و تحقیق کے حوالہ سے، مولانا مودودی نے یہ لکھا کہ:

> جن مسائل میں، اس کو قرآن و سنت میں کوئی چیز نہیں ملتی، ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش ہوتا تو آپ اس کا یوں فیصلہ فرماتے۔

''مفکر قرآن'' نے اس جملے کو، جس طرح نشانہ بنایا، اور اسے مولانا مودودی کی طرف سے، حضور اکرم ﷺ کی ''شدید گستاخی اور شرمناک بے باکی'' قرار دیا، اور پھر اسے مولانائے محترم کی ''آہنی ڈکیٹیٹرشپ'' کا مبنیٰ قرار دیا، اور پھر خود ساختہ صُغروں اور کُبروں کے ذریعہ مغالطہ آرائیوں کے ساتھ ''دلائل'' کے پہاڑ کھڑے کر دیئے، اس پر علم روتا ہے، اخلاق و شرافت اور عدل و انصاف سر پیٹتے ہیں، عقل ماتم کرتی ہے، اور شیطنت قہقہے لگاتی ہے، یوں ''مفکر قرآن'' کو اپنے اس دجل و فریب پر، سامانِ تسلیہ و اثاثۂ اطمینان ملتا ہے...... لیکن...... پھر داد دیجئے، ''مفکر قرآن'' کی اس جرأت و جسارت پر، کہ ٹھیک اسی ''شدید گستاخی اور شرمناک بے باکی'' کا ارتکاب، وہ خود کرتے ہیں، یہ کہہ کر، کہ ان کی ''قرآنی حکومت'' کے ''مرکزِ ملت'' بھی یہی کچھ کریں گے۔

> جانشین رسول اللہ، جب رسول کے کسی حکم میں تبدیلی کا خیال کریں گے، تو ظاہر ہے کہ وہ اس وقت کریں گے، جب دل کے پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ، اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اگر اس وقت رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے، تو وہ خود اپنے حکم میں ایسی ترمیم فرما دیتے۔ ❶

کیا کہنے ان ''مراکزِ ملت'' کے حوصلوں اور ان کی ہمتوں کے کہ چلے ہیں، اس رسول

---

❶ قرآنی فیصلے، حصہ اول، صفحہ ۱۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فیصلوں کو تبدیل کرنے کے لیے، جس کے متعلق خود قرآن یہ کہتا ہے

﴿ما كان لمومن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم﴾

''پھر ذرا اس ''اطمینان اور یقین'' کی رفعت شان اور علو مرتبت کو بھی دیکھیے، جو حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے اس ''بلند مقام'' سے بھی بالاتر ہے، جہاں انسان کا تصور بھی نہیں جاسکتا۔'' اور وہ ''ادب گاہ'' جہاں جنید و بایزید بھی از خود رفتہ اور نفس گم کردہ رہ جاتے ہیں، وہ خود ان ''نفوس قدسیہ'' کے درباروں میں، سر کے بل حاضر ہے۔ اس عظیم گستاخی اور شرمناک بے باکی پر، نہ تو ''مفکر قرآن'' کو شرم آئی، اور نہ حیا۔ نہ دل کانپا، اور نہ مزاج میں انقباض پیدا ہوا۔ نہ استغفر اللہ، استغفر اللہ کی گردان یاد آئی، اور نہ توبہ تائب ہونے کا خیال، کیونکہ اس ''شدید گستاخی'' اور ''شرمناک بے باکی''، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روا رکھی گئی، کے جملہ حقوق، بحق ''مفکر قرآن'' ہی محفوظ ہیں۔ ان کی اجارہ داری میں کوئی اور اس کا ارتکاب کیوں کرے؟ اب رہی آخرت میں جواب دہی، تو وہ کیسی؟ جب کہ آخرت تو دنیاوی مستقبل ہی کا نام ہے، نہ کہ بعث بعد الموت کے بعد، عدالت خداوندی میں جواب دہی کا۔

پھر احکام رسول کی تبدیلی کے لیے ''دل کے پورے اطمینان اور یقین'' کو بھی ملاحظہ فرمائیے جو معلوم نہیں کہ کس سند پر قائم ہوگا؟ ''مفکر قرآن'' کے ہاں تو سند، صرف اور صرف وحی ہے، جس کا دروازہ، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد بند ہو چکا ہے۔ اب کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ احکام رسول ﷺ کی ترمیم و تبدیلی کے وقت، جانشین رسول ﷺ کو، جو ''دل کا پورا اطمینان اور یقین'' حاصل ہوگا، وہ بربناءِ وحی ہوگا؟ یہ ہے دراصل وہ مزاج شناسی خدا، جو ''دل کے پورے اطمینان اور یقین'' کا مبنی ہے، اور یہ ہے وہ مزاج شناسی خدا یا ''مزاج شناسی رسالت''، جو ''مفکر قرآن'' کے علاوہ، کسی ''قرآنی حکومت'' کے ''جانشین رسول'' کو بھی حاصل ہوگی۔

''مفکر قرآن'' کے دہرے معیار:

چودھری غلام احمد پرویز نے بھی کیا دُہرے معیار قائم کر رکھے تھے۔ ایک بات، اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا مودودی بیان فرمائیں (اور وہ بھی، اپنے متعلق نہیں، بلکہ قرآن و سنت اور اسوۂ حسنہ کا تحقیقی مطالعہ کرنے والے کے متعلق) تو وہ ''مفکر قرآن'' کی سوقیانہ زبان درازی کے مستحق ٹھہریں، لیکن اگر وہی بات وہ خود کہیں۔اور مولانا مودودیؒ کے الفاظ سے کہیں زیادہ سخت الفاظ میں کہیں، تو ''مفسر کتاب اللہ''، ''علامہ دہر'' اور ''مفکر قرآن'' قرار پائیں۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مولانا مودودیؒ کا ''مزاج شناس رسول'' والا اقتباس، جو پہلے گزر چکا ہے، اسے دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔ دوبارہ نہیں۔ سہ بارہ بلکہ بار بار مطالعہ فرمائیں اور بحضور رب العزت، اپنی جوابدہی کے احساس کو قلب و ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے، یہ بتائیے کہ اس عبارت میں، کہیں کسی ایک جگہ بھی، مولانا مودودیؒ نے اپنے بارے میں یہ فرمایا ہے؟

۱: میں مزاج شناس رسول ہوں۔

۲: مجھے بصیرتِ نبوی حاصل ہے۔

۳: میری روح، روحِ محمدی کے ساتھ متحد ہے۔

۴: میری نظر، بصیرتِ محمدی کے ساتھ متحد ہے۔

۵: جسے میں صحیح کہہ دوں، وہ صحیح ہے، اور جسے میں غلط کہہ دوں، وہ غلط ہے۔

۶: کوئی ایسی بات سامنے آئے جس کا حکم، قرآن و سنت میں نہ ملتا ہو، تو میرے پاس آؤ۔

۷: جو کچھ میں کہوں، اس کے متعلق یہ سمجھ لو، کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس وقت موجود ہوتے، تو وہ وہی فرماتے جو میں کہتا ہوں۔

اگر آپ یہ سب کچھ نہیں پاتے۔ اور ہرگز نہیں پا سکتے......تو پھر چوہدری غلام احمد پرویز کی سیرت و کردار، اخلاق و شرافت، امانت و دیانت، عدل و انصاف، صدق و راستی اور نیت و مقصد کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں، جو ایک طرف، اس قرآن کی رٹ لگاتے لگاتے، سطح ارض سے بطن زمین میں منتقل ہو گئے، جس کی تعلیم یہ ہے کہ ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا...... اور ......ولا یجرمنکم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شنـان قوم علی الا تعدلوا...... اور ......یـا ایھـاالـذین امنو کونوا قوامین بـالـقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والا قربین ، اور دوسری طرف، اپنے رقیبانِ علم کے خلاف، منافی صدق و دیانت اور خلافِ عدل و انصاف رویہ...... اور وہ بھی انتہائی گھٹیا اور سوقیانہ زبان میں...... اپناتے رہے ہیں اور پھر بڑی ڈھٹائی اور سینہ زوری کے ساتھ یہ لکھتے رہے ہیں۔

> فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول الذکر (یعنی مرزا غلام احمد) اپنی اس پوزیشن کو ظلی اور بروزی نبوت سے تعبیر کرتا ہے، اور ثانی الذکر (یعنی مولانا مودودیؒ) مزاج شناسِ رسول یا بصیرتِ نبوی، بلکہ اپنی روح کو روح محمدی میں گم ہو جانے سے، اور اپنی نظر کو، بصیرت نبوت کے ساتھ متحد ہو جانے سے...... [1]

حقیقت یہ ہے کہ دروغ گوئی اور کذب بیانی میں، فریب کاری اور دھوکہ بازی میں، مسخ وتحریف اور کتر بیونت میں، مغالطہ آرائی اور چکمہ بازی میں، تہمت طرازی اور بہتان تراشی میں، تقلیب امور اور تکذیبِ حقائق میں، تصدیقِ باطل اور ابطالِ حق میں، چوہدری غلام احمد پرویز، ان مستشرقین پر بھی بازی لے کر انہیں اس قدر پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ اگر جان توڑ کوشش بھی کریں، تو "مفکر قرآن" کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

قیام پاکستان کے بعد، جب اس نظام کے نافذ کرنے کا وقت آیا جس کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، تو مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی نے نفاذ اسلام کے لیے بھرپور مہم چلائی۔ پاکستان نیا نیا قائم ہوا تھا، لوگوں کے قلوب واذہان میں، مقصد وجودِ پاکستان، تروتازہ اور مستحضر تھا، اس لیے عام لوگوں نے بھی اس مہم میں خوب حصہ لیا۔ اقامت دین کی یہ مہم اور اس کی کامیابی، حکمرانوں کے لیے بھی ایک شدید خطرہ تھا، کیونکہ اس کی کامیابی کی صورت میں اگر معاشرہ انقلاب آشنا ہو جاتا، تو اربابِ اقتدار کی قیادت و سیادت کا چراغ نہیں جل سکتا تھا اور خود "مفکر قرآن" کو بھی، اس مہم کے عروج وارتقاء سے بڑی تشویش لاحق ہو رہی تھی، کیونکہ

---

[1] مزاج شناس رسول صفحہ ۱۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس جدوجہد کی کامیابی، دراصل، پرویز صاحب کے اس ''انقلابی اسلام'' کی ناکامی تھی جسے وہ مارکسی اشتراکیت کے ساتھ، مغربی معاشرت کے عادات واطوار کی پیوند کاری کے نتیجہ میں، قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کر رہے تھے، لہٰذا ''مفکر قرآن'' کی روحِ سامری اور حکمرانوں کی ساحری کے درمیان گٹھ جوڑ ہوا، تاکہ اقامت دین کی اس جدوجہد کو ٹھنڈا کر کے بتدریج ختم کیا جائے، جس کی پشت پر سید مودودیؒ (مع دیگر علماء کرام) اور جماعت اسلامی عوامی تائید کے ساتھ کھڑی تھی، چنانچہ ان حالات میں، مولانا مودودیؒ کو نیچا دکھانے کے لیے، اہل اقتدار کی سرکاری اور طلوع اسلام کی بظاہر غیر سرکاری سرگرمیاں بھی تیز ہو گئیں۔ ''مفکر قرآن'' کو اس ''مقدس جہاد'' میں مولانا مودودیؒ کی برسہا برس کی پرانی تحریروں کو کھنگالنا پڑا اور نتیجتاً یہ ''آہنی ڈکٹیٹرشپ'' یہ ''نبوت جدیدہ'' اور یہ ''مزاج شناسِ رسول'' والے اقتباس کو، استحصالِ ناروا کا نشانہ بنانا، دراصل، اسی ''قرآنی جہاد'' کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

''مزاج شناسِ رسول'' کی ترکیبِ الفاظ کے علاوہ جس جملے کو ''مفکر قرآن'' نے اپنے استحصالِ ناروا کا نشانہ بنایا، وہ یہ ہے کہ...... ''جن مسائل میں اس کو قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی، ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا، تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے......'' اسی جملہ کو ''مفکر قرآن'' نے شدید تنقید کا نشانہ بنا کر، اسے رسول اللہ ﷺ کی عظیم گستاخی اور شدید بے باکی، قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور غلام احمد پرویز:

اب اس کے بعد، ''مفکر قرآن'' کے دہرے معیار کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ جیسی بات، ''مفکر قرآن'' نے تحریفاً، مولانا مودودی کے گلے منڈھی ہے، ٹھیک ویسی ہی (بلکہ وہی) بات، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی کہی تھی، اور تو اور، خود طلوع اسلام نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ رکھا ہے:

> امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ مجھے پاتے، اور میں آپ ﷺ کو پاتا (یعنی دونوں ایک زمانہ میں ہوتے) تو آپ ﷺ، میرے بہت سے اقوال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار فرما لیتے، دین اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک اچھی اور عمدہ رائے کا نام ہے۔ ❶

لیکن یہاں ''مفکر قرآن'' نے، نہ تو ابوحنیفہ پر گستاخی اور بے باکی کا الزام عائد کیا، نہ ان کے اس قول کو، ان کی ''نبوت جدیدہ'' کی دلیل قرار دیا، نہ ان کی ایسی کامل واکمل درجہ کی ''مزاج شناسی رسالت'' کو نشانۂ تنقید وتردید بنایا، نہ اس پر استغفر اللہ کا وظیفہ یاد آیا، اور نہ ''معاذ اللہ'' کے اوراد و وظائف لب پر آئے۔ آخر کیوں؟ صرف اس وجہ سے، کہ اگر وہ ایسا کرتے، تو امام صاحب کے مقلدین جن کی پاکستان میں بھاری اکثریت ہے، ان کا قافیہ حیات تنگ کر ڈالتے، اور پھر ویسے بھی صدیوں پہلے فوت شدہ کسی بزرگ پر کیچڑ اچھالنے میں، انہیں کوئی فایدہ نظر نہ آیا، بلکہ اثمھما اکبر من نفعھما کی روشنی میں، انہیں سکوت ہی قرین مصلحت دکھائی دیا بالخصوص جبکہ وہ ابوحنیفہ کو اپنے ہی گروہ (منکرین حدیث) سے وابستہ تین بڑے منکرین حدیث میں سے، ایک فرد گمان کیا کرتے تھے (دیکھئے طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۲ء، ص ۶۲) لیکن مودودی صاحب جیسی بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت کے خلاف محاذ آرائی، انہیں مفید مطلب محسوس ہوئی۔ اولاً:

۱: اس لیے کہ مولانا مودودی سے بڑھ کر، ان کے افکار ونظریات پر مدلل، مسکت اور جاندار تنقید کرنے والا انہیں کوئی اور عالم دکھائی نہ دیا، جس کی پشت پر جماعت اسلامی جیسی منظم تنظیم موجود ہو۔

۲: ثانیاً اس لیے کہ عالم دین ہونے کے علاوہ، ایک سیاسی قائد ہونے کی بناء پر، مولانا مودودی، لیگی حکومت کی مخالفانہ سرگرمیوں کا نشانہ پہلے ہی بنے ہوئے تھے، ''مفکر قرآن'' نے بھی، ارباب اقتدار کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر، مخالفتِ مودودی پر کمر باندھ لی، اور

۳: ثالثاً: اس لیے کہ ''مفکر قرآن'' شدید ہوسِ شہرت میں مبتلا تھے، حصولِ ناموری کے لیے، مولانا مودودی جیسی چاردانگ عالم میں شہرت یافتہ ہستی کے منہ لگنے کو، وہ، نیلِ مرام کا زینہ

❶ طلوع اسلام، نومبر ۱۹۵۷ء، صفحہ ۵۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھتے تھے، حالانکہ چھپکلی، خواہ کتنی ہی بلند بامی اختیار کر لے، وہ چھپکلی ہی رہتی ہے۔ اونچے شہتیروں اور بلند ستونوں کے ساتھ الجھنے سے، اس کی قدر و منزلت میں کوئی اضافہ نہیں ہو جاتا۔

''مفکرِ قرآن'' خود ''مزاج شناسِ رسول'' تھے:

امام ابوحنیفہؒ کی ''مزاج شناسیٔ رسالت'' کے بعد، اب یہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ ''مفکر قرآن'' خود بھی ''مزاج شناس رسول'' تھے۔ اور وہ ظنی حد تک نہیں، بلکہ یقینی حد تک ایسے تھے۔ چنانچہ وہ، علامہ اقبال کے ایک شعر کی وضاحت میں، اپنی ''مزاج شناسیٔ رسالت'' کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

ہم چناں آں رازدانِ جز و کل
گردِ پایش سرمۂ چشم رسل

اسی طرح حضور ﷺ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا (یہ چیز اگلے شعر میں آتی ہے) لیکن اس حد پر پہنچنے سے پہلے اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس شعر میں حضرت علامہ، حضور ﷺ کی تعریف و توصیف میں قرآنی حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ یوں تو، ایک جہت سے، جز و کل کے ٹکڑے کو بھی محلِ نظر قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن گردِ پایش سرمہ چشم رسل، تو قرآن کی تعلیم کے صریحاً خلاف ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی رو سے حضرات انبیاء کرام کے مدارج میں فرق ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔ لیکن کسی نبی کی گردِ پا کو، باقی انبیاء کی آنکھوں کا سرمہ قرار دینا، بڑی زیادتی ہے۔ یقین ہے کہ خود نبی کریم بھی اپنے متعلق ایسا سننا پسند نہ فرماتے۔ [1]

آخری جملے میں، ''مفکرِ قرآن'' نے، اپنی ''مزاج شناسی رسول'' کو، جس یقین کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ یا تو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، یا پھر (بقول پرویز صاحب)، اس ''مزاج شناسی رسالت'' کے باعث، جو ''نبوت جدیدہ'' ہی کی ایک دوسری تعبیر ہے۔

---

[1] طلوع اسلام، مارچ ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا اصلاحی کا عدالتی بیان:

امر واقعہ یہ ہے کہ ''مفکر قرآن'' نا قابل تصور حد تک، خائن و فریب کار، مغالطہ آراء و دھوکہ باز، مکذبِ حقائق اور محرفِ واقعات تھے۔ حقائق و واقعات میں قطع و برید کے بغیر، انہیں کھانا نہیں ہضم ہوتا تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے عدالتی بیان کو جس طرح، اس ''مفسر کتاب اللہ'' اور ''مفکر قرآن'' نے، مسخ و تحریف کا نشانہ بنا کر، مولانا مودودیؒ کو مطعون و بدنام کرنے کے لیے پیش کیا ہے، وہ ایک طرف، ان کی تحریفی و تلبیسی صلاحیتوں کو واضح کر دیتا ہے، اور دوسری طرف، مولانا مودودیؒ کے خلاف، پرویز صاحب کے اس حسد و کینہ، بغض و عناد اور نفرت و عداوت کو بھی بے نقاب کر ڈالتا ہے، جس کی آگ، ان کے سینے کی بھٹی میں، ہر وقت، دہکتی اور بھڑکتی رہتی تھی۔ پرویز صاحب، مولانا اصلاحی مرحوم کے اسی عدالتی بیان کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> طلوع اسلام یہ کہتا تھا کہ جماعت اسلامی کے نزدیک، یہ ''مزاج شناس رسول'' ان کے امیر، ابو الاعلیٰ مودودی ہیں۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ محض سوءِ ظن ہے۔ مودودی صاحب محض ایک نظریہ بیان کر رہے ہیں، لیکن اب اس کی تصدیق ہوگئی کہ طلوع اسلام کا خیال☆ حقیقت پر مبنی تھا، چنانچہ مودودی صاحب کے دست راست، امین احسن اصلاحی صاحب نے تحقیقاتی عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتایا کہ وہ، مودودی صاحب کو ''مزاج شناسِ رسول'' سمجھتے ہیں۔ ❶

جس واقعہ کو توڑ مروڑ کر اور مسخ و تحریف کا نشانہ بنا کر، محض اپنی مطلب برآری کے لیے یوں پیش کیا گیا ہے، اب اس کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے اور پھر داد دیجئے، ''مفکر قرآن'' کے ذوقِ کتر بیونت، شوقِ قطع و برید اور جذبۂ مسخ و تحریف کی۔

☆ تھا تو یہ خیال ہی، لیکن تصدیق سے پہلے بھی، اس خیال کو، اسی طرح، علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کے لب ولہجہ میں پیش کیا جاتا تھا جس طرح بعد از تحقیق۔ یہ ہے علیم بذات الصدور اور عالم ماکان وما یکون کا وہ مقام عالی شان، جس پر ''مفکر قرآن'' براجمان رہے ہیں۔

❶ مزاج شناس رسول، صفحہ ۱۳۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس واقعہ کو جس طرح، پرویز صاحب نے تحریف کے لیے تاویل کے خراد پر چڑھایا، اور پھر چھیل چھال کر، اسے، اپنے ڈھب پر لائے، اسے، جناب افتخار احمد بلخی، تفصیل سے بیان کرنے کے بعد، عدالتی حصہ کو بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔

> پھر اس صنعت گری کی طویل مدت کے بعد، مولانا اصلاحی کا تحقیقاتی عدالت میں بیان ہوتا ہے، جس کے دوران، قادیانی وکلاء کی جانب سے مولانا اصلاحی سے یہ سوال کیا گیا کہ ''مزاج شناسِ رسول'' کی تعریف کیا ہے؟ مولانا اصلاحی نے اس کا یہ جواب دیا کہ مزاج شناس رسول، وہ شخص ہوتا ہے، جو ایک نبی اور غیر نبی (یا جھوٹے نبی) کے کلام میں امتیاز کر سکے۔ پھر یہ سوال کیا گیا کہ کیا آپ، مولانا مودودی کو، ''مزاج شناسِ رسول'' سمجھتے ہیں؟ مولانا اصلاحی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میرا حسن ظن، ان کے بارے میں یہی ہے کہ وہ، ایک نبی اور غیر نبی (یا جھوٹے نبی) کے کلام میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ ❶

عدالتی کٹہرے میں واقع، اس سوال و جواب کو دیکھ کر، ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے، سید مودودی کے بارے میں ''مزاج شناسِ رسول'' کا لفظی مرکب، جس مفہوم کے لیے استعمال کیا ہے، اس کا اس مفہوم سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، جسے طلوع اسلام کی لغت ساز فیکٹری میں ڈھالا گیا ہے۔ ''مفکر قرآن'' نے مولانا اصلاحی کے اصل مفہوم کو، تو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا، اور حسن ظن پر مبنی، ان کے الفاظ ''مزاج شناس رسول'' کو لے لیا، اور ''ثابت'' کر ڈالا کہ اپنے جس ''خیال'' کی بنیاد پر، مودودی صاحب پر ''مزاج شناس رسول'' ہونے کا الزام عائد کیا تھا، وہ اب تصدیق کے بعد ''حقیقت'' بن گیا ہے۔

مسئلہ کا ایک اور پہلو۔ اقبالؒ اور قادیانیت:

مزاج شناس رسول کے اس مسئلہ کو ایک اور پہلو سے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

طلوع اسلام کا اول روز سے دعویٰ ہے کہ وہی فکر اقبال کا وارث بھی ہے اور شارح بھی۔

---

❶ فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، جلد ۲، صفحہ ۲۷۱۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرح، یہودیوں نے اپنی دکانِ ساحری چمکانے کے لیے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام استعمال کیا، تا کہ ان کی پیغمبرانہ شخصیت کے سہارے، یہود کی قائم کردہ جادوگری کو استحکام اور تقدس مل جائے، *بالکل اسی طرح طلوع اسلام کو اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے، علامہ* اقبالؒ کا نام استعمال کرنے کی سوجھی۔ اس مقصد کے پیش نظر، اس کے ابتدائی شماروں کے سرورق کو، علامہ اقبالؒ کی دلکش تصویر، سے، ایک مدت تک سجایا جاتا رہا۔ اپنے پہلے پرچہ ہی میں، اجراءِ مجلّہ کے مقصد کو یہ کہہ کر واضح کیا گیا کہ:

پیامِ اقبال کی نشر و اشاعت، اس کا مقصد ہوگا۔ ❶

اسی مقصد کو، بعد کے ایک شمارہ میں، بایں الفاظ واضح کیا گیا۔

پرچہ طلوع اسلام کے مقاصد کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا مسلک حضرت علامہ اقبالؒ کے نور بصیرت کو عام کرنا، یعنی مسلمانوں کی حیات اجتماعیہ سے متعلق ہر مسئلہ کا حل کتاب ☆ و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہوگا۔ ❷

علامہ اقبالؒ کا حال یہ تھا کہ اپنی وفات سے قبل، وہ قادیانیت کا ایک مدت تک تحقیقی مطالعہ کرنے کے بعد، اس کے قلعوں پر شدید گولہ باری کر رہے تھے۔ قادیانی افراد، اپنی تاویل کے ذریعہ، عقیدہ ختم نبوت کو، نظریہ اجرائے نبوت میں تبدیل کر کے بھی، محض لفظاً عقیدۂ ختم نبوت کا اقرار کر رہے تھے، تو اقبالؒ کے پے در پے بیانات نے، قادیانیت کے اس نقابِ منافقت کو چاک کر ڈالا اور حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں امتِ مسلمہ سے کاٹ کر، ایک الگ اور جداگانہ اقلیت کی حیثیت دی جائے۔

لیکن یہی اقبالؒ جن کی زندگی میں، مولانا مودودی کے وہ سب مضامین و مقالات ترجمان القرآن میں شائع ہو چکے تھے، جن کے اقتباسات کو، سید مودودیؒ کی ''آہنی

---

❶ طلوع اسلام، مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۱۔

☆ اس سے واضح ہے کہ اقبال کا مسلک، قرآن و سنت تھا، وہ منکر حدیث نہ تھا جیسا کہ پرویزی افراد کہا کرتے ہیں۔

❷ طلوع اسلام، اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈکٹیٹر شپ‘‘، ’’نبوت جدیدہ‘‘ اور ’’مزاج شناسی رسالت‘‘ کو ’’ثابت‘‘ کرنے کے لیے، ’’مفکر قرآن‘‘ نے بے جا استحصال کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔ کیا علامہ اقبال کی نظر سے یہ اقتباسات نہیں گزرے تھے؟ ضرور گزرے تھے، کیونکہ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ علامہ اقبالؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی نگارشات کا نہ صرف یہ کہ مطالعہ کیا کرتے تھے، بلکہ ان سے متاثر بھی تھے، اور اول الذکر باوجودیکہ، مؤخر الذکر سے ستائیس اٹھائیس سال بڑے تھے، مولانا محترم کو معنوی پدر جانتے ہوئے بنظرِ احترام دیکھا کرتے تھے۔

> سید صاحب کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار کرنے میں، یہ پہلو اقبال کے مدنظر تھا، وہ الجہاد فی الاسلام اور ترجمان القرآن کی تحریروں سے متاثر ہوئے، تو انہیں پنجاب میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ ❶
>
> اقبالؒ اور ابوالاعلیٰ کے تعلق میں، ہم سید صاحبؒ کی بے ریا، سیر چشم اور بے باک شخصیت کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔ لاہور میں، وہ اقبالؒ سے ملے، اور دارالاسلام کے منصوبے پر اتفاق رائے ہو چکا، تو ان سے عرض کیا‘‘...... ❷

اب سوال یہ ہے کہ...... اگر واقعی، ان اقتباسات میں ’’نبوت جدیدہ‘‘ کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ ’’آہنی ڈکٹیٹر شپ‘‘ بھی حسین پیرایۂ بیان میں مکتوم اور مخفی ہے، مرزا صاحب کی ’’ظلی اور بروزی نبوت‘‘ اور مودودیؒ صاحب کی ’’مزاج شناسی رسالت‘‘ ادعاءِ نبوت کے اعتبار سے، ایک ہی چیز ہے...... تو آخر علامہ اقبال جیسے زیرک اور جہاں دیدہ شخص سے، یہ حقیقت کیوں اوجھل رہی؟ ان کی قوتِ شامہ کیوں شل ہوگئی جس کے باعث، انہیں، وہ بُو کیوں محسوس نہ ہوئی جسے ایک کذاب ’’مفکر قرآن‘‘ کی ناک نے کئی برسوں بعد سونگھ لیا؟ وہ کیوں مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید وتکذیب کرتے رہے، اور ’’نبوت جدیدہ‘‘ کی حامل ہستی کو نظر انداز کرتے رہے؟ ان کی وہ بصیرت دینی اور غیرت اسلامی، جو قادیانیت کے قلعوں پر

---

❶ ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۸۔ ❷ ترجمان القرآن۔ مئی ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گولہ باری کرنے پر اکساتی رہی، کیوں مودودیؒ صاحب جیسی ''مدعیِ نبوت ہستی'' سے چشم پوشی کرتے ہوئے محوِ خواب رہی؟ وہ اقبالؒ جو ایک قادیانی کے منہ سے حضور اکرم ﷺ کی بابت نازیبا الفاظ سن کر، اس پورے گروہ کی مخالفت پر اتر آیا، کیوں مودودی کی شدید ''گستاخیِ رسول اور شرمناک بے باکی'' پر بے حس رہا؟

علامہ اقبالؒ اور دارالاسلام پٹھانکوٹ:

پھر اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز، ایک اور چیز ہے، جسے ''مفکرِ قرآن'' ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔

> علامہ اقبالؒ ایک قرآنی مرکز قائم کرنا چاہتے تھے، جس میں دنیاءِ اسلام کے ممتاز اہلِ علم و تحقیق، مختلف موضوعات پر ریسرچ میں مصروف ہوں، مذاکروں کا اہتمام ہو، خطبات کا انصرام ہو، طلبہ تعطیلات گزارنے وہاں آئیں اور اس علمی فضاء سے بہرہ یاب ہوں۔ ان کے ایک والہانہ عقیدت مند، چوہدری نیاز علی خان نے (جن کا حال ہی میں انتقال ہو چکا ہے) اس مرکز کے لیے، یوں کہیے کہ ایک جاگیر وقف کر دی۔ اس کا نام دارالاسلام تھا۔ [1]

اسی دارالاسلام کے لیے، جب کسی موزوں عالمِ دین کی تلاش کا مسئلہ پیدا ہوا، تو علامہ اقبالؒ کی نگاہِ انتخاب، صرف اور صرف سید مودودیؒ ہی پر پڑی۔ اس وقت بھی علامہ اقبالؒ کا وہ قلم، جو قادیانی نبوت کے تار و پود بکھیر رہا تھا، مودودی صاحب کی ''مزاج شناسیِ رسالت'' کے پردہ میں چھپی ہوئی ''نبوتِ جدیدہ'' کے پرخچے اڑانے پر آمادہ نہ ہوا، نہ صرف یہ کہ آمادہ نہ ہوا، بلکہ الٹا انہیں دارالاسلام کے اہتمام و انصرام کے لیے، حیدر آباد دکن سے بلا بھیجا۔

مشورۂ پرویز اور مودودیؒ دارالاسلام میں:

یقیناً مودودیؒ جیسے ''نبوتِ جدیدہ'' کے حامل شخص کی تردید، اگر علامہ اقبالؒ کی طرف سے نہیں ہوئی، تو یہ عجیب بات ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر عجیب تر بات یہ ہے کہ علامہ اقبال

---

[1] طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۷۶ء، صفحہ ۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے، الٹا انہیں دارالاسلام کے منصوبے کی تکمیل کے لیے، مہتمم و منصرم بنا ڈالا، اور ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر عجیب (بلکہ عجیب ترین) حقیقت یہ ہے کہ (بقول پرویز) خود انہوں نے ہی یہ مشورہ دیا تھا کہ اس کام کے لیے مودودی صاحب کو بلا لیا جائے، پرویز صاحب طلوع اسلام میں لکھتے ہیں۔

حضرت علامہ کا ارادہ، خود وہاں منتقل ہو جانے کا تھا، لیکن جب اس کے ابتدائی مراحل طے ہو گئے، تو ان کی طبیعت ناساز ہو گئی، انہوں نے تجویز کیا کہ سردست کوئی ایسا شخص بٹھا دینا چاہیے جو اس کے مبادیات کی دیکھ بھال کر سکے، پہلے خیال ہوا کہ میں ملازمت چھوڑ کر وہاں چلا جاؤں، لیکن قائداعظم[1] نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ میرے اور چوہدری صاحب مرحوم کے مشورہ ☆ سے یہ

[1] جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ دارالاسلام کی ذمہ داری، پرویز صاحب کو سونپی جا رہی تھی، لیکن انہوں نے قائداعظم کے فرمان کی تعمیل میں، اسے قبول نہ کیا، تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو نہ علامہ اقبالؒ کی کسی تحریر سے ثابت ہے، اور نہ ہی قائداعظم کے کسی ایسے فرمان سے، جس میں انہوں نے پرویز صاحب کو یہ ذمہ داری قبول کرنے سے منع کیا ہو۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔ ایسے بلند بانگ دعاوی، ''مفکر قرآن'' خود اپنی روشِ خود ستائی، عادتِ لاف زنی اور خوئے کذب بیانی کی بنیاد پر کیا کرتے تھے تاکہ ان کے اندھے مقلدین، ان کے حق میں جلّی ثناء لک کا ورد کرتے رہیں۔ جو شخص، علامہ اقبالؒ پر انکارِ حدیث کا الزام تراش کر، انہیں، یکے از منکرین حدیث قرار دیتا ہے، اور پھر ان پر یہ بہتان بھی گھڑتا ہے کہ دین و مذہب میں مغایرت کا تصور، سب سے پہلے، علامہ اقبالؒ نے پیش کیا، وہ اپنے (جھوٹے) وقار کی بلندی کے لیے، کون سا جھوٹ نہیں گھڑ سکتا؟ اس مقصد کے لیے، ''مفکر قرآن'' صاحب، بعض اوقات، دوسروں کے کارناموں کا سہرا بھی اپنے سر سجانے سے چوکا نہیں کرتے تھے۔

پھر اس واقعہ کو بیان بھی کرتے ہیں، تو بغیر کسی حوالہ کے، گول مول انداز میں بیان کرتے ہیں ...... ''پہلے خیال ہوا کہ میں ملازمت چھوڑ کر وہاں چلا جاؤں، لیکن قائداعظم نے مجھے اس کی اجازت نہ دی...... پہلے خیال ہوا'' کس کا خیال ہوا؟ علامہ اقبالؒ کا؟ چوہدری نیاز علی صاحب کا؟ یا خود ان کا اپنا خیال ہوا؟۔ آخر یہ واضح تو کیا ہوتا کہ کسے خیال ہوا؟ پھر اس کا کوئی تاریخی ثبوت؟

☆ ''مفکر قرآن'' کا یہ دعویٰ کہ دارالاسلام کے لیے، مودودی صاحب کو تجویز کرنے میں، ان کا مشورہ بھی شامل تھا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی چپڑاسی یہ کہے کہ ''فلاں صاحب وجاہت لیڈر کو جو منصب وزارت ملا ہے، اس میں میرا مشورہ بھی شامل ہے۔'' حالانکہ جس دور میں، دارالاسلام کی ذمہ داری کے لیے کسی موزوں عالم دین کی تلاش تھی، اس میں پرویز صاحب کی حیثیت، اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ ان کے اکا دکا مضامین، مختلف مجلّات میں جگہ پا لیتے تھے۔ ان کے طلوع اسلام کا پہلا شمارہ بھی، علامہ اقبالؒ کی وفات کے ہفتہ عشرہ بعد، منظر عام پر آیا تھا۔ کسی کتاب کے مصنف کی حیثیت سے بھی، ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ ان کی سب سے پہلی کتاب ''معارف القرآن جلد اول'' بھی ⇦⇦⇦

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طے پایا کہ اس کام کے لیے مودودی صاحب کو بلا لیا جائے۔ انہوں نے غالباً حضرت علامہ کے استصواب سے مودودی صاحب کو دارالاسلام آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مودودی صاحب، ان کی اس دعوت پر دارالاسلام جانے کے لیے، پہلے دہلی آئے، میرے ہاں ان کی نشستیں بھی رہیں...... ان نشستوں میں، جو میرے ہاں ہوئی تھیں، مجھے ان میں انانیت ☆☆ کے جراثیم کی جھلک نظر آئی تھی، لیکن میں نے اسے چنداں اہمیت نہ دی۔ ❶

⇦⇦⇦ علامہ اقبالؒ کی وفات کے تقریباً تین سال بعد شائع ہوئی تھی۔ جب کہ اس کے بالمقابل، سید ابو الاعلیٰ مودودی، اس دور میں، اسلامی صحافت کے آسمان پر، ایک نیر تاباں تھے، تاریخ، سیاسیات، قانون، فلسفہ، اخلاق اور عقائد کے باب میں اور بعض کتب کے تراجم کے سلسلہ میں، ان کی متعدد کتب، علامہ اقبال کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی تھیں، الغرض، اس دور میں، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی علمی شہرت کے مقابلہ میں، پرویز صاحب کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی کہ وہ تجویز یا سفارش کرتے، اور اس بناء پر مولانا مودودیؒ کو دارالاسلام کی ذمہ داری سونپی جاتی۔ مولانا محترم کی عالمانہ تحریروں اور ان کی علمی وجاہت سے، حضرت علامہ خود اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے از خود، انہیں دعوت دے کر، یہ ذمہ داری سونپی۔ پرویز صاحب کا اسے اپنی تجویز یا مشورہ قرار دینا، نہ صرف لغو اور خلاف حقیقت ہے، بلکہ یحبون ان یحمدو بما لم یفعلوا کا مصداق بھی ہے۔

❶ طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۲ تا ۳۳۔

☆☆ اب رہی یہ بات، کہ ان دنوں ''مفکر قرآن'' کو، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ میں انانیت کے جراثیم نظر آئے۔ تو اس کے متعلق، صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انانیت کے یہ جراثیم دیکھ کر بھی، اگر انہوں نے نہ صرف یہ کہ چنداں اہمیت نہ دی، بلکہ اس کے باوجود، دارالاسلام کے منصوبہ کی تکمیل کے لیے، سید ابو الاعلیٰ مودودی ہی کے حق میں مشورہ دیا تھا، تو ان کا یہ مشورہ خیانت کارانہ اور احمقانہ مشورہ تھا، جس کی توقع کسی ایسے شریف النفس انسان سے نہیں کی جا سکتی جو تہ دل سے اسلام اور امت مسلمہ کا خیر خواہ ہو۔ پھر انانیت کے ان جراثیموں کا ذکر، اس دور میں نہ کرنا، بلکہ اس کے برعکس ایک مدت تک طلوع اسلام میں، مولانا مودودیؒ کے اوصاف حمیدہ، مناقب جلیلہ، فضائل حسنہ اور کمالات علمیہ بیان کرتے رہنا، اور اس واقعہ کے تقریباً اڑتیس انتالیس سال بعد، یہ ذکر کرنا کہ انہیں، مولانا محترم میں انانیت کے جراثیم نظر آئے تھے، خود ''مفکر قرآن'' ہی کے قلبی روگ کا آئینہ دار ہے۔

طلوع اسلام کی فائل کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ بات واضح ہے کہ خود پرویز صاحب میں انانیت کے جراثیم بدرجہ اتم موجود تھے لیکن وہ اپنے اس عیب کا الزام، دوسروں کے سر تھوپا کرتے تاکہ لوگوں کی نگاہیں ان کے عیوب کی طرف نہ اٹھ سکیں۔ وہ خود کو قرآنی تعلیمات کا چیمپئن سمجھا کرتے تھے، ان کی انانیت اور غرور علم کا یہ عالم تھا کہ وہ دوسرے اہل علم کو اپنے مقابلے میں ہیچ و کم علم ہی نہیں بلکہ بے علم، قرآن سے بے بہرہ اور کتاب اللہ کی ابجد تک سے ناواقف کہا کرتے تھے۔ انانیت کے ساتویں آسمان پر محو پرواز ہوتے ہوئے، دوسروں کو بنظر حقارت دیکھنا اور گوشمالی کے انداز میں انہیں نصیحت کرنا ان کا وطیرہ تھا۔ (دیکھئے میری کتاب ''جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں'')

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اگر بر سبیلِ تنزل، یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ دارالاسلام کی ذمہ داری، مولانا مودودیؒ کو سونپنے میں، پرویز صاحب کا مشورہ بھی شامل تھا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ..... جب مولانا مودودی کے ایسے مقالات و مضامین، ترجمان القرآن میں چھپ چکے تھے، جن میں خود مودودی صاحب نے (بقول پرویز صاحب) مزاج شناسِ رسول ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اپنے حق میں بصیرت نبوی کے حصول کا اعلان کیا تھا، اپنی روح کے روح محمدی میں گم ہو جانے اور اپنی نظر کے بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جانے کا اعتراف کیا تھا، خود کو صحیح اور غلط ہونے کا معیار و فرقان قرار دیا تھا، اور یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ "اگر رسول اللہ بھی اس وقت موجود ہوتے، تو میری بات قبول کر لیتے"، رسول اکرم ﷺ کی "عظیم گستاخی اور شرمناک بے باکی" کا ارتکاب کیا تھا، اور "نبوت جدیدہ" کو پا لینے کے لیے، اُن ہی سیڑھیوں پر قدم رکھا تھا جن پر مرزا غلام احمد قادیانی پیش قدمی کر چکے تھے..... تو پھر کیوں طلوع اسلام میں، مولانا مودودیؒ جیسے مدعیٔ نبوت کی قلمی معاونت کو خوش بختی گردانا گیا؟ کیوں ان کے تفقہ فی الدین، اسلامی بصیرت اور دینی فراست کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا؟۔ کیوں ان کے محاسن و مناقب کے گن گائے گئے؟ کیوں، ان کے عادات حسنہ، اوصاف حمیدہ، اور فضائل علمیہ کو سراہا گیا؟ کیوں ان کے مقالات کو سوچنے سمجھنے والے اہل علم و فکر کا قابل قدر مجموعہ قرار دیا گیا؟ کیوں ان کے مضامین کو اسلامی تعلیمات کے مہمات مسائل پر مشتمل نگارشات قرار دیا گیا؟ کیوں، اس وقت، جب کہ یہ عبارتیں شائع ہوئی تھیں، صاحبِ عبارات کو ہدفِ ملامت نہ بنایا گیا؟ اور کیوں، ان دنوں، ان کی "نبوت جدیدہ" کے تار و پود کو نہ بکھیرا گیا؟۔ کیوں، اس دور میں، لوگوں پر یہ "حقیقت" واضح نہ کی گئی کہ "ظلی و بروزی نبوت" اور "مزاج شناسیٔ رسالت" دونوں، اصل میں ایک ہیں؟۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ علامہ اقبالؒ، جس کے فکر کا وارث بھی، اور شارح بھی، یہ "طائفہ قرآنیہ" بن بیٹھا ہے، اپنی وفات تک، مولانا مودودیؒ کی ان عبارات میں، ادعاءِ نبوت کے جراثیم نہ دیکھ پائے؟ (اور خود اس "طائفہ قرآنیہ" کے سربراہ کو یہ جراثیم، نظر آئے بھی، تو برسہا برس بعد۔) کیا واقعی حکیم الامت حضرت علامہؒ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قدر مغفّل اور بدھو تھے کہ دارالاسلام کے لیے ''نبوت جدیدہ'' کی حامل، اس شخصیت کے سوا، کسی اور عالم دین، پر ان کی نظرِ انتخاب نہ پڑ سکی؟ کیا شاعر مشرق، ایسے ہی بے بصیرت، محروم الفراست، بلید الذہن اور کند دماغ تھے کہ وہ خود دارالاسلام میں، ''مزاج شناسِ رسول'' کے ساتھ شریک اقامت ہونا چاہتے تھے؟ (مگر نا سازیِ طبع آڑے آ گئی)۔

اب آخر میں، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ''مفکر قرآن'' نے مزاج شناس رسول کے حوالہ سے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ منجملہ ان امور سے ہے جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ پرویز صاحب، خلوص وللّٰہیت سے قطعی کورے تھے، خوفِ خدا، ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکا۔ ان کے سامنے، بس یہی دنیا کی زندگی تھی، جس میں اگر وہ، کسی کے خلاف، کذب بیانیوں اور دروغگوئیوں سے، دھوکہ بازیوں اور فریب کاریوں سے، بہتان تراشیوں اور تہمت طرازیوں سے، لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر، انہیں اپنے ساتھ ملا لیں، تو یہی ان کے نزدیک کامیابی ہے۔ رہا آخرت میں جواب دہی کا احساس، تو وہ زبانی کلامی حد تک ہو، تو ہو، ورنہ ان کی عملی زندگی میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی، اس کے آثار نظر نہیں آتے، اگر انہیں، عدالتِ خداوندی میں جوابدہی کا احساس ہوتا، تو وہ ایسی الزام تراشیوں اور بہتان طرازیوں پر قطعاً نہ اترتے، ان ہی کا یہ فرمان ہے کہ

> کسی کے خلاف، افتراء پردازی اور کذب بیانی سے، انسان کو صرف ایک چیز روک سکتی ہے اور وہ یہ کہ کہنے والے کو اس کا احساس ہو کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اس کے متعلق، اس کے خدا کے ہاں باز پرس ہو گی۔ اگر اس خیال کو دل سے نکال دیا جائے، تو پھر اسے کوئی چیز تہمت تراشیوں اور کذب بافیوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ❶

❀❀❀❀

❶ طلوع اسلام، فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۱

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے، ہر شعبہ حیات کے لیے وسیع اصولی ہدایات پیش کرتا ہے اس میں عقیدے کی حیثیت، سجنِ قلب کے قیدی کی سی نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے حکمران کی ہے جس کی فرمانروائی، انسانی جسم کے اعضاء وجوارح کی جمیع حرکات وسکنات پر حاوی ہے۔ اسلام اپنے عقیدے کو ضمیر کی خلوت گاہ میں گوشہ گیر کر کے نہیں رکھ دیتا بلکہ یہ اپنے عقیدے کو عملی زندگی کی رگ رگ میں اتار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات، صرف عقیدے ہی کی دنیا کے تقاضے پورے نہیں کرتیں بلکہ میدان عمل کے ہر گام کے مقتضیات کی ادائیگی بھی ان کے ذمہ ہے۔ اسلام صرف اس پر ہی بحث نہیں کرتا کہ خدا اور انسان کے تعلقات کیا ہیں بلکہ وہ اس پر بھی بحث کرتا ہے کہ اس ہنگامہ کائنات میں انسان کے انسان کے ساتھ تعلقات وروابط کیا ہیں۔ اسلام اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کراتا ہے کہ جس کائنات میں تم رہ رہے ہو، اس کے موجودات وقوانین کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے ان تمام علائق وروابط کے درمیان ایک ایسی ہم آہنگی اور یک جہتی پائی جاتی ہے جو بنی آدم کی تمام کدو کاوش کو خواہ وہ کسی میدان عمل یا شعبہ حیات سے متعلق ہو، ایک ہی نصب العین کی خدمت کے راستوں پر مرکوز کر دیتی ہے اور وہ نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ خوشنودیِ خالق کی خاطر، انسان کا دائرہ عمل صرف مسجدوں اور معبدوں کی چار دیواری تک محدود نہیں ہے بلکہ اجتماعی ماحول کو صبغۃ اللہ میں رنگ دینے کے لیے میدانِ معاشرت میں کوشاں ہونا، شعبہ سیاست میں ساعی ہونا، نظام معیشت میں مجاہدہ کرنا، کوچہ عدالت میں گامزن ہونا بھی اس کے دائرہ فرائض میں شامل ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ وہ خوشنودی باری تعالیٰ کی خاطر مسجد کے اندر تو خدا کی اطاعت کرنے کا مجاز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، لیکن اس سے باہر کی دنیا میں سیاست وعدالت، معاشرت ومعیشت، تہذیب وتمدن کے شعبوں میں، وہ اس خدا کی عائد کی ہوئی پابندیوں سے آزاد ہے جس کی اطاعت اس نے معبد کی چار دیواری میں اختیار کی تھی۔ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے خالق کو اپنے جمیع معاملات میں آقا و مالک سمجھ کر اس کے آگے بندہ وغلام کی حیثیت سے مطلق تسلیم واطاعت کا رویہ نہ اختیار کرے۔ یہی اسلام کی اصل اور بنیادی تعلیم ہے۔

لیکن مغرب کی طویل غلامی نے دین کے اس انقلابی تصور کو ہمارے قلوب واذہان سے محو کر دیا ہے۔ اب توحید کے نام لیوا بھی اسلام کو انہی معنوں میں ایک مذہب سمجھتے ہیں جن معنوں میں عیسائیت کو ایک مذہب سمجھا جاتا ہے۔ آج مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ معبد کی چار دیواری میں مراسم عبودیت کی ادائیگی کے بعد دین کی اطاعت واقامت کا حق ادا ہو جاتا ہے اور عبادات کی چند ظاہری شکلوں کو ادا کرنے کے بعد ﴿مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ چند معاشرتی رسوم مثل نکاح وطلاق وغیرہ کی پابندی کے بعد وہ یہ سمجھتا ہے کہ معاشرت ومعیشت، تہذیب وتمدن اور عدالت وسیاست کے وسیع میدان میں، وہ خدا کے احکام کی پابندی سے آزاد ہے۔ ان شعبوں میں اسے حق حاصل ہے کہ وہ جس شخص یا جس قوم کے نظریات کی چاہے، اتباع اختیار کر لے۔

دین کا یہی وہ ناقص مفہوم ہے جس کی کوکھ سے دین وسیاست کی تفریق کا نظریہ جنم لیتا ہے۔ اسی نظریہ کے علمبردار آج یہ نعرہ لگا رہے ہیں:

''اسلام ہمارا دین ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے''

ان لوگوں کے نزدیک دین محض نماز روزے جیسی چند عبادات کا نام ہے اور اس کے بعد عملی زندگی کے ہر شعبے کو یہ لوگ دین سے غیر متعلق سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین اور دنیا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ جن کا آپس میں کوئی جوڑ، ربط اور تعلق نہیں ہے۔ دین کا تعلق صرف خدا سے ہے جسے نماز، روزے، اور اوراد وظائف اور پوجا پاٹ سے خوش کیا جا سکتا ہے اور دنیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی نوع انسان کی ایک جماعت پر مطلق العنان حق حکمرانی حاصل کر لینے کا نام ہے۔ جس کے انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی شیرازہ بندی کے لیے کسی الہامی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر ''ترقی یافتہ قوم'' کی اندھی تقلید سے اس ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

بدقسمتی سے دین و سیاست کی تفریق کا یہ نظریہ اس حد تک ہمارے عقول و قلوب پر چھا گیا ہے کہ ہم اپنی روزمرہ گفتگو میں لاشعوری طور پر ایسے جملے اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں، جن سے اس نظریے کی توثیق و تائید کی بو آتی ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا ہم نے اکثر جلسے جلوسوں میں خود علمائے امت کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سنے ہیں۔

''حضرات! یہ ایک مذہبی جلسہ ہے جو تبلیغ و اصلاح کے پیش نظر منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس جلسے کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں کسی کی کرسی اور عہدے سے کوئی تعرض نہیں ہے۔''

جب سیاست کو اکابرینِ امت ہی شجر ممنوعہ قرار دیں تو اوروں کا ذکر ہی کیا۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

ان پروردگارانِ نور علم کی اس قسم کی سخن سازیوں پر ایک دین پسند ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر دین و سیاست کی تفریق کے اس نظریہ کی بنیاد رسول مقبول ﷺ کے کس قول و فعل پر ہے۔ آپ احادیث کا پورا ذخیرہ چھان ماریے، اس نظریے کی توثیق و حمایت میں آپ کو ایک بھی حدیث نہیں ملے گی بلکہ اس کے برعکس پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی اس نظریے کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہوا نظر آئے گا۔

''اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوامَانِ لَایَصْلُحُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِہٖ فَالْاِسْلَامُ اُسٌّ وَّالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا اُسَّ لَهٗ لَيَهْدِمُ وَمَا لَا حَارِسَ لَهٗ ضَائِعٌ'' [1]

''کہ اسلام اور حکومت و سیاست دو جڑواں بھائی ہیں ان میں سے کسی ایک کی اصلاح دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی پس اسلام ایک عمارت ہے اور حکومت گویا

---

[1] کنز العمال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی محافظ ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس عمارت کی نگرانی نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔"

دین و سیاست کی اہمیت حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ جب آپ دین اور سیاست وحکومت کو لازم وملزوم قرار دے رہے ہیں تو کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان دونوں کے درمیان افتراق وانقطاع کی دیوار حائل کرے۔

رسول مقبول ﷺ کے حکیمانہ ارشاد میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اسلام اور سیاست ایک دوسرے کے بغیر کوئی صالح تمدن اور نیک معاشرہ قائم نہیں کر سکتے۔ سیاسی اقتدار اس وقت تک صالح اور متمدن سوسائٹی کی تشکیل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی پشت پر دین اسلام کی وہ اصولی ہدایات موجود نہ ہوں جو دین کی ضامن ہیں اور اسلام اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک اسے کسی خطۂ زمین میں آزادانہ سیاسی اقتدار کی فضا حاصل نہ ہو جائے۔ غلامی کی فضا میں اسلام اپنے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ اس لیے اپنے پیروؤں میں عقیدہ توحید کا صور پھونک کر آزادانہ سیاسی اقتدار کے لیے تڑپ، لگن، آرزوؤں، امنگوں اور ولولوں کی نئی دنیا پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ سیاسی قوت کے بغیر اسلام اور اسلام کے بغیر سیاسی اقتدار مقصود و مطلوب مومن نہیں ہیں۔ رسول خدا ﷺ کے اس حکیمانہ ارشاد سے قطع نظر اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مشن اور مقصد ارسال پر نگاہ ڈالی جائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء ورسل ایک ہی مقصد کی خاطر دنیا میں تشریف لائے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

"کہ ہم نے تمام انبیاء کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیں تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔"

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ (الشوریٰ: ۱۳)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

——— ''اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ بنایا جس کی نوح علیہ السلام کی وصیت ہوئی تھی اور جس کی آپ کو ہم نے وحی کی اور جس کی وصیت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کی گئی کہ وہ دین کو قائم کریں۔''

اور پھر جمیع مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ (البقرہ: ۱۹۳)

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنے کا نام و نشان تک نہ رہے اور دین (حاکمیت) صرف اللہ ہی کے لیے رہ جائے۔''

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ایسی حکومت کا قیام ہے جس میں تمام لوگوں کو عدل و انصاف کی راہ پر گامزن کیا جا سکے اور تمام مسلمان آزادانہ سیاسی اقتدار میں اپنے دین کے تقاضے پورے کر سکیں، صرف یہی نہیں بلکہ اگر کہیں فتنہ پیدا ہو جائے تو اسے یوں فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے کہ وہاں پر خدا کا دین اپنے تمام سیاسی، سماجی، معاشی، مالیاتی، تمدنی اور عمرانی شعبوں پر قائم ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں سیاسی اقتدار کو ہاتھ میں لیے بغیر نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے ہر پیغمبر نے اسلام کے انفرادی اور اجتماعی ضابطۂ حیات کو عملاً نافذ کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگائی۔ اسی مقصد وحید کی خاطر حضرت نوح علیہ السلام کوشاں رہے ہے۔ اسی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود میں چھلانگ لگائی۔ اسی کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانہ ستم بنے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ٹکر لی۔

اگر سیاسی اقتدار کا حصول اور اس کی خاطر کوشاں ہونا بری بات ہوتی یا کم از کم کسی مسلمان کے تقاضائے دین کا خارجی معاملہ ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر سے یہ کہتے ہوئے دکھائی نہ دیتے۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ (یوسف: ۵۵)

''کہا، مجھے ملک کے اختیارات دے دے۔ میں خوب حفاظت کرنے والا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاننے والا ہوں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کا خود اختیارات مانگنا...... اور پھر اس کے لیے اپنی تعریف کرنا...... اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نگاہِ نبوت میں دین اسلام اور سیاسی اختیارات کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے چشم رسالت ان دونوں میں تفریق برداشت نہیں کر سکتی۔

اگر قرآن پاک کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام جب سرزمین مکہ کو خیر باد کہتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کی خاطر سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

﴿رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا﴾ (بنی اسرائیل : ۸۰)

"اے رب! مجھے جہاں بھی تو داخل کر تو سچائی کے ساتھ ساتھ داخل کر اور جہاں سے بھی نکال تو سچائی کے ساتھ نکال اور کسی اقتدار سلطنت کو (اقامت دین کے لیے) میرا مددگار بنا دے۔"

ذرا غور فرمایئے۔ اقتدار سیاسی کے تعاون یا حصول کی یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازخود نہیں فرما رہے بلکہ خدائے قدوس کے حکم سے آپ یہ دعا فرما رہے ہیں۔ دعا کے الفاظ بھی خدائے قدوس نے بذریعہ وحی آپ کو دیے ہیں۔ اقامت دین کے لیے سیاسی اقتدار کی ضرورت اس لیے ہے کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو صرف قرآنی وعظ و نصیحت ہی سے برائیوں کا قلع قمع کر دے بلکہ اسے دفع مفاسد کے لیے اور برائیوں کے استیصال کے لیے سیاسی قوت بھی درکار ہے۔ اسی بات کو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

((اِنَّ اللّٰهَ لَيَزِعُ بِالسَّلْطَانِ مَالَا يَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ .)) (ابن کثیر)

"بے شک اللہ تعالیٰ حکومت کے زور سے (ان برائیوں کو) مٹا دیتا ہے جن کو قرآنی وعظ و تذکیر سے نہیں مٹایا جا سکتا۔"

اس بحث سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اسلام کے احکام کے مکمل نفاذ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے سیاسی قوت کا حصول لازمی ہے۔ اس مقصد کے لیے سیاسی آزادی کا حصول ہر پیغمبر کے منصب رسالت میں شامل رہا ہے۔ جو نبی، حصول آزادی کے راستے سے اپنی قوم کو قوت و شوکت کا پیام نہیں دیتا اس کی نبوت ہی مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتی۔

وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

صرف وہ نبوت ہی، جس میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام، ردّ کر دینے کے لیے قابل نہیں بلکہ وہ اسلام بھی قابل استرداد ہے جو غلامی کی فضا میں اسلام لغیر اللہ کا روپ دھار لے، کیونکہ ایک سچے مسلمان کے ہاں اسلام اور غلامی یکجا نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مسلمان آزادانہ سیاسی فضا حاصل کرنے کے لیے یا تو مسلسل کوشاں رہتے ہوئے ساحل مراد تک جا پہنچتا ہے اور یا وہ اس عظیم مقصد کی راہ میں قربان ہو جاتا ہے۔

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

اگر سیاست کو دین سے علیحدہ کر لیا جائے، تو اسلام محض پوجا پاٹ تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ سیاست و حکومت کے بغیر اسلام کی یہ حیثیت، محض علم کلام کے ایک فلسفیانہ مسئلے سے کچھ بھی زائد نہ ہوگی:

نہ ہو مذہب میں جب زورِ حکومت
تو وہ کیا ہے، فقط اک فلسفہ ہے

اور اگر دین کو سیاست سے جدا کر لیا جائے تو سیاست و حکومت کی حیثیت ایک ایسے سرپٹ اسپ بے لگام کی رہ جاتی ہے جو کسی اخلاقی لگام کی پابندی قبول کیے بغیر دوڑتا رہے اور اپنے مرکب کے لیے ہر گام پر ظلم و تباہی کا پیغام لائے۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۲

دفاع وطن اور ہمارے فرائض

اسے تہذیب مغرب کا روشن کارنامہ سمجھیے یا سیاہ کارنامہ، کہ آج یہ تہذیب، نوع انسانی کو دو عظیم جنگوں کا ایندھن بنا ڈالنے کے بعد، ایک تیسری عالمگیر جنگ کے لیے پر تول رہی ہے۔ آج اس ''روشن'' تہذیب نے وقت کے ہر لحظہ اور زندگی کے ہر لمحہ کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا ہے پوری دنیا جنگ کی لپیٹ میں آ چکی ہے۔ ہوا اور بحر و بر میں، فضا اور خشک و تر میں، الغرض روئے زمین کے ہر حصے میں حرب و ضرب کا عمل جاری ہے۔ اگر کوئی مملکت براہ راست گرم جنگ کی لپیٹ میں نہیں آ سکی ہے تو سرد جنگ کا عمل وہاں بھی اپنے شباب پر ہے۔ تہذیب فرنگ کے اس طرز عمل کی روشنی میں، ہر وہ شخص...... جس کے دیدوں میں کچھ بھی بصارت اور دل میں ذرا سی بھی بصیرت موجود ہے...... یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس بے خدا تہذیب کی آخری منزل ''آدم سازی'' ہے یا ''آدم سوزی''؟

اسلام نے ملکی دفاع کے سلسلہ میں ہم پر جو فرائض و واجبات عائد کیے ہیں، وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم کے فرائض و واجبات وہ ہیں جنہیں ہم کو گرم جنگ کے دوران ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے، اور دوسری قسم کے فرائض و واجبات وہ ہیں جن کو سرد جنگ کے دوران ہمیں پورا کرنا ہے۔ فی الحال ہم بعض مصالح کی بناء پر اول الذکر نوعیت کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنی بحث کو ثانی الذکر فرائض و واجبات تک محدود کرتے ہیں۔

سرد جنگ سے متعلقہ فرائض:

سرد جنگ کے زمانہ کو اگر گرم جنگ کے دور کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ زمانہ، امن کا زمانہ کہلاتا ہے۔ زندہ اور خود دار و خود شناس قومیں، اس دور کو، گرم جنگ کے لیے تیاری کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جنگی قوتوں کو جمع اور منظم کرنے کا وقفہ اور مہلت سمجھتی ہیں۔ اس لیے وہ اس مہلت کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی تلواروں کو آئندہ کے لیے تیز اور صیقل کرتی ہیں۔ لیکن غلام فطرت اور وقت ناشناس قومیں دو جنگوں کے درمیان میسر آنے والے اس وقفہ کو ستانے اور آرام کرنے میں گزار دیتی ہیں۔ حالانکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں اگر کوئی فوج چاہے تو اپنے افراد کو دفاعِ وطن کے جذبہ سے سرشار بھی کرسکتی ہے اور اگر چاہے تو انہیں ملکی دفاع سے بددل اور اچاٹ بھی کرسکتی ہے۔

قوم کے ہر فرد میں دفاعِ وطن کا وہ جوش و جذبہ بھر دینا، جو اسے موت و حیات اور فتح و شکست سے بے نیاز کر کے دیوانہ وار شمع مملکت پر نثار ہونے کے لیے سرگرم عمل کر دے، ایک ایسا فریضہ ہے جسے صرف ایام امن ہی میں انجام دیا جاسکتا ہے۔ قوم کے اندر یہ جوش و جذبہ پیدا کرنے کے دن، یہی امن کے دن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ افرادِ قوم میں یہ جوش و جذبہ، لگن اور تڑپ اور یہ ولولہ و امنگ پیدا کرنا کس کی ذمہ داری ہے، ہمارے نزدیک انفرادی پہلو کے اعتبار سے، ہر فردِ رعیت کی اپنی ذمہ داری بھی ہے اور اجتماعی پہلو کے اعتبار سے، ان لوگوں کی بھی ہے جو رعیت کے راعی، حاکم اور اہل حل و عقد ہیں، ان دونوں قسم کے لوگوں میں سے ثانی الذکر گروہ کی اہمیت چونکہ زیادہ ہے، اس لیے ہم ان کی ذمہ داریوں کو زیر بحث لاتے ہیں۔

اربابِ اقتدار کی ذمہ داریاں:

ملکی امور کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ان کے فرائض میں سے اولین فریضہ یہی ہوتا ہے کہ وہ دفاع کے منظم اور مستحکم انتظامات کریں۔ حکومتی سطح پر اس سلسلے میں، ایک کام یہ کیا جاتا ہے کہ شہری دفاع کے نام سے ایک محکمہ قائم کر دیا جاتا ہے جس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

شہری دفاع کی فنی حفاظتی تدابیر:

آج کے اس ترقی یافتہ اور تکنیکی دور میں یہ نہایت ضروری ہے کہ لوگوں کو ہوائی حملے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دیگر جنگی اور سماوی آفات سے بچنے کے لیے، فنی تدابیر بتائی جائیں۔ ذرائع نشر و ابلاغ کے ذریعے ان کی بھرپور تشہیر کی جائے۔ افرادِ ملت کی تربیت کے لیے وسیع پیمانے پر لٹریچر شائع کیا جائے۔ وقتاً فوقتاً ''شہری دفاع'' کی تربیت گاہیں قائم کیں، جن میں فنی تدابیر اختیار کرنے کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ ان تربیت گاہوں میں معمول کے مطابق، لگی بندھی رسمی تدابیر ہی کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ معمول سے ہٹ کر اچانک پیدا ہونے والی مزاحمتوں اور رکاوٹوں کو دور کرنے کا سلیقہ بھی ابھارا جائے۔ اسی تربیتی نقطہ نظر سے سیمینار و مذاکرات بھی منعقد کیے جائیں الغرض فنی اور تکنیکی نقطہ نظر سے دورِ حاضر میں جو تدابیر اختیار کرنی ممکن ہوں، ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے۔

دفاعِ وطن کے لیے اصل قوتِ محرکہ:

حکومتی سطح پر ''شہری دفاع'' کی یہ کوششیں بجا! لیکن افرادِ ملت میں دفاعِ وطن کے لیے مطلوبہ جوش و جذبے کی محرک یہ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ وہ کچھ اور ہی ہیں۔ ''شہری دفاع'' کی ان تدابیر کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ جملہ تدابیر ''دفاعِ وطن'' (Defence of country) سے کہیں زیادہ ''تحفظ خویش'' (Self protection) کے پہلو سے تعلق رکھتی ہیں، اور پھر تحفظ خویش کے لیے بھی، یہ سب چیزیں محض ''تدبیر'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''قوت محرکہ'' (Incentive force) کی نہیں۔ شہری دفاع کی ان تجاویز و تدابیر سے کما حقہ فائدہ بھی صرف اسی صورت میں اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ قلوب و اذہان میں وہ چیز موجود ہو جسے قوتِ محرکہ کہا جاتا ہے۔ یہ ''قوتِ محرکہ'' کیا ہے؟ یہ وہ احساس ہے جس کی بنا پر، ہر فردِ مملکت پورے شعور و فہم سے یہ سمجھے کہ ..... پاکستان کے گھر میں رہتے ہوئے اس کی جان و مال، عزت و آبرو اور جملہ حقوق محفوظ ہیں، اس کا حق بے مانگے اور بے مزد خود اسے مل جائے گا۔ وہ اس گھر میں رہتے ہوئے ظلم و ستم کا شکار نہیں ہوگا۔ اس سے اگر رحمت و شفقت کا نہیں تو کم از کم عدل و انصاف کا معاملہ ضرور ہوگا۔ یہاں قانون سے ہٹ کر کسی بڑے سے بڑے آدمی کی ناراضگی و دشمنی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور عدل و انصاف کو پس پشت ڈال کر، کسی شخص کی دوستی و محبت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جو کچھ اس کا حق ہے، بلا روک ٹوک اسے مل کر رہے گا اور جو اس کا حق نہیں ہے، اس کے پیچھے پڑنا سعی لا حاصل ہے۔ اگر ہمارے ارباب بست وکشاد اور ہمارے سیاستدان اپنے خوش کن وعدوں اور مسحور کن نعروں سے نہیں بلکہ اپنے ٹھوس کردار سے اس مملکت خداداد کے ہر شہری میں یہ احساس پیدا کر دیں تو ان کے دلوں میں خود بخود دفاع وطن اور تحفظِ مملکت کی تحریک اٹھے گی۔ وہ از خود اس مملکت کے تحفظ کے لیے دیوانہ وار اٹھیں گے، جو ان کے لیے امن وسکون کا گہوارہ ثابت ہو رہی ہے۔ وہ والہانہ جوش سے اس گھر کا دفاع کریں گے، جو ان کے لیے نعمت کدہ اور راحت کدہ بنا ہوا ہے۔ وہ اس دیوار کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کریں گے، جس کی ٹھنڈی چھاؤں ان کے لیے راحت بخش اور سکون افزاء ہے۔ بڑی طاقتیں اور دشمن قوتیں اس مملکت کے خلاف لاکھ سازشیں کریں، مگر ان کی دال نہیں گلے گی۔ بلکہ ایسی مملکت کے خلاف دشمنوں کی ہر سازش، اہل مملکت کے دلوں میں دفاع وطن کے لیے نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا کر دے گی۔ دشمن بین الاقوامی حالات کو اس مملکت کے خلاف خواہ کتنا ہی بگاڑ دیں، اس کا ہر شہری حالات کے تپتے ہوئے صحرا میں اس شجر طیب کے دفاع کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھے گا جس کا پھل، اس کی قوت زندگی اور جس کی چھاؤں اس کا مسکن حیات ہے۔ بین الاقوامی سازشیں، اپنی موت آپ مر جائیں گی۔ لیکن مملکت خداداد کے ساتھ، لوگوں کے اس والہانہ لگاؤ کے باعث، وطن کو کوئی گزند نہیں پہنچ پائے گا۔

جلتی ہوئی قندیل وفا بجھ نہ سکے گی
سر پیٹ کے رہ جائیں گے جھونکے یہ ہوا کے

تحفظ جان ومال، صیانت عرض وآبرو، اور حصول عدل وانصاف کا یہ ''احساس'' اگر ہر فرد مملکت میں پیدا ہو جائے تو پاکستان ایک نا قابل تسخیر قلعہ بن جائے گا۔ اس ''احساس'' کے اجاگر ہونے کے بعد، اگر وطن پر کوئی مصیبت آئے، تو آپ دیکھیں گے کہ سربراہ مملکت کے اس اعلان پر کہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (ہلکے ہو یا بوجھل جس حال میں بھی ہو دفاع وطن کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے نکل پڑو) کی صدا پر شباب رعنا ہی نہیں بلکہ بچے اور بوڑھے بھی اپنی جان کو وطن پر نچھاور کرنا سعادت سمجھیں گے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے مدینے کی ریاست میں بسنے والے ہر شہری کے دل میں یہ "احساس" پیدا کر دیا تو اس ریاست کے دفاع کا وہ جوش و جذبہ اور ولولہ و عزم پیدا ہوا کہ وقت کی متمدن قومیں انگشت بدنداں رہ گئیں اور بڑی بڑی سلطنتیں خس و خاشاک کی طرح اسلامی سیلاب میں بہہ گئیں۔ اس فلاحی مملکت کو بچانے کے لیے صرف نوجوانوں کے گرم خون ہی میں نہیں بلکہ بوڑھوں کے منجمد خون میں بھی حرارت و حرکت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ایک جنگ میں جب نفیر عام کا حکم دیا گیا تو شاب و شیخ، تنگ دست و فراخ دست فقیر و غنی، ہتھیار بند و تہی دست اور سوار و پا پیادہ، الغرض ہر حال و کیف کے لوگ، دفاع مملکت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اسی ہجوم میں......

"حمص کے گورنر جناب صفوان بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل دمشق میں سے ایک ایسے بوڑھے کو اپنی سواری پر جنگ میں جاتے ہوئے دیکھا جس کی آنکھوں کے غلاف، پیری و ضعف کے باعث ڈھیلے ہو کر آنکھوں کو ڈھانپ رہے تھے لیکن وہ بوڑھا سوار بتکلف آنکھیں کھولتے ہوئے اپنی سواری کو ہانک رہا تھا، میں نے اس سے کہا "چچا جان! آپ تو اپنے بڑھاپے کے باعث معذور ہیں پھر ہم جیسے جوانوں اور جاں نثاروں کی موجودگی میں آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "بھتیجے! اللہ نے ہر حال میں نکلنے کا حکم دیا ہے۔ پھر جہاد کی آزمائش، شاید میرے نصیب میں شہادت کا مرتبہ لکھ دے۔" ❶

پھر اس "احساس تحفظ" کی بدولت، دفاع وطن کا یہ جذبہ صرف مسلم رعایا ہی کے قلوب و اذہان تک محدود نہیں رہتا ہے، بلکہ غیر مسلم (ذمی رعایا) بھی اس سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ

"ذمیوں نے جب اپنے ساتھ (خلافت راشدہ میں) مسلمانوں کے پاس عہد،

---

❶ تفسیر خازن در آیت۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ دیکھا تو یہ ان کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ ان کے حامی و مددگار بن گئے اور مسلمانوں کے دشمن ان کے دشمن قرار پائے چنانچہ انہوں نے اپنی طرف سے کچھ لوگوں کو مسلم مملکت کی حمایت میں بطور سی آئی ڈی، روم کی طرف بھیجا کہ وہ ملک روم کی بابت اخبار و اطلاعات کی رپورٹ مسلمانوں کو پہنچائیں۔'' [1]

لیکن اگر اس کے برعکس، ہمارے سیاستدان اور حکمران، ہماری انتظامیہ اور اس کے کارپرداز اپنے روز مرہ کے طرز عمل سے ہر شہری کے قلب و ذہن میں یہ احساس پیدا کر دیں کہ...... ''پاکستان میں کسی کی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ ہر بے اصولی یہاں اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون کارفرما ہے۔ یہاں ساری تعریفیں خاص واسطے اس شخص کے ہیں جو دولت مند ہو۔ مظلوم صرف وہی ہے جو ظالم بن جانے کی قوت سے محروم ہو، حق اور سعادت صرف اس شخص کا حصہ ہے جو حق چھین لینے کی طاقت رکھتا ہے، فرض اور ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے جو کمزور و ناتواں ہونے کے باعث ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، قانون کے لمبے ہاتھ صرف ان کو پکڑتے ہیں جو ضعف و ناطاقتی کی بنا پر جرم بے گناہی میں دھر لیے جاتے ہیں۔ عدل و انصاف کا سخت جان لوہا، دولت کی آنچ کے سامنے پگھل کر رہ جاتا ہے۔ تو آپ خود سوچیئے کہ دفاع مملکت کا جذبہ اس شہری کے دل میں کیسے پیدا ہوگا؟ جبکہ وہ کھلی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا ہے کہ اس مملکت خداداد میں، جسے صرف نفاذ اسلام کے لیے حاصل کیا گیا ہے، اب یہ حالت ہے کہ

؎ اپنا حق مانگنا اک جرم بغاوت ہے یہاں
جس کی پاداش میں ہونٹوں کو سیا جاتا ہے

؎ چند لوگوں کی مسرت ہے یہاں پیش نظر
چند لوگوں کی تمنائیں یہاں کھلتی ہیں

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفلسی اور بیکاری بھی ہے
رشوتوں کی گرم بازاری بھی ہے
حق پرستوں کے لیے ہے قید و بند
اہل باطل کی طرفداری بھی ہے

اب آپ غور فرمایئے کہ جب ہر شخص کے قلب و دماغ اور رگ و پے میں یہ ''احساس'' سرایت کر گیا ہے کہ پاکستان میں میرا کوئی بھی حق محفوظ نہیں ہے۔ اہل اقتدار قوم کے خادم نہیں بلکہ حاکم ہیں۔نہیں بلکہ یہ فاتح ہیں۔ افسری اور ماتحتی کا پورا نظام ایک ایسی سیڑھی کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں ہر فرد اپنے سے اوپر والے کا بندہ بن کر اس کی چاکری کر رہا ہے اور اپنے سے نیچے والے کا خدا بن کر اس پر حکم چلا رہا ہے۔ پوری مملکت خوان یغما بن کر رہ گئی ہے جس پر ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ عہدے داروں تک ہر کوئی مقدور بھر ہاتھ مار رہا ہے۔ اخلاقی فضائل، روپے پیسے کے پیمانوں سے ناپے جا رہے ہیں۔ مظلوم کی سچی اور بے باکانہ گفتگو پر ''جذباتیت'' کی پھبتی کسی جاتی ہے۔ حق و صداقت پر ڈٹ جانے کا نام ''ضد'' اور کذب و باطل پر اصرار کرنے کا نام ''استقامت'' رکھا جاتا ہے۔ خوشامد اور چاپلوسی کی قیمت چڑھتی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں میری عزت و ناموس اور جان و مال میں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں ہے۔'' تو خدارا سوچیئے اور غور فرمایئے کہ ''جس شہری کے ذہن میں یہ ''احساس'' راسخ ہو چکا ہو، وہ دفاعِ وطن کے لیے اٹھے تو کیوں کر؟...... وہ پاکستان کے لیے محبت کا جذبہ رکھے تو کس طرح؟...... تحفظ مملکت کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالے تو کس لیے؟...... کیا ان حاکموں کے لیے جو خدا بنے بیٹھے ہیں؟ کیا ان افسروں کے لیے جو دولتِ ایمان کی بجائے دولت زر پر مٹے جا رہے ہیں؟ کیا ان علماء اور خطباء کے لیے جن کی عظیم اکثریت عامتہ الناس میں دینی حمیت پیدا کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ عصبیت کی آگ بھڑکا رہی ہے؟ کیا ان اساتذہ، اور پروفیسروں کے لیے جو پاکستان کا کھا کر، بیرونی نظریات کا گیت گا رہے ہیں۔؟ کیا ان سیاستدانوں کے لیے جن کی اقتدار پرستی کا جنون ملکی سالمیت پر غالب آ کر ملک و قوم کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وبالِ جان بن جاتا ہے؟ آخر کس لیے اور کس بنیاد پر، ایک عام شہری، دفاع وطن کے لیے اٹھے؟

ابھی سے سوچ لو وگرنہ حشر کے روز
میرے سوال کا تم سے جواب ہو کہ نہ ہو

اس بحث کی روشنی میں، ہم اپنی انتظامیہ اور اس کے کار پردازوں کو خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے کے سربراہ ہوں، بڑی دل سوزی سے یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر توجہ فرمائیں۔ اسلام کے آئینے میں وہ اپنے دامن کردار کے داغ دھبوں کو دور فرمائیں اور اس ستم رسیدہ قوم پر رحم کرتے ہوئے، ان میں وہ ''احساس'' پیدا کریں، جو پاکستان سے ان کی محبت اور لگاؤ بلکہ عشق و فریفتگی کو مستقل اور دائمی طور پر فکری، نظری، عقلی اور جذباتی اساس مہیا کرے کیونکہ اس ''احساس تحفظ'' کے بغیر دفاع وطن کی ہر کوشش نقش بر آب ثابت ہوگی۔

عامتہ الناس کی ذمہ داریاں:

حکمرانوں کی ذمہ داریوں کے بعد، اب ہم رعایا اور عامتہ الناس کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہیں جو دفاع پاکستان کے ضمن میں ان پر عائد ہوتی ہیں۔

پہلی ذمہ داری...... اصلاح خویش:

عامتہ الناس کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پہلے خود مسلمان بنیں نسلی نہیں بلکہ اصلی مسلمان، اپنی غرض کے بندے نہیں بلکہ خدا کے مخلص اور بے غرض بندے بنیں۔ وہ زندگی میں ہر قدم اٹھانے سے پہلے، اپنے نفس سے یا کسی دوسرے انسان سے نہیں بلکہ صرف خدا و رسول ﷺ سے پوچھیں کہ آیا یہ قدم اٹھانا بھی چاہیے یا کہ نہیں؟ اگر اٹھانا چاہیے تو کس سمت اور کس راستے پر؟ ان کی نفرت یا محبت جس سے بھی ہو، اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ خدا کے لیے ہو۔ ان کی پسند اور ناپسند کی کسوٹی وہ نہ ہو جو جاہلیت جدیدہ یا جاہلیت قدیمہ نے قائم کی ہو بلکہ وہ صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کی قائم کردہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری ذمہ داری...... منظّم تحریک:

اس کے بعد عامتہ الناس کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ منظّم ہو کر فروغ خیر اور انسداد شر کے لیے تحریک برپا کریں۔ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ، وہ جس قدر منظّم ہوں گے اسی قدر ان کی قوت و طاقت میں اضافہ ہوگا۔ وہ ظلم وستم، فتنہ وفساد، اور فسق و فجور، جو حکومتی سطح پر بڑے منظّم طریقہ سے فروغ پا رہا ہے اور جو ملکی دفاع کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، صرف اسی صورت میں دب سکتا ہے جبکہ عامتہ الناس خیر پر منظّم ہو کر متحرک ہو جائیں اور جب ایسا ہوگا تو ان کی عددی اکثریت کے مقابلے میں حکام کی عددی اقلیت بے بس ہو کر رہ جائے گی۔

یاد رکھیے، کوئی بدعنوان حاکم، بددیانتی کر نہیں سکتا جب تک کہ عوام کھلے بندوں یا منقار زیر پر رہ کر اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دیں۔ کسی فرعون کی خدائی کے ٹھاٹ جم نہیں سکتے جب تک کہ لوگ اسے ٹیکس اور نذرانے نہ دیں، کسی نمرود کا دربار سج نہیں سکتا جب تک کہ عوام خود، اس کی تزئین و آرائش نہ کریں۔ اگر لوگ، خود منظّم اکثریت میں ہو کر حکام کی اقلیت کو رشوت دینے سے انکار کر دیں تو ان کے ٹھاٹ دھرے کے دھرے رہ جائیں، اگر لوگ خود آگے بڑھ کر مفاد پرست قائدین کے لیے ''زندہ باد'' کے نعرے نہ لگائیں تو ان کا نشہ قیادت ہرن ہو جائے، اگر عوام، خود اپنی آخرت بگاڑ کر، اپنی دنیا بنانے کے لیے ان خدا فراموش لیڈروں کے پیچھے فوج ظفر موج بن کر نہ چلیں تو ان کے سروں سے لیڈری کا خبط نکل جائے۔ لیکن میری صاف گوئی اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو میں عرض کروں گا کہ جس طرح حکام، اسلامی حدود کی پابندی کو اپنے لیے بارگراں سمجھتے ہیں اسی طرح عوام الناس بھی احکام دین کو بوجھ تصور کرتے ہیں۔ حکام کا مفاد، اگر انہیں رشوت لینے پر مجبور کرتا ہے تو رعایا کا مفاد، انہیں رشوت دینے پر مجبور کرتا ہے۔ الغرض۔

دونوں کے دل میں چور ہے بیٹھے ہیں سامنے
وہ دل لیے ہوئے، یہ تمنا لیے ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر فی الواقعہ، ہمارے عوام، خدا اور رسول ﷺ ہی کی بتائی ہوئی راہ تقویٰ پر چلنا چاہتے ہیں، تو ان کے لیے کرنے کا اولین کام یہی ہے کہ وہ خود نیک بنتے ہوئے ایک بنیں اور شر کے خلاف منظّم تحریک اٹھائیں۔ اس کے بغیر ملک کا اندرونی اور بیرونی دفاع ممکن نہیں ہے۔

تیسری ذمہ داری...... پاکستان اور اسلام کا لزوم والتزام:

عامۃ الناس کو یہ حقیقت، جس قدر جلد ممکن ہو، جان لینی چاہیے کہ پاکستان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں، یہ دونوں نہ صرف یہ کہ دو توام بھائی ہیں بلکہ وہ دونوں متحدالجسم اور متحدالمزاج بھی ہیں۔ دونوں ہم ضمیر بھی ہیں اور ہم خمیر بھی ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر دوسرے کا وجود قائم نہیں رہ سکتا، دونوں کی پسند اور ناپسند ایک ہے جو چیز ایک کے موافق مزاج ہے وہی چیز، دوسرے کے بھی حسب ذوق ہے، جو نیکی اور بھلائی، اسلام کے لیے باعث تقویت ہے وہی پاکستان کے لیے موجب استحکام ہے۔ جو گناہ اور برائی، اسلام کے حق میں مضرت رساں ہے وہی پاکستان کے حق میں بھی نقصان دہ ہے۔ شراب، زنا اور جوا جس طرح ذوقِ اسلام کے خلاف ہیں، اسی طرح وہ ذوقِ پاکستان کے بھی خلاف ہیں، ایک شرابی، زانی بددیانت اور بدعنوان شخص جس طرح دین اسلام کے احترام سے خالی الذہن ہے اور اپنے ان اعمال سے اسلامی تہذیب کی بنیادوں پر تیشہ زنی کرتا ہے بالکل اسی طرح اس کا دل، احترام وطن سے بھی خالی ہے اور اپنے ان گندے اعمال سے استحکام پاکستان کی جڑیں بھی کھوکھلی کرتا ہے۔ بہر حال، یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ایک بدقماش اور بدکردار شخص، نہ تو دین ہی کے کسی کام کا ہے اور نہ ملک ہی کے۔ ایسا شخص، دین کے لیے بھی موجب عار ہے اور ملک کے لیے باعث ننگ ہے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اگر مغرب کا ایک عیاش نوجوان، شراب پی کر اور تفریحاً زنا کر کے، اپنے ملک کا دفاع کرسکتا ہے تو پاکستان کا مسلم نوجوان، انہی خرابیوں میں ملوث ہوکر کیوں ایسا نہیں کرسکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی ملت پر قیاس، اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

شراب خوری، تہذیب مغرب کا جزولاینفک ہے، ایک مغربی نوجوان، جب شراب نوشی کررہا ہوتا ہے تو وہ اپنی معاشرت کے اصولوں کی نفی نہیں کررہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے تمدنی قوانین سے بغاوت نہیں کررہا ہوتا ہے کیونکہ اس کا یہ فعل، اپنی تہذیب کے عین مطابق ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس، جب ایک مسلمان شراب پی رہا ہوتا ہے تو وہ اسلامی اصولوں کی نفی کررہا ہوتا ہے، اسلامی تہذیب پر کلہاڑا چلا رہا ہوتا ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کررہا ہوتا ہے، وہ شراب پی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی کھلی مخالفت پر نہ اتر آئے، ایک مسلمان کے لیے تو سب سے قیمتی اور عزیز ترین متاع، خدا و رسول ﷺ ہی ہیں، جب وہ اس متاع گراں بہا کی مخالفت پر اتر آیا اور خدا و رسول ﷺ ہی کا دفادار نہ رہا تو ملک و وطن، کس شمار قطار اور کس کھاتے میں رہ گئے کہ وہ ان کا وفادار رہے گا۔ اور ان سے بغاوت نہیں کرے گا۔ اس لیے ہم علی وجہ البصیرت یہ سمجھتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی زندگی کو فسق و فجور کے حوالے کررہا ہے وہ نہ تو اسلام ہی کا وفادار ہوسکتا ہے اور نہ ہی ملک و وطن کا۔ پھر ایسا فاسق و فاجر اور ظالم و جفا کار شخص اگر مسند اقتدار پر بھی فائز ہو تو جس قدر اس کی پوزیشن بلند ہوگی اس قدر اس کی بداعمالیاں ملکی دفاع کو کمزور کرڈالنے والی ہوں گی۔

یاد رکھیے کہ ہم میں سے ہر فرد، پاکستان کے مقدر کا ستارہ ہے، وہ اپنے پورے اثاثۂ حیات اور متاعِ زندگی کے ساتھ، پاکستان کی کشتی میں سوار ہے، اس کا ہر قول و فعل پاکستان کی قسمت پر مثبت یا منفی اثر ڈالتا ہے، اگر وہ اپنے دامن حیات میں نیکی اور پرہیزگاری کے پھول سمیٹ رہا ہے تو وہ ''صحن پاک'' میں عطر بیزیوں کا سامان پیدا کررہا ہے۔ لیکن اگر وہ برائی اور فسق و فجور کو اپنا رہا ہے تو وہ عفونت اور سنڈاس کے ڈھیر جمع کررہا ہے، اس کا ہر ظلم و ستم، اور ہر بددیانتی، بدعنوانی اور مفاد پرستی، مفادِ وطن اور بالآخر دفاعِ وطن کو کمزور کردینے والی ہے۔ سوچیے کہ جو شخص، رشوت کے چند سکوں کے عوض، اپنی سرکاری کرسی کے ''تقاضائے حق'' کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس پشت ڈال دیتا ہے، وہ اگر کل اقتدار کی سب سے بڑی کرسی پر متمکن ہو جائے تو سیم وزر کا ڈھیر اسے کیوں نہ ملک بیچ دینے پر آمادہ کر سکے گا جبکہ اس کا ایمان اور اعتقاد ہی دولتِ زر بن چکی ہو۔ غور فرمایئے کہ جو سیاستدان، آج اپنے جنونِ اقتدار کی خاطر، پوری قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے، وہ کل کلاں، اسی نشہ اقتدار کی تسکین کے لیے کیوں نہ ملک فروشی اور غداری پر اتر آئے گا جبکہ اسے یہ یقین بھی دلایا گیا ہو کہ وہ بُبرک کرزئی بن کر بدستور اپنی قوم پر مسلط رہے گا۔

آخر میں میں یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ''محکمہ شہری دفاع'' کے محکمانہ احکامات کی بجا آوری میں، محض ٹھیکیدارانہ ذہنیت کے ساتھ، وطن کا دفاع نہیں کرنا چاہتے بلکہ پورے خلوص دل اور قلبی عشق سے یہ فریضہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر شخص کو (خواہ وہ راعی اور حاکم ہو یا رعیت ومحکوم) اپنے فرائض اور واجبات، اسلام کی روشنی میں اس طرح ادا کرنے ہوں گے کہ پاکستان عدل وانصاف اور سکون واطمینان کا گہوارہ بن جائے، منکرات و سیئات اور ظلم و بدعنوانی، فنا کے گھاٹ اتر جائیں، یاد رکھیے ظلم اور بددیانتی کی آکاس بیل، خائن اور بدکردار حاکم کے جذبہ دفاع کو بھی کھا جاتی ہے اور مظلوم رعایا اور ستم رسیدہ پبلک کو بھی دفاعِ وطن سے بددل اور اچاٹ کر دیتی ہے۔

❁❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہماری دیگر کتابیں

جناب غلام احمد پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی
جناب غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی
جناب غلام احمد پرویز کی خود ساختہ عجمی سازش پر ایک نظر	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی
عقوبات قرآن اور مفکر قرآن	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی
ولادت عیسیٰ اور منکرین حدیث	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد دین قاسمی
داعی اور دعوت کا انداز	مولانا عبدالمجید بکھراوی
اسلامی جنگجوئی۔ اسباب اور سدباب	اسرار الحق
برصغیر میں علم فقہ	محمد اسحاق بھٹی
بگاڑ کہاں؟	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مرقع سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر
مقالات سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، تاجران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان
فون: 042-37320318 فیکس: 042-37239884

فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 021-32212991, 32633887